FICTION HOUSE

لاڑکانہ سے پیکنگ

(چند سفر جناب بھٹو کے ساتھ)

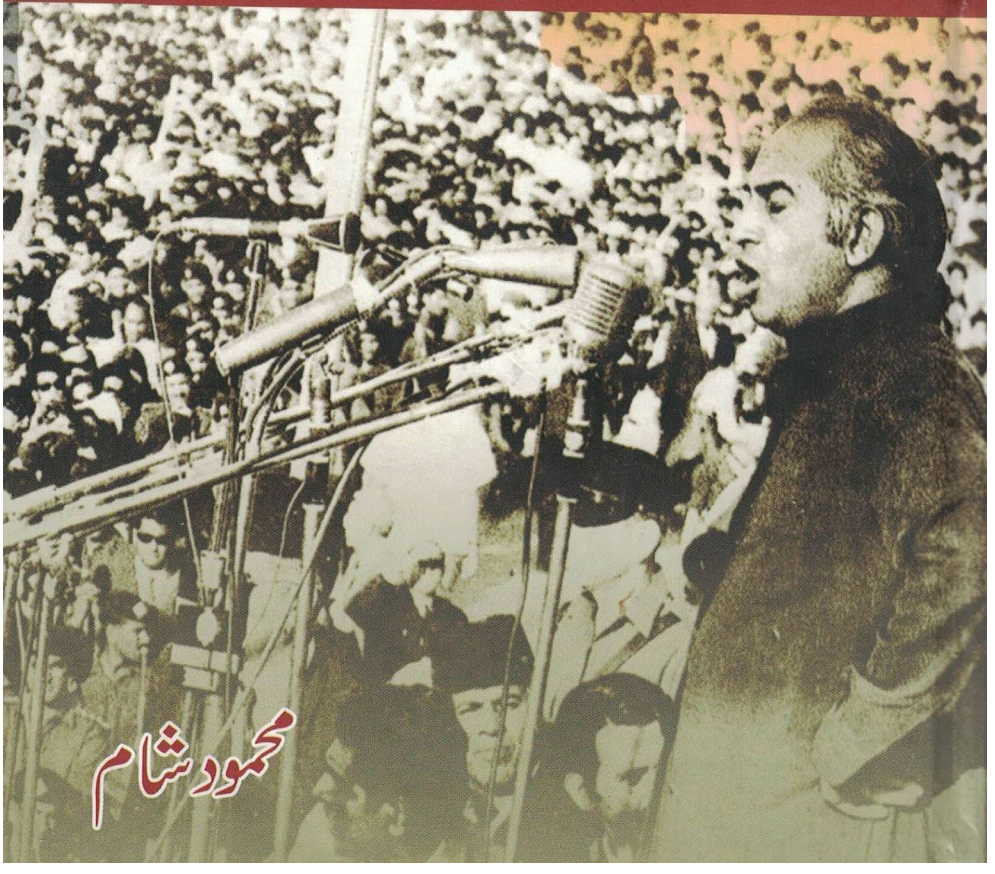

محمود شام

لاڑکانہ سے پیکنگ

(چند سفر جناب بھٹو کے ساتھ)

محمود شام

فکشن ہاؤس
○ لاہور ○ کراچی ○ حیدرآباد
e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : لاڑکانہ سے پیکنگ
(چند سفر جناب بھٹو کے ساتھ)
مصنف : محمود شام
اہتمام : ظہور احمد خاں
پبلشرز : فکشن ہاؤس، لاہور
کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق : ریاض ظہور
اشاعت : 2018ء
قیمت : -/360روپے

تقسیم کار:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 68-مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-36307550-1,37249218

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 021-32603056

فکشن ہاؤس

○ لاہور ○ کراچی ○ حیدر آباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

عوامی بھٹو کے نام

اب جس کی جھلک کبھی کبھی نظر آتی ہے

www.bhutto.org

لاڑکانہ سے پیکنگ

فہرست

1- اکیسویں صدی کا ایڈیشن	07
2- ابتدائیہ	10
3- سرِ آغاز	16
4- ہالہ کانفرنس	19
5- سوکارنو کی موت	22
6- جنگ ستمبر کی یادیں	32
7- قربانی کے لئے تیار رہو	36
8- عوامی سیلاب	44
9- دال روٹی کھائیں گے	50

www.bhutto.org

10- غریبن جی پارٹی 56
11- عوام جیت گئے 70
12- ایک ایک عہد پورا ہوگا 78
13- منزل کی بشارت 83
14- 70 کلفٹن 89
15- یہ سب غلام ہیں 94
16- ایک پاکستان کیلئے سفر (ڈھاکہ مذاکرات) 97
17- بلوچستان محروم ہے 133
18- دمادم مست قلندر 155
19- پیکنگ میں تین روز 163

اکیسویں صدی کا ایڈیشن

لاڑکانہ سے پیکنگ، پہلی بار 1972ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ ایک دستاویز تھی۔ 1970ء کے تاریخی انتخابات کی مہم کے حوالے سے، پھر مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کی منتخب اکثریتی پارٹیوں کے درمیان ڈھاکے میں مذاکرات کی عینی شہادت کے طور پر، چین پاکستان دوستی کے معمار جناب ذوالفقار علی بھٹو کے صدر پاکستان کی حیثیت سے پہلے دورۂ چین کی پرجوش داستان کے لئے۔ کتنے دور آئے، بیت گئے۔ پلوں کے نیچے سے کتنا پانی گزر گیا۔ کتنی برساتیں، خزائیں، بہاریں، گرمیاں، کتنی آمریتیں قہر ڈھا چکیں، کتنے انتخابات منعقد ہو چکے، کتنے نظام بدل چکے، روس سے کمیونزم رخصت ہو چکا، سرد جنگ اپنے انجام کو پہنچ چکی، پاکستان کی کئی نسلیں ہر قسم کی جمہوریت کے مزے چکھ چکیں۔ چین بدل چکا۔ پاکستان وہیں کا وہیں ہے بلکہ اور پیچھے جا چکا۔ پیکنگ بدل گیا، پھیل گیا، بیجنگ بن گیا۔ لیکن لاڑکانہ وہی کا وہی ہے۔ چین نے کمیونزم ترک نہیں کیا۔ کمیونسٹ پارٹی کو برقرار رکھتے ہوئے حقیقت پسندی سے معروضیت سے رشتہ استوار کیا۔ اپنی معیشت کو اپنے فلسفے کی طرح طاقتور کیا۔ اب دنیا بھر پر اس کا اقتصادی غلبہ ہے۔ جہاں بھر میں کسی بھی گوشے میں چلے جائیں، قوم امیر ہو یا غریب، کپڑا چین کا پہنتی ہے، برتن چینی استعمال کرتی ہے، کتابیں مطبوعۂ چین پڑھتی ہے۔ چینیوں کو ماؤزے تنگ، چواین لائی کے بعد بھی ایسے رہنما نصیب ہوتے رہے ہیں، جو چین سے عشق کرتے رہے ہیں، چین کو آگے لے جاتے رہے ہیں۔ اتنی بڑی قوم کو سنبھالنا آسان کام نہیں ہے۔ جس چین کو ہم نے شہید ذوالفقار علی بھٹو

کے ہمراہ دیکھا تھا۔ وہ وہ نہیں رہا تھا جب ہم شہید محترمہ بینظیر بھٹو کے ساتھ گئے۔ چین روانگی سے قبل میں نے محترمہ بے نظیر بھٹو کو "لاڑکانہ سے پیکنگ" ارسال کی تو بہت خوش ہوئیں۔ اور ایک خصوصی مکتوب ارسال کیا، جس کا عکس آپ اس نئے ایڈیشن میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ چین بالکل بدل گیا تھا۔ اس سفر کی روداد "پاکستان پر قربان" میں شامل ہے۔

بہت کچھ بدل گیا۔ لیکن "لاڑکانہ سے پیکنگ" اردو، انگریزی دونوں اپنی جگہ اسی طرح ہیں۔ ان کا حوالہ اب بھی ایک اہم دستاویز کے طور پر دیا جاتا ہے۔ مجھے بہت مسرت ہوتی ہے اور فخر بھی۔ یہ کتاب جو زیادہ ضخیم نہیں ہے۔ لیکن ایک ایسے عہد کی تصویر ہے، جب پاکستان ایک تھا اور اسے ایک رکھنے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔ کیا زمانہ تھا کیا دور تھا، کیا لوگ تھے، بہت سے نام جو اس داستان میں نمایاں نظر آتے ہیں، ان میں سے بہت سے زندہ بھی ہیں لیکن اب اس طرح نمایاں نہیں ہیں۔ بہت سے راستے بدل چکے، بہت سوں کو پیپلز پارٹی فراموش کر چکی۔ ہم نے اس وقت دیباچے میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کے عوامی اور جاگیردارانہ کردار کی بات کی تھی۔ صرف یہ کہا تھا کہ وہ اپنا جاگیردارانہ کردار قربان کریں تو امر ہو جائیں گے۔ ہم تو صرف کردار کی قربانی کی بات کرتے تھے۔ وہ تو جان قربان کر گئے وہ بھی ان کی عظیم اور عزیز ترین بیٹی بھی۔ جس راہ کو انہوں نے چنا تھا، مقتل سے گزر کر جاتی تھی۔ جاتی ہے۔ شہیدوں کا لہو رنگ کیوں نہیں لاتا، یہ قربانیاں تبدیلی کا سرچشمہ کیوں نہیں بنتیں۔ لیکن یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ 1967ء سے بھٹو کا دور چل رہا ہے۔ یہ تو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ پاکستان میں تو کسی اور قائد کو یہ ملک گیر عزت، عقیدت اتنے تسلسل سے اتنے عرصے تک میسر نہیں آئی۔ آج بھی بھٹو ہی ملکی سیاست کا محور ہے۔ پہلے بھٹو سے محبت کرنے والوں کے ساتھ ساتھ نفرت کرنے والے بھی تھے۔ لیکن ان کی بیٹی نے جس طرح اپنی جان کا نذرانہ دیا، اس کے بعد اب صرف اور صرف بھٹو سے محبت کرنے والے ہی رہ گئے ہیں۔ نفرت کا حوصلہ یا جواز کسی کے پاس ہے بھی نہیں۔

میڈیا آزاد ہے، عدلیہ آزاد ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انتظامیہ اور اسٹیبلشمنٹ بھی پہلے

کی طرح آزاد ہیں۔ اس لئے میڈیا اور عدلیہ کی آزادی، ''آزادیٔ موہوم'' ہے۔ انسان اسی طرح سرداری، زمینداری کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ہاریوں کے چہرے اسی طرح کھردرے، آنکھیں اسی طرح سپاٹ ہیں، بندۂ مزدور کے اوقات اسی طرح تلخ ہیں، بلوچستان اسی طرح خشک، بنجر اور محروم ہے، سندھ اسی طرح تپ ہا ہے، ریت ہریالی کو چاٹ رہی ہے، تھر کا کوئلہ انسانی لمس کے لئے اسی طرح بے تاب ہے، پنجاب کے میدان فاتحین کے اسی طرح منتظر ہیں۔ سرحد تو زخم زخم ہے۔ لاڑکانہ سے پیکنگ کا راستہ چار عشرے پہلے کی طرح پاکستان کی خوشحالی کا ممکنہ راستہ ہے۔ صدر مملکت آصف علی زرداری، ذوالفقار علی بھٹو کی روایت پر عمل کرتے ہوئے آج بھی پاک چین دوستی سے ہی پاکستانیوں کے لئے امن، سکون اور رزق کی فراوانی تلاش کر رہے ہیں۔ بار بار چین جا رہے ہیں۔ چین اب بھی اسی طرح پاکستان سے دوستی کا بھرم رکھ رہا ہے، مشورے دے رہا ہے، عملی امداد فراہم کر رہا ہے۔ ہم اسی طرح چین کے مشورے ایک کان سے سن رہے ہیں، دوسرے کان سے نکلنے دے رہے ہیں۔

اسلام آباد سے بیجنگ، بیجنگ سے اسلام آباد۔ آج کی شارع ریشم یہی ہے۔ شاہراہ خوشحالی، شاہراہ امن۔ ایک روز یہ پورا خطہ دنیا کا سب سے خوشحال اور مالا مال علاقہ ہوگا۔ انشاءاللہ۔

محمود شام

21 اگست 2009ء

www.bhutto.org

ابتدائیہ

یہ ستم کی ایک طویل رات کی داستان ہے
یہ آمروں کے ظلم وتشدد کی کہانی ہے
یہ بارہ کروڑ انسانوں کی مظلومی کی تاریخ ہے

یہ ہمارے وطن کی تاریخ کے وہ باب ہیں جب ہماری سیاہیوں کی روداد قلمبند کی گئی اور جب ہمارے جسم کو درمیان سے چیر کر رکھ دیا۔

نقش ابھرتے ہیں، ابھر ابھر کر مٹ جاتے ہیں۔ زیادہ جاننا اور حقیقت معلوم ہونا بھی کتنا بڑا کرب ہے۔ اگرچہ ایک صحافی کی حیثیت سے ہر بات کی تہ تک پہنچنا اور شے کی حقیقت کو سمجھنا فرض منصبی ہے۔ لیکن یہی بات ایک مسلسل کسک بھی بن جاتی ہے۔ آپ خود اس شخص کے ذہنی الاؤ کا اندازہ کر سکتے ہیں جو ہر لحہ جانتا ہو کہ کیا ہو رہا ہے کیا ہونے والا ہے۔ حالات کیا کروٹ لینے والے ہیں۔ 1968ء سے 1972ء تک جو کچھ ہوا، اور جس طرح سے ہماری تاریخ نے دنوں میں مہینے اور مہینوں میں صدیاں طے کی ہیں۔ میں نے اس طوفان کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اکثر اوقات اس کی لپیٹ میں آ گیا ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر نہیں کہ میں ایک ایسی شخصیت کے گرد و پیش رہا ہوں۔ جو اس وقت اس ملک کی سربراہی کے عظیم منصب پر فائز ہے۔ مجھے صرف اس بات کا احساس ہے کہ تاریخ کے کئی اہم ترین لمحوں پر میں نے وقت کے سینے میں حالات کی دھڑکن کو اپنے کانوں سے سنا ہے ایک صحافی ہونے کے اعتبار سے مجھے اس پر فخر ہے کہ مارچ 1969ء سے دسمبر 1972ء

www.bhutto.org

تک۔مغربی پاکستان میں جس سیاسی شخصیت نے تاریخ کے فیصلے رقم کئے ہیں۔اس کی جدوجہد میں ایک صحافی کی حیثیت سے ساتھ ساتھ تھا۔سندھ کے تپتے ہوئے ریگ زاروں، پنجاب کے پھیلے ہوئے میدانوں، اور بلوچستان کی خشک پہاڑیوں میں جب صدیوں کے دکھی اور مظلوم انسان۔اپنے چہروں پر مجبوریوں اور محکومیوں کی داستانیں لئے سڑکوں، پگڈنڈیوں، کھیتوں اور میدانوں میں اس کے گرد جمع ہوتے، تو میں ان داستانوں کو بخوبی پڑھ سکتا تھا، یہ چہرے، دکھی چہرے، کھردرے چہرے اب بھی میرے ذہن پر حاوی ہیں۔مجھے ان پھٹی پھٹی آنکھوں میں کروٹ لیتی امیدیں، آرزوئیں اور امنگیں اچھی طرح یاد ہیں، میں ان آرزوؤں امیدوں اور امنگوں کی روشنی میں اپنی تاریخ مرتب کرنا چاہتا ہوں۔اپنے سفر کی روداد قلمبند کرنا چاہتا ہوں۔

مارچ 1969ء سے اس کتاب میں سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ویسے تو یہ سفر صدیوں سے جاری ہے، اس وقت سے جاری ہے، جب سے انسان اونچے اور نچلے طبقے میں تقسیم ہوا ہے۔جب سے ظالم اور مظلوم کی تفریق قائم ہوئی ہے۔میں نے اس سفر کی گرد ایک خاص نقطۂ تاریخ سے اپنے چہرے پر اوڑھنی اور آنکھوں میں اتارنی شروع کی ہے اس لئے میں اس نقطۂ تاریخ کا آغاز کر رہا ہوں۔

یہ روداد ہر سفر کے فوراً بعد لکھی گئی ہے۔اس میں کسی بات پر تنقید ہے نہ کسی فعل پر تبصرہ یہ واقعات جس طرح کہ رونما ہوئے اور حالات جس طرح کہ میں نے انہیں دیکھا اور خیالات جس طرح کہ میں نے انہیں محسوس کیا، ان کی ایک دستاویز ہے۔ہم اپنی تاریخ کا ایک دور گزار چکے۔اب ایک نئے دور سے گزر رہے ہیں۔یہ اسی دور کی کہانی ہے۔تمام واقعات، تقاریر اور نعروں کو ریکارڈ پر اس لئے لایا گیا ہے کہ جو کروڑوں انسان اس وقت محسوس کرتے تھے۔وہ بھی محفوظ ہو جائے، اور ایک سیاسی شخصیت ان سے جو ر وعدے کرتی تھی وہ بھی۔مجھے معلوم نہیں کہ پہلے پاکستان کی سیاست میں اس قسم کی کوئی تحریر ہے یا نہیں مجھے اس سے کوئی سروکار بھی نہیں ہے۔میں نے اعتماد اور خلوص کے ساتھ اس

www.bhutto.org

جدوجہد میں حصہ لیا اور اسی جذبے کے ساتھ ان دنوں ہفت روزہ ''الفتح'' میں انہیں قلم بند کرتا رہا تاکہ سند رہیں اور بوقتِ ضرورت کام آئیں۔ میں اب بھی اگر ان تحریروں پر نظر دوڑاتا ہوں تو ایک ایسی قوم کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ جس کا سیاسی شعور انتہائی بلندیوں پر پہنچا ہوا ہے، جو اپنے حقوق کے حصول کے لئے ہر قربانی دینا چاہتی ہے جو جمہوریت کی صبح کے لئے بے پناہ مصائب جھیل رہی ہے۔ جو کھرے کھوٹے کو پہچانتی ہے۔ کیا سندھ کیا پنجاب۔ کیا بلوچستان، کیا سرحد۔ ان دنوں ہر جگہ استحصال کے خلاف، جاگیرداروں کے خلاف۔ ایک آگ تھی کہ بھڑک رہی تھی۔ ایک طوفان تھا کہ اُمڈ رہا تھا..... میں اپنی تاریخ کے ان عظیم دنوں کو نہیں بھلا سکتا۔ یہ میری بلند قسمتی ہے کہ تاریخ اپنے ان لمحوں کو میرے قلم سے محفوظ کروا رہی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ میں تاریخ کے کس نقطے پر کھڑا ہوں۔ ابھی تاریخ نے جانے کتنی صدیوں تک پھیلنا ہے۔ میرا زمانہ بہرحال اس خطے کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھے گا۔ اس اہم عہد کے سیاسی ابھار کو میں نے ان الفاظ میں محفوظ کرلیا ہے۔

تاریخ ہر زمانے میں بعض شخصیتوں کو نتیجہ خیز کردار ادا کرنے کا موقع دیتی ہے۔ تاریخ میں اکثر ایسے لمحات آتے ہیں کہ جو شخصیتیں ان لمحوں کے چیلنج کو قبول کر کے صحیح فیصلہ کرلیں وہ ابدی مقام حاصل کرلیتی ہیں اور اگر اس میں ذرا پس وپیش کریں یا غلط قدم اٹھالیں تو وہ ہمیشہ کے لئے معتوب ہوجاتی ہیں۔ تاریخ بڑی بے رحم ہے اسی طرح عوام بھی، وہ کبھی غلط فیصلہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ ایک شخصیت کے ساتھ ساتھ اسی وقت تک چلتے ہیں جب تک وہ صحیح فیصلے کرتی ہے۔

جون 1967ء سے لے کر دسمبر 1972ء تک مسٹر بھٹو کی تاریخ کا ایک دور ختم ہوا ہے۔ تاریخ نے اس شخصیت سے اس عرصے میں جو کام لینا تھا، وہ لے لیا ہے۔ ان کا ایک کردار ابھر کر روشن ہوکر مٹ چکا ہے۔ اب دوسرا دور شروع ہوا ہے وہ دوسرا کردار ادا کررہے ہیں۔ اس وقت تاریخ پھر بڑی بے رحمی سے ان کو چیلنج پر چیلنج کررہی ہے۔ ان چیلنجوں کا

مقابلہ وہ کب تک کرتے ہیں کس حد تک کرتے ہیں، اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ابھی اس کا عمل جاری ہے "لاڑکانہ سے پیکنگ میں" آخری سفر سے پہلے جتنے باب ہیں۔ وہ اس شخصیت کے اس کردار کی عکاسی کرتے ہیں، جو وہ مکمل طور پر ادا کر چکی ہے۔ اور جس کے بارے میں عوام اور تاریخ دونوں فیصلہ دے چکے ہیں۔ میں اس لئے یہ بات نہیں کہتا کہ یہ روداد میں نے لکھی ہے بلکہ اس لئے کہ پاکستان کے ہر شہری کی تقدیر اس دور سے وابستہ ہے، کہ اس روداد کا ایک ایک لفظ بغور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے اپنے الفاظ اس کتاب میں بہت کم ہیں۔ اس دور کی اس شخصیت کے الفاظ ہیں یا عوام کے۔ ان دونوں سے اس دور کی تاریخ مرتب ہوئی ہے۔

یہ بھی نہیں ہے کہ گذشتہ دور اور اب کا دور کوئی الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ گزشتہ دور میں ہم نے جو فصل بوئی ہے۔ اس دور میں کاٹیں گے۔ اس لئے گذشتہ دور کے تمام واقعات اور حالات ریکارڈ میں رکھنا ضروری ہیں۔ مسٹر بھٹو کی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہو رہا ہے۔ وہ اپنے طبقاتی کردار، طبقاتی وابستگیوں، ملکی اور بین الاقوامی تضادات، حالات کے تقاضوں، ذاتی اور قومی مفادات کی روشنی میں کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں کرتے۔ اب اس کے جائزہ لینے کا وقت ہے۔ انہوں نے ایک عوامی تحریک ضرور چلائی مگر وہ برسر اقتدار آئے ہیں تو انتخاب کے ذریعے اس لئے مکمل انقلاب کی توقع بے سود ہے۔ ان کا طبقاتی کردار بھی اپنی جگہ ہے۔ بین الاقوامی مجبوریاں بھی اپنی جگہ۔ انہوں نے گذشتہ تین سال میں خواہ محض الفاظ کے ذریعے ہی سہی۔ عوام میں اور نچلے طبقے میں جو بیداری اور شعور پھیلایا ہے۔ وہ ان کا اپنی جگہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ لوگ اپنے حقوق کے حصول کا اتنا شعور رکھتے ہیں کہ اب وہ موجودہ حکومت کے روکے بھی نہیں رکتے ہیں۔ مسٹر بھٹو نے جس عوامی سیلاب کا بند کھولا تھا۔ وہ تھمنے نہیں پایا ہے۔ تاریخ مسٹر بھٹو کے اس کردار کو فراموش نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان کا طبقاتی کردار ان کے آڑے ضرور آئے گا۔ اب دیکھنا ہے ان کے اندر تیسری دنیا کی قیادت کی جو خواہش اور عزم موجود ہے۔ وہ ان کے اس طبقاتی کردار پر

غلبہ پاتا ہے یا نہیں۔ تیسری دنیا کی تقدیر بہر حال سوشلسٹ معیشت سے وابستہ ہے۔ جلد یا بدیر بہر حال عوامی انقلاب آنا ہے۔ اور اگر اس انقلاب کی راہ روکی گئی، سوشلسٹ معیشت کو بروئے کار نہ لایا گیا تو شاید حالات کچھ اور رُخ اختیار کریں۔ لیکن مسٹر بھٹو جو حالات کی نبض پر انگلی رکھتے ہیں۔ اور جو Sense of timing سے سرشار ہیں۔ وہ بھی اس انقلاب کی آہٹوں کو سن رہے ہوں گے۔ وہ خود کہہ چکے ہیں کہ تاریخ کی بجائے ملٹری کے ہاتھوں تباہ ہونا پسند کریں گے۔

محمود شام۔ کراچی

31 مئی 1972ء

الٹ رہا ہے زمانہ ستمگروں کی بساط
چلو قریب ہوئی صبحِ اقتدارِ عوام

(محمود شام)

سرِ آغاز

یہ کراچی کینٹ ریلوے اسٹیشن ہے۔لوگوں کا اژدہام ہے۔ایک ٹرک سجا ہوا ہے۔نوجوان بینر لئے کھڑے ہیں۔ایوب خان کے زوال کی گھڑیاں نزدیک ہیں۔پلیٹ فارم پر، ریلوے پل پر ہر جگہ عوام کا سیلاب ہے۔بولان میل آنے والی ہے بھٹو صاحب قید اور پھر لاڑکانہ میں نظر بندی کے خاتمے کے بعد آزاد ہو جانے کے بعد پہلی بار کراچی آ رہے ہیں۔کراچی ان کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے ہے۔تین چار ماہ پہلے انہوں نے پشاور سے تحریک چلائی تھی۔وہ اب بہت آگے بڑھ چکی ہے۔پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان، نوشہرہ، پنڈی، اور دوسرے شہروں میں آمریت کے خلاف عوامی تحریک چلانے کی پاداش میں انہیں لاہور میں گرفتار کرلیا گیا۔مختلف جیلوں میں سزا کاٹنے اور آخر میں لاڑکانہ میں اپنے گھر میں نظر بند رہنے کے بعد رہا ہونے پر وہ بولان میل سے کراچی پہنچ رہے ہیں۔این ایس۔ایف اور پیپلز پارٹی کے نوجوان دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔بھٹو صاحب ہجوم میں سے نکلتے ہوئے سڑک پر آ پہنچے ہیں۔ان کے ساتھ میر رسول بخش خان تالپور ہیں۔ان کے جیل کے ساتھی.....ان کے جیل کے اور بہت سے ساتھی ابھی تک رہا بھی نہیں ہوئے ہیں۔ٹرک پر آ کر ہاتھ ہلا ہلا کر وہ عوام کا شکریہ ادا کر رہے ہیں کہ وہ ان کی خاطر جدوجہد کرتے ہوئے جیل گئے تھے۔اور اب ان کے مطالبات سے مجبور ہو کر انہیں رہائی دی گئی ہے۔اور وہ اب پھر ان کے درمیان موجود ہیں۔سروں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔مظلوم مزدور، مفلوک الحال شہری مجبور طالب علم، آمریت کی زنجیر توڑنے کا عزم لئے کراچی کی

سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔کارواں بڑھ رہا ہے۔یہ ایک ہوٹل ہے۔ایوب خان کے کسی دوست کا،لوگ اسے توڑنے اور لوٹنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔مگر خیر گزرتی ہے۔ایمپریس مارکیٹ میں چند شہریوں نے ایوب آمریت کو قائم رکھنے کے لئے بھوک ہڑتال کر رکھی ہے۔یہاں پتھر برس رہے ہیں،آگ لگ رہی ہے۔جلوس کے منتظمین راستہ بدلنا چاہتے ہیں مگر آواز آرہی ہے کہ نہیں میں اس آگ میں سے گزر کر جاؤں گا۔وہ اس آگ میں سے گزر چکا ہے۔آگ پھیل رہی ہے۔پورے ملک میں۔اب اس آگ کو روکنا مشکل ہے،آمریت اس آگ کی لپیٹ میں آگئی ہے۔چہرہ بدل گیا ہے۔ایوب کی جگہ یحییٰ آگیا ہے۔

میں 70 کلفٹن میں بیٹھا ہوں۔بھٹو صاحب سے یہی میری پہلی بالمشافہ ملاقات ہے۔بات چیت ہورہی ہے۔سیاسی،معاشی ملک کے دونوں حصوں میں یکجہتی کی،طلبہ کے مسائل کی۔بھٹو صاحب بتارہے ہیں کہ ہمارے ملک کے سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہوتے جارہے ہیں اور وہ دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک کے امیر ترین سرمایہ داروں سے کم نہیں ہیں۔مگر ہمارے ملک کے غریب،افریقہ اور ایشیا کی پس ماندہ ترین قوموں سے بھی کہیں پیچھے ہیں۔"

یہ آواز ملتان،ڈیرہ اسماعیل خان،پشاور میں گونج رہی ہے،پھر سانگھڑ میں گولیاں چلتی ہیں۔درختوں اور آس پاس چھپے ہوئے لوگ بندوقیں لے کر پل پڑتے ہیں،گولیاں چل رہی ہیں،دھول اڑ رہی ہے۔بھٹو صاحب سڑک پر پیدل چلنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں "میں ذوالفقار علی بھٹو ہوں..... مجھے گولی مارو..... میں بھٹو ہوں....." نور محمد بھٹو کو نیچے گرا کر اوپر لیٹ جاتا ہے کہ اگر گولی چلے تو انہیں نہ لگنے پائے۔یہ ہنگامہ بھی فرو ہو جاتا ہے۔

یہ 2 جنوری 1970ء ہے۔سیاسی سرگرمیوں کی آزادی کا اعلان ہو چکا ہے۔بھٹو صاحب کا پہلا جلسہ 4 جنوری 1970ء کو نشتر پارک میں ہے۔آج وہ پریس کلب میں میری طویل نظم ''کارڈیوسپازم'' پر مشتمل کتاب کا افتتاح کر رہے ہیں۔پریس کلب میں صحافی،دانش ور،سیاسی کارکن جمع ہیں۔ملک غلام مصطفیٰ کھر،بھٹو صاحب کی کار ڈرائیو کرتے ہوئے پریس کلب میں آئے ہیں۔بھٹو صاحب کہہ رہے ہیں۔

''کارڈیوسپازم۔ایسی کتابیں کیوں نہ لکھی جائیں۔استحصال کے خلاف ضرور لکھا جانا چاہئے۔استحصال کرنے والوں نے ہی اس معاشرے کو تباہ کیا۔بھٹو صاحب بتا رہے ہیں کہ 4 جنوری کو یہاں پر 11 جنوری کو پنڈی میں جلسہ ہے۔اب عام جلسوں کا آغاز ہو چکا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ عوام کی بیداری کا بھی۔انتخابی جلسوں کے پلیٹ فارم سے عوام میں اس نظام کے خلاف نفرت پیدا کی جا رہی ہے۔جس نے انہیں برسوں سے اپنا اسیر بنا رکھا ہے۔

ہالہ کانفرنس

یہ ہالہ ہے۔مخدوم زمانہ محمد طالب المولیٰ کا علاقہ۔غریب ہاریوں کی سرزمین۔ملک بھر میں عوام نے یکم جولائی 1970ء کی صبح کا شدت سے انتظار کیا ہے۔اس تاریخ کو ایک طرف ون یونٹ کے ٹوٹنے سے متعلق ایک اہم فیصلے نے عملی شکل اختیار کرنی تھی تو دوسری جانب پاکستان پیپلز پارٹی نے ہالہ کانفرنس میں آئندہ عام انتخابات میں حصہ لینے یا بائیکاٹ کرنے کے بارے میں اہم فیصلہ کرنا تھا۔عوام کے نزدیک ان دونوں کا عظیم عوامی ابھار سے گہرا تعلق ہے۔جہاں عام شہریوں،مزدوروں،کسانوں اور طلبہ نے ون یونٹ کے خلاف بھرپور جدوجہد کی وہاں مظلوم عوام نے پاکستان پیپلز پارٹی کے پرچم تلے ایوب آمریت کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔

یکم جولائی 1970ء کا سورج طلوع ہوا تو عوام نے ون یونٹ کے خاتمے کی خوشی میں جشن منایا۔اسی موقع پر پاکستان پیپلز پارٹی نے ہالہ کانفرنس کا آغاز کیا۔

ہالہ کانفرنس میں پیپلز پارٹی کس حد تک عوامی امنگوں پر پوری اتری ہے۔اس کا اندازہ کانفرنس میں کیے جانے والے فیصلوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔وہ یہ ہیں۔

1- پاکستان پیپلز پارٹی انتخابات میں حصہ لے گی۔
2- دوسرا اہم فیصلہ پیپلز گارڈ کے قیام سے متعلق ہے۔
3- تیسرے درجے پر انتخابات سے دو ماہ پہلے وزراء کی سبکدوشی اور اسمبلیوں کی خودمختاری وغیرہ۔کے مطالبات ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انتخابات میں حصہ لینے کے فیصلے سے عوام کی مشکلات اور مسائل اسمبلیوں کے ذریعے حل ہوسکیں گے یا نہیں۔اس سوال پر پاکستان پیپلز پارٹی کی کانفرنس میں شریک ہونے والوں کے مابین کوئی خاص اختلاف نہیں تھا۔نوجوان رہنما معراج محمد خان، طارق عزیز، ڈاکٹر شمیم زین الدین خان اور دوسرے اس بات پر متفق تھے کہ ملک کے مخصوص حالات میں انتخابات کا بائیکاٹ تو نہ کیا جائے لیکن انتخابی پلیٹ فارموں سے عوام کو خبردار کیا جائے کہ انتخابات ملک کے بائیس اجارہ دار سرمایہ داروں، وڈیروں اور جاگیرداروں اور نوکر شاہی کے مظالم سے پیدا ہونے والے مسائل اور مشکلات کے حل میں معاون ثابت نہیں ہوں گے۔سرمایہ داری نظام میں اس قسم کا ڈھونگ چہرے بدلنے کے لئے رچایا جاتا ہے۔اس فریب کار سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔عوام کو جاگیرداری ختم کرانے کے لئے جدوجہد کو جاری رکھنا ہوگا۔انہیں اجارہ دار اور سرمایہ دار اور نوکر شاہی کے مظالم کے خلاف اپنی جنگ کو مزید تیز کرنا ہوگا کیونکہ پارلیمان سے عوام کے مسائل کبھی حل نہیں ہوتے۔

اس موضوع پر دوسرے مندوبین میں سے صاحبزادہ احمد رضا قصوری، بدیع الحسن زیدی، حق نواز گنڈاپور، ڈاکٹر مبشر حسن، نثار محمد خان، میاں گل قادری، مسٹر حق، غریب نواز جے اے رحیم، ولی الٰہی، سیف الرحمٰن کیانی، میاں محمد افضل، ملک معراج خالد، مولانا عبدالحق ربانی، صاحبزادہ فاروق علی خان، ذکاءاللہ لودھی، شیخ محمد رشید، میجر جنرل محمد اکبر خاں، عبدالحفیظ پیرزادہ، محمد حیات خان آف شیر پاؤ اور میر سول بخش تالپور نے بھی اظہار خیال کیا۔ان میں سے 99 فیصد کی رائے تھی کہ پاکستان پیپلز پارٹی کو انتخابات میں حصہ لینا چاہئے۔مگر وہ اپنے عوامی مشن کو متاثر نہ ہونے دے۔مزدوروں، کسانوں اور طلبہ سے انتخابات کے دوران اور بعد میں رابطہ قائم کیا جائے۔اور ان کی مدد سے پارٹی کو مزید عوامی جماعت بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔

آواز گونج رہی ہے۔

www.bhutto.org

''انتخابات میں حصہ حصول اقتدار کے لئے نہیں بلکہ پاکستان پیپلز پارٹی اسمبلی کے اندر اور باہر عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے جدوجہد جاری رکھے گی۔ انتخابات کے بارے میں پارٹی کے کارکنوں نے صحیح راستہ اختیار کیا تو اس عمل سے نقصان نہیں ہوگا۔ انتخابات کے بعد کرسیوں کی بجائے عوام سے رابطہ کیا۔ اسمبلی میں اور اس کے باہر اپوزیشن کا کردار ادا کیا تو نتائج بہتر شکل میں رونما ہوں گے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے وزارت کی ضرورت نہیں۔ میں موقع نہیں دوں گا کہ لوگ کہیں۔ بھٹو نے عوام کو دھوکہ دیا ہے۔ یقین جانئے میری آنکھیں شرمندگی سے نہیں جھکیں گی۔

سوکارنو کی موت

جون 1970ء میں ایشیا کا ایک عظیم رہنما احمد سوکارنو اس دنیا سے اٹھ گیا۔ سوکارنو پاکستان کا عظیم دوست بن باللہ اور ناصر کی صفوں میں سے ایک۔ سوکارنو اور بھٹو بھی دوست تھے۔ میں ان سے اس عظیم دوست کی موت پر بات چیت کرنا چاہتا تھا۔ بھٹو صاحب کبھی لاہور اور کبھی ملتان کبھی کسی اور شہر میں ہیں، ملاقات نہیں ہو پاتی۔ بالآخر ملاقات ہوگئی اور باتیں شروع ہوئیں تو ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔

''وقتی طور پر انڈونیشی قوم خاموش ہے، سوکارنو کے خلاف سازش میں عوام کا کوئی ہاتھ نہ تھا اور یہ کوئی انقلاب نہیں تھا کہ لوگ اپنی اقتصادی الجھنوں سے تنگ آ کر سڑکوں، گلیوں پر نکل آئے ہوں۔ یہ غیر ملکی سازش تھی۔ اس میں بظاہر جیت ہوئی ہے، امریکہ کی۔ لیکن ایسے تمام واقعات سے افرو ایشیا کے بیٹوں کے دلوں میں امریکہ کے خلاف نفرت بڑھی ہے۔ کیونکہ امریکہ نے یہاں کے قومی جذبے پر ضرب لگانے کی کوشش کی ہے۔ یہی ضرب تازیانہ ثابت ہوگی اور ایک روز عوام پھر فتح یاب ہوں گے۔

سوکارنو کے ایک رفیق قریبی دوست، عوامی جمہوری راستے کے ہمسفر، پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو سوکارنو مرحوم کے زوال کے بارے میں اپنی یادوں اور تاثرات کو سمیٹ رہے تھے۔ اپنے اقتدار کے عروج میں بھی اور پھر زوال کے دنوں میں بھی بھٹو صاحب نے باپک سوکارنو کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے دل میں جانے کیا کیا یادیں اور ذہن میں کیا کیا نقوش ہیں۔ ہم ان سے سوکارنو کے خلاف سازش کے محرکات اور

عوامل کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔ان کا کہنا تھا" ساری کہانی اگرچہ ابھی باہر نہیں نکلی ہے۔لیکن پھر بھی چند ایک عوامل اتنے واضح ہیں کہ ان کے بغیر کسی صورت میں کوئی بھی سوکارنو کو ہٹا نہیں سکتا تھا۔وہ سوکارنو جس نے ملک کو آزاد کیا تھا۔انڈونیشیا کے عوام کا اعتماد منوایا،ایک زبان دی .....ویسٹ ایرین کی جنت گم شدہ واپس دلوائی ۔بے مثال جرأت اور ڈپلومیٹک مہارت کا ثبوت دیا۔عوام کی طرف سے پھر ایسے عظیم لیڈر کے خلاف احتجاج کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔جہاں تک پولیس،فوج،انتظامیہ کا تعلق ہے اس پر سوکارنو کو مکمل اختیار حاصل تھا۔کہا جاتا ہے کہ انڈونیشیا کی اقتصادی صورت حال خراب تھی اس لئے یہ حالات پیدا ہوئے۔میں نے اس سلسلے میں کافی عرصہ گفتگو کی تھی۔سوکارنو کا کہنا تھا۔ویسے تو یہ بات غلط ہے کہ میں انڈونیشی معیشت کی طرف توجہ نہیں دے رہا ہوں۔ممکن ہے کسی حد تک یہ دلچسپی کم ہو۔اگر ایسا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میری توجہ انڈونیشی قوم کی تعمیر پر ہے جس کی بنیاد میں انصاف اور قومی جذبے پر رکھ رہا ہوں۔مساوات پر رکھ رہا ہوں۔انہوں نے بھارت کی مثال دی کہ وہاں بھی سنتے ہیں کافی ترقی ہو رہی ہے۔پہلا منصوبہ تیار ہے۔دوسرا منصوبہ رہ جاتا ہے۔لیکن کس بنیاد پر برہمن ازم،ذات پات پر،نسلی نفرت پر۔اس سے تو یہی ہوگا کہ آسمان میں چمنیوں سے اٹھتا دھواں تو نظر آئے گا،لیکن زمین ہموار نہیں ہوگی۔اس طرح جوں جوں وقت گزرے گا۔پریشانیاں بڑھتی جائیں گی۔میرے پہلے دس سال اس فکر میں گزرے کہ زمین ہموار ہو۔زبان ایک ہو۔میں نے اتنا عرصہ یہی کچھ کیا،پھر عورتوں کو آزادی دلوائی۔قوم کو انڈونیشی سپرٹ دی۔نہ جانے کتنی غیر ملکی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔اس لئے یہ بات غلط ہے کہ میں نے انڈونیشی معیشت کی طرف توجہ نہیں دی۔میں نے یہ سوچا تھا کہ معیشت کے استحکام کا کام تو ساتھ ساتھ ہوگا اور اسے کوئی بھی کر سکتا ہے۔لیکن ہر شخص یہ نہیں کر سکتا کہ تین ہزار جزیروں کے لوگوں کو ایک قوم بنائے ۔ایک زبان دے۔روز روز تو اس قوم کو بنانے کے لئے سوکارنو نہیں آئے گا۔انڈونیشیا اپنے وسائل کے اعتبار سے ویسے بھی ایشیا کا امیر ترین ملک ہے۔ہمارے پاس کیا

www.bhutto.org

نہیں ہے۔ ربر، تیل، ٹن اتنے وسائل موجود ہیں۔ زمین کو ہموار کرلیا ہے۔ اب کام مشکل نہیں رہا۔ اس کے ساتھ ایک اور بھی بڑا سبب ہے کہ ہمیں ایک بڑی فوج رکھنی پڑ رہی ہے۔ ہماری بحریہ ایشیا میں سب سے بڑی بحری طاقت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ میرے ملک میں افراط زر کا مسئلہ ہے اس کی وجہ مغربی طاقتوں کی سازشیں ہیں۔ لیکن مجھے فخر ہے کہ میرے ملک میں لوگ بھوکوں نہیں مرتے۔ دوسرے ملکوں میں جہاں اقتصادی ترقی کا بہت شور مچایا جاتا ہے ہاں لوگ بھوکے بھی مرتے ہیں۔

پھر میں تو سوچتا ہوں کہ اگر انڈونیشیا کے عوام اقتصادی الجھنوں میں گرفتار ہوتے تو وہ فرانس کے لوگوں کی طرح سڑکوں گلیوں میں نہ نکل آتے۔ یہاں ایسا نہیں ہوا، یا فرانس کی مثال کیوں لیں۔ پاکستان کی مثال ہی لے لیں۔ ایوب خان کے دور میں جو ہنگامے وغیرہ ہوئے وہ عوام کا احتجاج تھا۔ اپنی اقتصادی پریشانیوں سے تنگ آکر عوام گلیوں سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ اسی لئے بالآخر ایوب خان کو سر بھی جھکانا پڑا۔ لیکن انڈونیشیا میں مظاہرے صرف جکارتا میں کرائے گئے۔ فوج ان کی باقاعدہ پشت پر تھی۔ اس میں یقیناً باہر کا ہاتھ تھا۔ اس مملکت کا جس کی ہر ملک میں مداخلت کی عادت ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس مملکت نے لاطینی امریکہ افریقہ اور ایشیا کے ہر ملک میں مداخلت کی ہے۔ سوکارنو کی پالیسیاں سامراجی مفاد کے خلاف تھیں۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس خلفشار میں کسی صورت میں چین کا ہاتھ نہیں تھا۔ چین کی پالیسی تو سوکارنو کے حق میں تھی۔ ایک قوم پرست قیادت کی حیثیت سے سوکارنو جو کچھ کرسکتے تھے۔ وہ کمیونسٹ حکومت سے بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اس طرح چین یہ کہہ سکتا تھا کہ ہم آزادانہ اور اصولوں کی بنا پر دوست ممالک سے تعلقات رکھتے ہیں۔ محض کمیونسٹ مملکتوں سے روابط نہیں رکھتے۔ سوکارنو کی قومی حکومت تو چین کے لئے زیادہ فائدہ مند تھی اسی طرح سوکارنو بھی سب سے زیادہ اہمیت چین کو دیتے تھے۔ چین سے دوستی ان کے مفاد میں تھی۔

میں نے پوچھا ''ان سب امور کے باوجود سوکارنو اس خلفشار پر قابو پانے میں ناکام

کیوں رہے۔"

بھٹو صاحب نے بتایا "غیر ملکی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور انڈونیشی فوج میں سے بعض لوگوں کی مفاد پرستی نے ایسے حالات پیدا کئے۔"

اس سے امریکہ کی دلچسپی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے بتایا "انہی دنوں امریکہ نے انڈونیشیا میں ہاورڈ گرین کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ یہ شخص کئی برس سے ہانگ کانگ میں تھا اور یہاں امریکہ کی اس خفیہ مشینری کا انچارج تھا۔ جو چین، انڈونیشیا اور دوسرے آس پاس کے ممالک کے بارے میں امریکی جاسوسوں کی فراہم کردہ معلومات کا جائزہ لیتی اور سی آئی اے کے لئے رپورٹیں تیار کرتی تھیں۔ سوکارنو کو ہاورڈ گرین کی تقرری قطعاً پسند نہ تھی، انہوں نے میرے سامنے اس ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میں جب اپریل 1966ء میں سوکارنو سے ملنے گیا تو انہوں نے کہا۔ ہاورڈ گرین کا یہاں آنا ہمارے لئے قطعاً ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے امریکی حکومت کو ہاورڈ گرین کی واپسی کے لئے لکھ دیا ہے۔ یہ شخص سی آئی اے کا ماہر ہے۔ یہ یہاں ضرور کچھ نہ کچھ انتشار پھیلائے گا۔

سوکارنو کے یہ خدشات درست تھے کیونکہ بعد میں ہوا بھی یہی اور ہمیں بھی ایک ایسا ثبوت ملا جس سے ہاورڈ گرین کی انڈونیشیا میں تقرری کے مقصد کا انکشاف ہوتا تھا۔ قدرت اللہ شہاب ان دنوں ہالینڈ میں ہمارے سفیر تھے۔ انہوں نے ہمیں اس بغاوت کے دو تین ہفتے بعد ایک خفیہ خط بھجوایا۔ اگر یہی خط تین چار ہفتے پہلے آجاتا تو یہ ان چند تاریخی خطوں میں سے ہوتا۔ جو تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا کرتے ہیں۔ شہاب کو جب یہ باتیں معلوم ہوئیں۔ اس وقت تو اس نے اتنی اہمیت نہ دی لیکن حالات نے جب تشویش کی صورت اختیار کی تو انہیں ان باتوں کی اہمیت کا احساس ہوا۔ یہ خط ہمیں بغاوت کے تین ہفتے بعد ملا تھا۔ اس میں شہاب نے لکھا تھا کہ ہالینڈ میں اس کا ایک دوست تھا۔ ڈچ نژاد۔ دونوں نے امریکہ میں انٹیلی جینس کا کورس اکٹھے ہی مکمل کیا تھا۔ اس زمانے سے ہی دونوں کے آپس میں گہرے تعلقات تھے۔ جون یا جولائی 65ء میں اس ڈچ افسر نے گفتگو کے دوران شہاب

کو بتایا کہ سوکارنو کا زوال آنے والا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا تختہ کس کمال سے الٹا جائے گا۔ یہ اتنی کاری ضرب ہوگی کہ انڈونیشیا سنبھالا نہ لے سکے گا نظر آئے گا کہ یہ گڑبڑ سوکارنو نے کروائی ہے اور لوگ بھی سوکارنو کے خلاف مشتعل ہو جائیں گے۔ حالانکہ مقصد سوکارنو کو ہٹانا ہے۔ افسوس! شہاب نے یہ خط ہمیں تاخیر سے بھیجا۔ بہت تاخیر سے جانے اس نے اتنی غفلت کیوں کی۔ اگر یہ خط ہمیں پہلے مل جاتا تو ہم سوکارنو کو بہت پہلے اس سازش سے مطلع کر دیتے۔ یہ خط محکمہ خارجہ کے ریکارڈ میں موجود ہے لیکن افسوس اب اس خط کی وہ اہمیت نہیں ہے۔"

یادش بخیر۔ اس دوران نواب زادہ شیر علی کا ذکر بھی چل نکلا۔ بھٹو صاحب بتانے لگے، نواب زادہ صاحب کو خط لکھنے کا بہت شوق تھا۔ مجھے اکثر خط لکھتے تھے اور میری بڑی تعریف کرتے تھے کہ آپ جیسا مدبر اور ذہین وزیر خارجہ پہلے کبھی نہیں رہا! خیر! یہ ان کی مہربانی ہے۔ یہ ان دنوں بلغراد میں تھے اور مجھے خط لکھ رہے تھے کہ اب ملائشیا اور انڈونیشیا کی صورت حال بدل جائے گی ہمیں اپنی پالیسی بدلنا پڑے گی۔"

میں نے پوچھا۔ "اس کا مطلب ہے انہیں حالات کا قبل از وقت علم تھا۔"

بھٹو صاحب نے کہا۔ "ممکن ہے"

"یہ انڈونیشیا میں کب سفیر بن کر گئے۔"

"میرے وزارت کے آخری دنوں میں ان کی تقرری کروادی گئی تھی۔ میں وزارت سے نکل آیا تو اس کے ایک دو ہفتے بعد یہ انڈونیشیا گئے۔ اور یہ انڈونیشیا کا خاصا نازک دور تھا۔"

میں نے اس وقت کی سیاسی جماعتوں کے کردار کے متعلق دریافت کیا۔

بتانے لگے۔ "سب سے زیادہ ممبر شپ انڈونیشیا کمیونسٹ پارٹی کی تھی۔ آئیڈٹ اس کے قائد نے انہوں نے سوکارنو سے پورا تعاون کیا، کسی مرحلے پر غداری نہیں کی۔ نیشنلسٹ پارٹی سوکارنو کی اپنی پارٹی تھی۔ مسجومی پارٹی کو وہاں کی اخوان المسلمون یا جماعت اسلامی سمجھ

لیں۔ مسجومی پارٹی پر ایک بار سوکارنو نے پابندی بھی لگائی تھی۔ مسجومی پارٹی میرے خیال میں اس میں ملوث تھی۔ حالات وواقعات اگرچہ اس کے شاہد ہیں کہ سی آئی اے کی سازش میں مسجومی پارٹی نے بھی ساتھ دیا لیکن میرے پاس اس کا کوئی دستاویزی ثبوت نہیں ہے۔"

"آپ کی سوکارنو سے جو آخری ملاقات ہوئی اس میں کیا بات چیت ہوئی تھی۔"

"میری سوکارنو سے آخری ملاقات اپریل 66ء میں ہوئی۔ سوکارنو نے کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں تین چار تار بھجوائے، اپنے سفیر سے کہا تمہارے سفیر سے کہا، لیکن تم تک پیغام نہیں پہنچنے دیا گیا جب یہ ہنگامے شروع ہوئے تو پاکستان اس وقت کچھ نہ کچھ کرسکتا تھا۔ آپ کے تعلقات چین سے اچھے تھے۔ امریکہ سے بھی آپ کے تعلقات تھے لیکن تم سے رابطہ بڑی دیر بعد قائم ہوسکا۔ یہ سازش میرے خلاف ایک بڑے پیمانے پر ہوئی ہے۔ لیکن میرا عزم اب بھی یہی ہے کہ جب تک میری زندگی ہے، میں انڈونیشی عوام کی خدمت کروں۔ یہ جنرل وغیرہ جو قتل ہوئے ہیں اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے، میں نے اس ملک کو بنایا تھا۔ میں کیسے سوچ سکتا تھا کہ اس ملک میں ایسے حالات پیدا کروں۔ خیر اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا" وہ بار بار اس بات پر افسوس کررہے تھے کہ میں بہت دیر بعد ان کے پاس پہنچا۔ اب میں انہیں کیسے بتاتا کہ مجھے یہاں جانے سے روکا جارہا تھا۔"

بھٹو صاحب کو جانے سے روکنے والی شخصیت بھی تاریخ پاکستان کی دلچسپ ترین شخصیت تھی۔ میں نے بھٹو صاحب سے کچھ ان کے بارے میں جاننے کی خواہش ظاہر کی کہ سوکارنو کے زوال کے وقت ایوب خان پر کیا گزر رہی تھی۔"

بھٹو صاحب کہنے لگے۔ "سوکارنو کے زوال سے بہت ڈر گئے تھے۔ دو باتیں تھیں جنہوں نے ایوب خان کو بہت ڈرایا تھا۔ ایک تو جب جون 1965ء میں بن بالا کا تختہ الٹا گیا اور افروایشیا کی کانفرنس نہیں ہوئی۔ سوکارنو کا زوال تو آخری مہر تھی اس پر انہوں نے اپنے ردعمل کا اظہار واضح الفاظ میں تو نہیں کیا۔ یوں ہی گول لفظوں میں باتیں کرنے لگے۔ اب انہیں یہ احساس ہوگیا تھا کہ امریکہ سے اپنے حقوق وغیرہ کے لئے مقابلہ نہیں کیا

جاسکتا، حالانکہ ایسی بات نہ تھی۔ اگر ایوب خان قوم کا ساتھ دیتے اور قوم کی عزت حاصل کرتے تو مقابلے میں خواہ کتنی ہی بڑی مملکت ہوتی ٹکرانا آسان ہوتا۔ عوام سوکارنو کے ساتھ تھے۔ لیکن ان سے جو غلطی ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ وہ کچھ زیادہ ہی اعتماد کرنے لگے تھے۔ انہوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ اب ان کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ باہر بھی بہت جانے لگے تھے۔ اس طرح ان کے خلاف سازشیں بڑھتی گئیں۔ سازشیں کرنے والے عوام میں نہیں تھے، فوج کا ایک حصہ تھا اور کچھ سیاسی طالع آزما تھے۔ 1965ء میں افروایشیائی کانفرنس کے بعد جب ہم ملے۔ یہ قاہرہ کی بات ہے میں نے ان سے پھر کہا تھا۔ یہ درست ہے کہ قوم آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کی بڑی عظمت ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ جب بھی کبھی باہر آتے ہیں، تو آپ کے پیچھے ملک میں کسی نہ کسی سازش کا خمیر ضرور پکنے لگتا ہے۔" یہ درست ہے کہ انہیں باہر آنے کی ضرورت تھی۔ انہیں دردِ گردہ کی مستقل شکایت تھی۔ اس کے علاج کے لئے انہیں باہر جانا پڑتا تھا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انڈونیشی غداروں اور سوکارنو کے دشمنوں کو اپنے سازشی منصوبے تیار کرنے کا موقع ہمیشہ ان کے باہر جانے کے دوران ہی ملا۔ اس وقت بھی انہوں نے میری بات کے جواب میں یہی کہا کہ مجھے مکمل کنٹرول حاصل ہے، سازشیں ہوں گی، ضرور ہوں گی۔ لیکن کسی کو جرأت نہیں ہوگی کہ میرے خلاف سازش کرے۔"

میں نے پوچھا "1964ء، 1965ء میں افروایشیا کی آزاد اور فعال قیادت کا ایک کارواں چلا تھا، جس میں بن باللہ، ناصر، سوکارنو، سوباندریو، آپ اور ایک دو کچھ اور لوگ تھے۔ ان میں سے قریباً سب کا زوال آگیا۔ کیا آپ اس زوال کے اسباب بتا سکتے ہیں۔"

کہنے لگے "ان شخصیتوں کو پیش منظر سے ضرور ہٹا دیا گیا ہے۔ لیکن ان کے نظریات اور عزائم کو نہیں ہٹایا جاسکتا۔ اس کا ردِ عمل شدید ہوگا۔ یہ نہیات ہی غیر قدرتی عمل تھا۔ لیڈروں کو ہٹا کر ان کی جگہ مسخروں اور کٹھ پتلیوں کو سامنے لایا گیا۔ اس کا جو آخری مرحلہ ہوگا وہ سامراج کے لئے انتہائی خطرناک ہوگا۔ ایک دو برس اور ہیں 1975ء کے بعد ایسی

سازشیں کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔ ہمیں محض وقتی جدوجہد کے نتیجے کو نہیں دیکھنا ہے، ہماری نظر تو اس جدوجہد کے آخری اور حتمی نتیجے پر ہونی چاہئے۔ ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ ہر چند بظاہر امریکہ کی فتح ہوئی ہے، لیکن دراصل ہر جگہ امریکہ کو مات ہوئی ہے۔ امریکہ نے ہر جگہ ہر قوم میں قومی جذبے کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ اس سے امریکہ کے خلاف نفرت میں شدید اضافہ ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جن مسخروں اور کٹھ پتلیوں کو وہ سامنے لایا ہے، ان پر لیڈروں کی چھاپ پڑی رہی۔ وہ خود ان کی شخصیتوں کے طلسم میں گرفتار رہے۔ اب خود یہ کہنے لگے ہیں کہ یہ تو ہمارے کام کے نہیں نکلے ہیں۔ ان کے ذریعے ہمارے مقاصد کی تکمیل نہیں ہوسکی۔"

میں نے دریافت کیا "سوکارنو نے جب اقوام متحدہ سے علیحدگی اختیار کی تو ان کے ذہن میں اس کا کیا متبادل تھا۔"

بھٹو صاحب نے کہا۔ "اقوام متحدہ سے علیحدگی خاص سوکارنوائی قدم تھا۔ انہوں نے نہایت جرأت مندانہ اور بہادرانہ قدم اٹھایا تھا۔ وہ اس ادارے سے علیحدہ ہوکر ایک عوامی اقوام متحدہ کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے جکارتہ میں کانفرنس ہال کی تعمیر شروع ہوگئی تھی۔ جسے چینی ماہرین بنا رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اقوام متحدہ "افروایشیا" اور لاطینی امریکہ کے چھوٹے ملکوں کے مسئلے حل کروانے میں ناکام رہی ہے اس لئے ہمیں اپنا الگ ادارہ بنالینا چاہئے۔ اگرچہ اور ممالک بھی اس سلسلے میں ان کا ساتھ دیتے۔ لیکن اصل کوشش ان کی تھی۔ اگر وہ برسراقتدار رہتے تو اس ادارے کے قیام میں یقیناً کامیاب بھی ہوجاتے۔ دوسری افرو ایشیائی کانفرنس میں یہی فیصلے ہونے تھے، لیکن سامراجی طاقتوں نے اس کانفرنس کو ہی نہ ہونے دیا۔

ایک بات اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ "اگر سوکارنو برسرِ اقتدار رہتے تو ملائشیا کب کا نیست و نابود ہوچکا ہوتا۔ کیونکہ اس سلسلے میں ان کی کامیابیاں بڑھتی جارہی تھیں۔"

www.bhutto.org

اب میں نے پوچھا۔ ''کہ ان سب باتوں کے باوجود سوکارنو کا زوال آیا۔ اس سے دوسرے افرو ایشیائی سربراہوں کو کیا سبق سیکھنا چاہئے۔''

''عوام کے ساتھ رابطہ ہمیشہ اور گہرا ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر وقت چوکنے اور مستعد رہنے کی ضرورت ہے۔ مسلح افواج پر بھی پورا کنٹرول ہو۔ غیر ملکی سازشوں سے بھی خبردار رہا جائے۔''

میں نے آخر میں کہا۔ ''اب کچھ ذاتی باتیں بھی سوکارنو صاحب کے بارے میں ہو جائیں۔''

اس پر بھٹو صاحب کی آنکھوں میں کچھ پانی چمکنے لگا تھا۔ وہ دوستوں کے دوست تھے۔ حافظہ غضب کا تھا اور کام کرنے کی بہت طاقت تھی۔ صبح چھ سات بجے اٹھ کر کام شروع کرتے اور رات کے ایک دو بجے تک مسلسل کام کرتے رہتے۔ اٹھارہ انیس گھنٹے مسلسل کام کرنے کے باوجود تھکن نظر نہیں آتی تھی۔ تاریخ کے طالب علم تھے۔ شروع شروع میں بھارت کی بہت قدر کرتے تھے۔ لیکن چین بھارت تصادم کے بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ غلطی پر تھے اور خود انہوں نے اعتراف کیا کہ میں سمجھتا تھا کہ بھارت بااثر ملک ہے۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔

بہت حساس تھے۔ لوگوں کے جذبات کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ کبھی اپنی بات پر زور دے کر دوسرے کو مجبور نہیں کرتے تھے کہ اسے تسلیم کرے۔ میں نے ایک بار پوچھا کہ آپ اپنے مسائل کا ذکر ہی نہیں کرتے ''وہ کہنے لگے'' اپنے مسائل کے سلسلے میں باہر سے کتنی بھی حمایت مل جائے لیکن بالآخر ہر قوم کو اپنے مسائل خود حل کرنے پڑتے ہیں۔ وہ بہت اچھے آرٹسٹ تھے۔ کھانے کی میز پر کھانے کا انتظار کرتے کرتے میز پر ہی اسکیچ بنانے لگتے ہیں، کبھی کسی بنڈونگ کا کبھی پرندوں کا۔ باتوں میں بڑی مٹھاس ہوتی تھی۔''

میں نے پوچھا ان کا اندازِ تخاطب کیا تھا۔

کہنے لگے۔ ''سوکارنو مجھے ذوالفقار کہتے تھے۔''

''اور آپ۔''

میں انہیں ''پریذیڈنٹ سر'' کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ انہوں نے ایک بار مجھے کہا کہ یہاں کے لوگ مجھے ''باب'' اور ''بنگ کارنو'' کہتے ہیں۔ تم بھی بنگ کارنو کہہ لیا کرو۔ میں نے کہا آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ میرے ویسے بڑے بھائی ہیں۔ میرے دل میں آپ کی بڑی عزت ہے۔ جب انہوں نے مجھے (Star of Indonesia) دیا تو انہوں نے میرے لئے اپنی محبت کے جذبات کا بھرپور اظہار کیا تھا ان کی وہ محبت بھری آنکھیں اب بھی مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ان کی یادیں سمیٹنے کے لئے پہروں درکار ہیں۔ مجھے کبھی فرصت ملی تو اپنے نوٹ یکجا کروں گا۔ ان کی بہت سی نادر تصویریں اور خاص خطوط اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں۔ فرصت ملی تو انہیں جمع کر کے آپ لوگوں کو دکھاؤں گا۔ سوکارنو بہت عظیم انسان تھا۔ بہت عظیم دوست تھا۔ افروایشیا اور بالخصوص پاکستان پر اس کے بہت احسانات ہیں۔''

جنگِ ستمبر کی یاد میں

بھٹو صاحب سے ایک ملاقات ہوئی تو جنگ ستمبر کے دوران ایوب خاں سے اپوزیشن لیڈروں کی ملاقات کا ذکر چل نکلا۔ انہوں نے کہا کہ سیز فائر کے بعد جو ملاقات ہوئی۔ اس وقت تو میں نیویارک میں تھا۔ البتہ جنگ شروع ہونے کے بعد جو ملاقات ہوئی اس وقت میں موجود تھا۔ اپوزیشن لیڈروں نے خود بار بار ایوب خاں سے ملنے کی درخواست کی تھی۔ جب بلایا گیا تو ملاقات کے لئے آنے والے بڑے گھبرائے ہوئے تھے اور ملنے والا بھی۔ چوہدری محمد علی اور مولانا مودودی کی حالت تو خاص طور پر خراب تھی۔ بے حد نروس تھے اور بار بار پوچھتے تھے۔ ''صدر صاحب! اب کیا ہوگا؟''

میں نے پوچھا۔ ''بھٹو صاحب! ایوب خاں نے ان سے کوئی مشورہ وغیرہ تو لیا ہوگا۔''

انہوں نے جواب دیا۔ ''مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو ایوب خاں سے ایسے بات کر رہے تھے، جیسے وہ بہت بڑا لیڈر ہے اور یہ اس کے کارکن ہیں۔ بار بار اس کی تعریف کر رہے تھے اور سر! سر! کی رٹ لگا رہے تھے! بات ان سے کوئی نہیں کی جا رہی تھی۔''

ایوب خان اور اپوزیشن لیڈروں دونوں پر گھبراہٹ کا ایک عالم سا طاری تھا۔ ذرا آپ ہی بتا دیں۔ ان دنوں ان اپوزیشن لیڈروں نے کون سا کارنامہ انجام دیا۔ عوام اپنے طور پر جیالے فوجیوں کے بعد دوسری دفاعی لائن بن گئے تھے۔ یہ لیڈر کہیں عوام میں گھومتے پھرتے نظر آئے؟''

www.bhutto.org

میں نے دریافت کیا۔ ''سنا ہے ایوب خاں کو صدر جانسن نے ٹیلی فون پر کوئی دھمکی دی تھی۔''

اس پر بھٹو صاحب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگے۔ ''ایوب صاحب کو نہیں بلکہ ایوب صاحب نے امریکی صدر سے رابطہ قائم کیا تھا۔ خبر نہیں کہ ایوب صاحب کیوں گھبرا گئے تھے۔ پاکستانی فوجیں جس بے مثال کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ اس پر تو صدرِ مملکت کا دل جوش سے معمور ہو جانا چاہئے تھا۔ کھیم کرن کے واقعہ کے بعد تو ایوب خاں کی حالت اور خراب ہو گئی تھی۔ ہم نے کافی ہمت بڑھانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد ایوب خاں نے پریس کانفرنس بلائی۔ اس میں غیر ملکی اخبار نویس زیادہ تھے۔ ایوب خاں کی حالت اسی طرح گھبرائی ہوئی تھی اور وہ بہکی بہکی باتیں کر رہے تھے۔ پتہ نہیں اس وقت پاکستانی اخبار نویسوں نے نوٹ کیا تھا یا نہیں کہ میں پریس کانفرنس سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ بعد میں، میں نے ایوب خاں سے بات کی۔ آپ پر اگر کوئی گھبراہٹ طاری تھی تو مجھے کہتے میں بات کر لیتا۔ یہ آپ نے تو بہت الٹ پلٹ باتیں کر دی ہیں تو ایوب خاں نے کہا جاؤ اب غیر ملکی اخبار نویسوں کی رپورٹیں خود سنسر کر لو۔ کوئی ایسی ویسی بات نہ چلی جائے۔ میں نے خود جا کر اپنے ہاتھوں سے ان رپورٹوں کو سنسر کیا۔ ان میں یہاں تک لکھ دیا گیا تھا کہ ہم سمجھ رہے تھے کہ پاکستان بڑی کامیابیاں حاصل کر رہا ہے لیکن پریس کانفرنس میں جب ہم نے صدر کی حالت دیکھی تو ہم نے سوچا کہ شاید ہمیں غلط خبریں مل رہی ہیں۔''

اس ضمن میں، میں نے پوچھ لیا کہ جب لاہور پر حملے کی خبر آئی تو آپ کیا کر رہے تھے۔ ''میں اس وقت کام کر رہا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ بھارت ضرور حملہ کرے گا۔ ہمیں یہ توقع کرنی بھی چاہئے تھی۔ ایوب خاں کو جب یہ خبر ملی تو وہ سو رہے تھے۔ مجھے بریگیڈیئر رفیع نے فون پر بتایا کہ لاہور پر حملہ ہوا ہے۔ آپ فوراً پریذیڈنٹ کے پاس پہنچ جائیں۔ میں اسی وقت اٹھ کر ایوب خاں کے پاس پہنچ گیا۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فارن آفس نے یقین دلایا تھا کہ بھارت بین الاقوامی سرحدوں

www.bhutto.org

پر حملہ نہیں کرے گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ فارن آفس سے کیا مراد ہے۔ میں نے ایسا کوئی یقین نہیں دلایا تھا۔ میں تو بلکہ خبردار کرتا رہا تھا۔ نام لے کر بتایا جائے کہ فارن آفس کے کس صاحب نے یقین دلایا تھا اور کیا سیکریٹری یا وزیر کے علاوہ کسی کی یقین دہانی بھی قابل ذکر ہوتی ہے۔"

آخر میں بات ہوئی چین جانے کی۔ کسی صاحب نے ان ہی دنوں ایک کتاب میں ذکر کیا ہے کہ بھٹو نہیں اصغر خاں کو چین بھیجا گیا تھا۔ ثابت یہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چین کی دوستی کے سلسلے میں بھٹو کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ مذکورہ اخبار نویس ہمیشہ سرکاری اشارے پر مضمون لکھتے رہے ہیں۔ ایوب خاں کے زمانے میں ٹرسٹ کے ایک اخبار میں مضمون لکھتے تھے۔ اب عین انتخابات کے قریب یہ کتاب اس لئے شائع کی گئی ہے کہ دائیں بازو کی رجعت پرست طاقتوں کو بڑھاچڑھا کر پیش کیا جائے۔

اس سلسلہ میں بھٹو صاحب نے کہا میں یو این کے اجلاس میں گیا ہوا تھا تو ایوب خاں بار بار فون کر رہے تھے۔ "تم آجاؤ ہمیں اپنے دوستوں سے ملنے جانا ہے۔" میری سمجھ میں نہیں آتا تھا اور میں پوچھتا تھا۔ کون سے دوست۔ کون؟"..... ایوب خاں کہتا تھا "اپنے دوست بلا رہے ہیں۔ فون پر کہنا مناسب نہیں تھا۔" آخر اس نے کہا۔ "شمال میں ہمارے دوست ہمیں بلا رہے ہیں۔" پھر میری سمجھ میں آیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ چواین لائی کے پیغامات بار بار آرہے تھے۔ وہ ہمیں ملنا چاہتے تھے۔ ایوب خاں میرے بغیر جانا نہیں چاہتے تھے۔ اصغر خاں ہمارے ساتھ پائلٹ کی حیثیت سے گئے۔ وہ ان دنوں پی آئی اے کے سربراہ تھے۔ سیاسی لیڈر تھے اور نہ کسی فوجی عہدے پر مامور تھے اور نہ چین سے ان کے پہلے کبھی تعلقات رہے تھے جو ان کے جانے کی اہمیت ہوتی۔ وہ تاشقند میں بھی پی آئی اے کے سربراہ کی حیثیت سے گئے تھے اور پاکستان کی طرف سے جو عشائیہ دیا گیا تھا اس میں کباب انہوں نے ہی پیش کئے تھے۔ پی آئی اے کا کوئی بھی سربراہ ہو۔ بیرونی دورے کے دوران اس کی یہی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی اور حیثیت سے ان جگہوں پر گئے تھے تو اصغر

خاں صاحب رازہائے درون سے پردہ اٹھائیں۔"

"ان لیڈرانِ کرام اور اخبار نویسوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ تاریخ کا ایک ایک ورق عوام کے سامنے ہے۔ غلط حقائق بیان کرنے سے انتخابات میں کامیابیاں حاصل کرنا بہت دشوار ہے۔ جنگ ستمبر کے شہیدوں کا لہو، کشمیر کے شہیدوں کا لہو ہم پر قرض ہے اور ہمیں اس قرض کو چکانا ہے۔ کشمیر کے بغیر پاکستان مکمل نہیں ہوسکتا۔ جنگِ ستمبر میں شہیدوں کا لہو اسی لئے بہا تھا۔ اور یہ لہو رائیگاں نہیں جائے گا۔ عوام کی توجہ دوسری طرف منتقل کرنے کی سازش امریکہ، روس، بھارت نے شروع کی ہے۔ دائیں بازو کے رجعت پسند لیڈر بھی اس تثلیث کے اشارے پر یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ لیکن عوام ان تمام سازشوں کو ناکام بنادیں گے۔

www.bhutto.org

قربانی کے لئے تیار رہو

یہ سفر کراچی ملیر سٹی سے شروع ہوتا ہے۔ ویسے یہ سفر اس وقت سے جاری ہے۔ جب سے ایک بہرہ ور طبقہ دوسرے محروم طبقے کے حقوق پامال کر رہا ہے۔ یہ سفر اس لامتناہی سفر کا ایک معمولی سا حصہ ہے۔ ایک ٹرک میں نسواری رنگ کی شرٹ میں بڑھاپے کی طرف سفر کرتے۔ بال، چہرے پر تھکن کے آثار، مگر آنکھوں میں عزم اور پریشانی پر فراخی۔ اس وقت محروم و مظلوم عوام کی آواز کو یہ شخصیت آگے لے کر بڑھ رہی ہے۔ ٹرک کے پیچھے اور ٹرک ہیں جیپیں ہیں۔ گاڑیاں، اونٹ گاڑیاں، سائیکل، اسکوٹر اور راستے تنگ ہیں۔ مگر لوگوں سے بھرے ہوئے۔ یہ کچے کچے مکانوں سے نکل کر بوڑھی مائیں ہاتھ اٹھا اٹھا کر ٹرک کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ ان کے لبوں سے ایک بے ساختہ آواز نکل رہی ہے۔ ''جیئے بھٹو۔ سدا جیئے۔'' انہیں معلوم نہیں ہے کہ بھٹو کون ہے، لیکن انہیں یہ خبر ضرور ہے کہ بھٹو کیا چاہتا ہے۔ اسی لئے وہ دعا دے رہی ہیں۔ اس بیٹے کے لئے کہ وہ جو چاہتا ہے اسے پورا کر سکے۔ گوٹھوں میں سے، دیہاتوں میں، کھیتوں، کھلیانوں میں سے ہوتے جلوس میمن گوٹھ پہنچ گیا ہے۔ سامنے ایک ٹیلہ ہے۔ ریت کا ٹیلہ۔ قدرتی اسٹیج، لوگ نیچے جمع ہو رہے ہیں۔ نعرے بلند ہو رہے ہیں ''جیئے بھٹو، سدا جیئے، معراج کو رہا کرو، ماریں گے دفنائیں گے سوشلزم لائیں گے۔'' میمن گوٹھ کے اس ویرانے میں جمع ہونے والے یہ ہزاروں افراد خدا کی بستی کے مظلوم عوام ہیں۔ وہ چند موہوم امیدیں لئے اس کڑکتی دھوپ کو سروں پر جھیل رہے ہیں۔ آج ہی نہیں وہ 23 سال سے ایسی امیدیں لے کر کڑکتی دھوپ میں وعدوں کے

سرابوں سے جی بہلاتے آرہے ہیں۔ جھاڑیوں میں سے ریت کے ٹیلے سے اور چلچلاتی دھوپ میں سے یہ الفاظ ذہن پر نقش ہورہے ہیں۔ ''ہم تشدد کے خلاف ہیں لیکن قربانی سے نہیں ڈرتے..... پریس ٹرسٹ پہلے ایوب خاں کی خوشامد کرتا تھا۔ اب وہ رجعت پسند لیڈروں کی قصیدہ خوانی کررہا ہے..... ہم نے گزشتہ پانچ ہزار سال میں ہندوؤں، مغلوں، افغانوں، انگریزوں، سکھوں اور جرنیلوں کا راج دیکھا ہے۔ مگر عوامی راج نہیں دیکھا۔ اب عوامی راج آنے والا ہے، اسے کوئی نہیں روک سکتا..... اگر سیاسی قیدیوں کو رہا نہ کیا گیا تو اس کے بڑے دوررس نتائج ہوں گے۔ ممکن ہے کہ مجھے بھی گرفتار کرلیا جائے۔ میں ہر قربانی کے لئے تیار ہوں۔ آپ بھی عہد کریں کہ آپ بھی وطن کے لئے عوام کے لئے ہر قربانی دیں گے.....'' پورے کا پورا مجمع کھڑا ہوگیا ہے۔ چہرے جذبات سے سرخ ہیں۔ یہ سرخ چہرے، بلند ہاتھ پاکستان کا اثاثہ ہے۔ دھوپ میں چندھیاتی ان آنکھوں سے ہی روشنی پھوٹنے والی ہے۔ یہ چہرے کراچی کے ہوں یا حیدرآباد کے۔ ان پر اب ایک سی سرخی چھاگئی ہے۔ ہاتھوں میں ایک سا عزم ہے۔ میمن گوٹھ کراچی سے 120 میل دور آفندی باغ حیدرآباد میں بھی مجمع کھڑا ہے اس وقت چلچلاتی دھوپ تھی۔ اس وقت سیاہ رات ہے۔ وہاں ہزاروں افراد تھے یہاں لاکھوں افراد ہیں۔ یہاں بھی طاقت کا سرچشمہ عوام قربانی کا عہد کررہے ہیں۔ تین چار لاکھ کا مجمع تمتماتے چہرے اور پرعزم ہاتھوں کے ساتھ کھڑا ہے۔ آواز آرہی ہے کہ آپ جذبات میں ہاتھ بلند کررہے ہیں۔ سوچو اور پھر عزم ظاہر کرو۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد بھی چہروں پر وہی آہنی عزم ہے۔ عوام اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اب انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ اسٹیج سے آواز آرہی ہے۔ کلمہ پڑھ کر حلف اٹھاؤ۔ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر کلمہ پڑھ کر حلف اٹھا رہا تھا اور پھر خدا کو مخاطب کرکے اسٹیج سے کہا جارہا ہے۔ ''اے خدائے بزرگ و برتر گواہ رہنا کہ یہ قوم قربانیاں دینے کے لئے تیار ہے۔ جب تک یہ عوام سوئے رہتے ہیں۔ سوئے رہتے ہیں۔ مگر جب جاگ اٹھتے ہیں تو انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ اب اگر کوئی گولی چلی۔ خون خرابہ ہوا تو میں یقین دلاتا ہوں کہ

آپ کا یہ تخت سلیمانی باقی نہ رہے گا۔" اب ایک نووارد سیاست کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس نے ایوب آمریت کے خلاف ابتداء میں باہر نکلنے سے انکار کیا اور پھر کہا کہ جب ایوب خاں کا زوال آنے والا ہوگا میں باہر نکل آؤں گا۔ اور جس نے حال ہی میں کہا کہ میں بھٹو کو روکنے کے لئے سیاست میں آیا ہوں کیونکہ بھٹو پچھلے دروازے سے برسرِ اقتدار آنا چاہتا ہے۔ آواز آرہی ہے۔

"میں پچھلے دروازے کا قائل نہیں۔ یہ پچھلا دروازہ آپ کا راستہ ہے۔ میں تو سامنے کے دروازے کا قائل ہوں۔ اگر مجھے اقتدار کی ہوس ہوتی تو میں پارٹی نہ بناتا۔ غریبوں کی جدوجہد شروع نہ کرتا۔ میں سیٹھوں کا سرمایہ داروں کا ساتھ دیتا۔ میں لمبا راستہ اختیار نہ کرتا۔ میں وڈیروں کا ساتھ دیتا۔ وڈیروں کے خلاف جدوجہد نہ کرتا۔ میں نے عوامی راستہ، تانگے والوں کا، رکشے والوں کا، محنت کشوں کا، غریبوں کا راستہ اختیار کیا ہے..... تم بھٹو کو روک نہیں سکتے۔ بھٹو اکیلا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہاں کے عوام ہیں۔ مزدور کسان ہیں۔ تم ان کو نہیں روک سکتے۔ تم امریکہ اور بھارت کے ایجنٹ بن کر ایک عظیم الشان تحریک کو روک نہیں سکتے۔ مجھے روکنا یعنی عوام کے حقوق کو دبانا مجھے روکنا یعنی استحصال کو جاری رکھنا۔ میں عوام ہوں۔ میں عوام کی آواز ہوں..... میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ انتخابات سے کچھ نہیں ہوگا۔ انتخابات سے آمریت کو شکست نہ ملی۔ آمریت کو شکست قربانی اور جدوجہد سے ہوئی جو قوم قربانی اور جدوجہد سے ڈرتی ہے۔ وہ کبھی آزادی کی منزل سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ ہمیں جیلوں میں بھیجنا ہے تو اس کے لئے ہم تیار ہیں۔ کسی جیل میں بھیجو معافی مانگ کر نہیں نکلیں گے۔ آخر میں گولی چلانا ہے تو اس کے لئے بھی تیار ہیں۔ اس وقت پاکستان کی جیلوں میں جتنے سیاسی قیدی۔ ان میں اکثریت پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی ہے۔ معراج محمد خاں، میرے ساتھی میرے رفیق۔ تم جیل نہیں ڈرتے ہو مجھے تم پر فخر ہے۔ لیکن یہ کیسے غیر جانب دارانہ الیکشن ہوں گے۔ ہمارے ساتھی کارکن جیلوں میں ہیں۔ میں انتخابات میں جا کر کیا کروں گا۔ جیل میں میرے بچوں میرے نوجوانوں پر ظلم و تشدد توڑا جا رہا ہے۔"

یہ کیسی غیر جانب داری ہے کہ ''زندگی'' میں میرے خلاف اتنا ذلیل اور پست مضمون لکھا جاتا ہے تو اس کے خلاف کچھ نہیں ہوتا۔ مساوات، الفتح اور کمباٹ میں کچھ چھپتا ہے تو انہیں بلا کر وارننگیں دی جاتی ہیں۔ تم کہتے ہو کہ مارشل لاء چوتھی Phase میں داخل ہو چکا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی بھی چوتھی Phase میں داخل ہو چکی ہے..... کیا ہم نے آزادی اس لئے حاصل کی تھی کہ ہم دکھ ہی دکھ دیکھیں گے۔ سب لوگ آزادی کے بعد سکھ دیکھتے ہیں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ پاکستان کے غریب ہمیشہ دکھ ہی دیکھیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون نہیں ہے۔ ہم 22 خاندانوں کا مقابلہ کریں گے۔ سب بینکوں کو قومی ملکیت میں لیں گے۔ انشورنس کمپنیاں نیشنلائز کریں گے۔'' رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے۔ لوگ سننا چاہتے ہیں اور مقرر بھی موڈ میں ہے۔ لیکن یہ سفر یہیں تو ختم نہیں ہونا ہے۔ ابھی سفر جاری رہنا ہے۔ اس سفر میں اس کے اور ہم سفر بھی ہیں۔ یہ رسول بخش تالپور جنہوں نے 1358ھ کے مطبوعہ قرآن پاک کی تفسیر پیش کی ہے۔ جس میں مولانا اشرف علی تھانوی نے اسلامی سوشلزم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ علی احمد تالپور، جو حاکموں کو للکار کر کہہ رہے ہیں تم نے کہا تھا کہ بھٹو کی پارٹی کے کنونشن میں صرف رکشے والے اور تانگے والے جمع ہیں۔ حاکمو تمہارا فیلڈ مارشل بھاگ گیا۔ تمہارا گورنر چلا گیا۔ یہ رکشے والے، تانگے والے بیٹھے ہیں۔ حاکمو! تم ہار گئے۔ رکشے والے تانگے والے جیت گئے۔

رکشے والے تانگے والے جیت گئے۔ کیونکہ طاقت کا سرچشمہ وہی ہیں۔ طاقت کا یہ سرچشمہ جو کراچی حیدرآباد، شہروں، دیہات میں پھیلا ہوا ہے۔ اب یہ قافلہ ٹنڈو محمد خاں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جہاں اردگرد کے دیہات کے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ باتیں کرتے کرتے صبح کے چھ بج گئے ہیں۔ لوگ سو رہے ہیں۔ صبح آٹھ بجے جاگ اٹھے ہیں۔ جیپوں، کاروں، لینڈ روورووں پر مشتمل یہ قافلہ بارش زدہ علاقوں کی طرف جا رہا ہے جہاں بارش نے تباہی مچادی ہے۔ راستے میں یہ قافلہ سائیں میاں عبدالکریم کی درگاہ پر ٹھہرا ہے۔ یہاں کے سجادہ نشین میاں محمد اسحاق اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو گئے ہیں اور کئی سال

سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ آج ان کے عقیدت مند حیران ہیں کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کو واپس کار تک الوداع کہنے آئے ہیں۔ ان کے چہرے پر ایک مسرت ہے۔ ایک تمازت ہے۔ اس درگاہ کی طرف آنے سے پہلے دریا کے بند پر لوگ جمع تھے۔ وہاں ان سے خطاب کر کے ان میں ان کے حقوق کا شعور بیدار کیا۔ دوپہر کو جب اس درگاہ سے لوٹے تو راستے میں دور دراز دیہات سے آئے ہوئے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان سے بھی ان کی باتیں ہوئیں اب نہر کے کنارے کنارے قافلہ بڑھ رہا ہے۔ راستے میں جگہ جگہ رکنا پڑتا ہے۔ میں ان علاقوں میں کبھی نہیں آیا لیکن یہ لوگ میرے جانے پہچانے ہیں۔ یہ استحصال زدہ عوام ہیں۔ جنہیں صدیوں سے لوٹا جا رہا ہے۔ مظلوم چہرے ایک سے ہوتے ہیں۔ دکھ ایک ہی رنگ ہے۔ اس علاقے سے میر اعجاز علی تالپور کھڑے ہو رہے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو چلتے چلتے ان کی کنونشنگ بھی کرتے جا رہے ہیں۔ آٹھ دس جگہ خطاب کرنے کے بعد ہم گولدار جی پہنچے۔ جہاں بارش نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ فصلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ یہاں بھٹو صاحب نے افسوس ظاہر کیا کہ اب تک حکومت نے بارش زدگان کو امداد نہیں دی ہے۔ سندھی یا مہاجر سب کو بارش نے دکھ پہنچایا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ سب کو امداد دے۔ ایک دو اور چھوٹی چھوٹی جگہوں پر رکنے کے بعد قافلہ بدین پہنچ گیا ہے۔ بدین کے علاقے میں ایک رات میں 22 انچ بارش ہوئی تھی۔ یہ علاقہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسے سیلاب آ گیا ہے۔ بدین میں چند لمحے رکے۔ بدین کے کارکنوں نے مہمانوں کی خاطر مدارت کے لئے چائے کا اہتمام کیا تھا۔ لیکن چائے پینے کی فرصت بھی نہ مل سکی۔ قافلہ چل پڑا اور اس قدر ہجوم جمع ہو گیا تھا کہ نکلنے کا راستہ نہ تھا۔ یہاں بھی عوام سے وعدہ کیا گیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی ان کی اپنی پارٹی ہے۔ اور وہ ان کے حقوق کے لئے جدوجہد کرتی رہے گی۔ کڑکتی دھوپ، ریت، گرد۔ لیکن قافلہ آگے بڑھ رہا ہے۔ ریت سے ذوالفقار علی بھٹو، میر رسول بخش تالپور، مخدوم طالب المولیٰ، میر اعجاز علی تالپور، پیر غلام رسول شاہ، حاکم علی زرداری اور کمال اظفر کے چہرے دھندلا رہے ہیں اور ان کے کارکنوں کے بھی۔ جن

کے نام کو کوئی نہیں جانتا۔ جو کسی بھی سیاسی پارٹی کی جان ہوتے ہیں اور جو بعض اوقات اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔ میں ان گرد آلود چہروں کو دیکھ کر سوچوں میں ڈوب چکا ہوں کہ اچانک گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی ہے۔ سامنے ایک جیپ الٹ گئی ہے۔ سڑکوں پر زخمی کراہ رہے ہیں۔ ان کے سر پھٹ گئے ہیں۔ منہ سے خون ابل رہا ہے۔ ٹانگیں لرز رہی ہیں۔ دو کی حالت انتہائی خطرناک ہے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں۔ دوسری جیپ گزر رہی تھی۔ اوور ٹیک کر رہی تھی۔ بدین کے چھ کارکن جن میں سے اسلم اور شمس الدین شدید زخمی ہوئے۔ ایک اور شخص کا نام عبدالحلیم ہے۔ کارکن احتجاج کر رہے ہیں کہ اوور ٹیک کرنے والی جیپ جلوس کی جیپ نہیں تھی۔ بدین کے ایک زمیندار کی جیپ تھی۔ دو کارکنوں کی حالت انتہائی خطرناک ہے۔ انہیں ہسپتال لے گئے ہیں۔ آگے والی گاڑیوں کو اس حادثے کا علم نہ ہو سکا تھا۔ وہ آگے کسی بارش زدہ علاقے میں پہنچ گئے ہیں۔ انہیں اطلاع ملی تو اور جگہوں کا پروگرام ملتوی کر کے بدین لوٹے۔ بھٹو صاحب کو ابھی راستے میں کئی جگہ خطاب کرنے کے بعد کراچی جلسے میں پہنچنا تھا۔ اس لئے قافلہ تیز تیز چل رہا تھا۔ بدین میں کو نے پر ہی معلوم ہو گیا کہ ان کے کارکنوں کی جان بچ گئی ہے۔ حالت خطرے سے باہر ہے۔ اس لئے قافلے کا رخ اب ٹنڈو باگو کی طرف ہے۔ ہاں! میں لکھتے لکھتے بھول گیا کہ یہاں کے بچے، بوڑھے اور جوان سب پیپلز پارٹی سے مانوس ہو چکے ہیں کہ یہ جھنڈا نظر آتے ہیں ہر فرد کی زبان پر بے ساختہ "جیئے بھٹو، سدا جیئے" کا نعرہ آتا تھا۔ میں نے راستے میں دیکھا کہ نہر کے دوسرے کنارے پر کوئی بچہ یا بوڑھا بیٹھا ہے۔ اور اس نے جیپ یا گاڑی پر جھنڈا لہراتے دیکھا تو وہیں سے بول اٹھا۔ "جیئے ذوالفقار علی بھٹو۔ راستے میں یہ مناظر بھی دیکھنے میں آئے کہ دیہاتیوں نے بھٹو کو دیکھ کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ ہاتھ چومے۔ بھٹو صاحب کا مارے پسینے کے برا حال تھا۔ کپڑوں پر چہرے پر گرد جم رہی تھی۔ گاڑی میں سیٹوں پر پھول بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن وہ بڑھ رہے تھے۔ تقریریں کر رہے تھے۔ آخر میں ٹنڈو باگو پہنچے تو وہاں بلا مبالغہ پچیس تیس ہزار افراد جمع

www.bhutto.org

تھے۔اس وقت شام کے پونے چھ بج رہے تھے اور یہ لوگ صبح گیارہ بجے سے یہاں انتظار کر رہے تھے۔ان سے خطاب میں بھٹو صاحب نے سیلاب کی تباہ کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان میں سیلاب آیا تو صدر صاحب وہاں جا پہنچے تھے۔ان کے لئے لاکھوں روپے کی امداد دی گئی۔یہ بھی پاکستان کا علاقہ ہے۔یہاں بھی غریب آفات ناگہانی کا شکار ہوئے ہیں۔زمیندار لوگ تو اس نقصان کو پورا کر لیں گے۔سونا گروی رکھ دیں گے، بنک سے روپیہ نکلوالیں گے۔قرض لے لیں گے۔لیکن غریب کیا گروی رکھے گا۔اس سلسلے میں حکومت کو عوام کا خیال رکھنا چاہئے اور ان کی مشکلات کو دور کرنا چاہئے۔"

یہاں سے ہوتے ہوئے ماتلی پہنچے، جہاں مودودی جماعت کا ایک جھنڈا لہراتا دکھائی دیا۔باقی تیس میل کے سفر میں مودودی جماعت یا کسی اور سیاسی پارٹی کا نام ونشان بھی نظر نہیں آیا۔ماتلی کے بعد ٹنڈو محمد خان..... جہاں ہزاروں لوگ بھٹو کی آمد کے منتظر تھے۔یہاں انہوں نے بارش زدہ علاقوں کے دورے کی تفصیل بتائی اور پیپلز پارٹی کی طرف سے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔اب ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ساڑھے آٹھ بجے کراچی میں جلسہ تھا۔وہاں سے گاڑی دوڑی، دوڑتی رہی۔اور سیدھی جلسہ گاہ میں آکر رکی۔میں جلسہ گاہ میں اتر گیا۔بھٹو صاحب گھر کپڑے بدلنے چلے گئے۔لیاقت آباد فیڈرل ایریا کے میدان میں خلقت ہی خلقت تھی۔اس میدان کو پہلی بار اتنے انسانوں کے قدم چومنے کا موقع ملا تھا۔بڑے بوڑھوں کا اندازہ تین لاکھ تک پہنچ رہا ہے۔ڈاکٹر شمیم زین الدین، سابق میجر جنرل اکبر خاں، طارق عزیز، میر علی احمد تالپور، عبدالحفیظ پیرزادہ خطاب کر رہے ہیں۔

بھٹو صاحب آگئے ہیں..... آج بھی ان کی تقریر میں بے خوفی اور للکار کا وہی عالم ہے۔میمن گوٹھ، حیدر آباد اور آج لیاقت آباد میں کراچی کے تین لاکھ عوام کھڑے ہو کر قربانی دینے کا حلف اٹھا رہے ہیں۔اسیرِ قفس معراج محمد خان کو بھٹو صاحب نے بلکہ عوام نے بھی لیاقت آباد سے قومی اسمبلی کا ٹکٹ دے دیا ہے۔اس مجمع کے تین لاکھ عوام نے معراج محمد خان کے حق میں ووٹ ڈال دیا ہے۔معراج محمد خان جیت گیا ہے۔پرچی سے کیا بنتا

www.bhutto.org

ہے۔لوگوں کے دل معراج محمد خان کے ساتھ ہیں۔بھٹو صاحب کہہ رہے ہیں۔معراج محمد خان میرا دوست ہے۔جاں نثار ہے۔وہ بچپن سے انقلابی کارکن رہا ہے۔ایسے ورکر اور کارکن ہوں تو پاکستان کو کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ڈاکٹر رشید حسن خان بھی بہادر آدمی ہے۔ان دونوں کی رہائی کی ہم سے زیادہ فکر کسے ہو سکتی ہے..... ہمارا دستور عوامی دستور ہوگا۔کسانوں اور مزدوروں کا دستور۔

اردن کا بادشاہ سامراج کا پٹھو ہے۔ہم فدائین کے ساتھ ہیں..... تینوں مسلم لیگوں تینوں جنازوں کو اکٹھا کیا جا رہا ہے۔اگر اب کے بات نہ بنی تو بھاشانی اور قیوم خان کو ملایا جائے گا۔بھاشانی نے کہا ہے کہ خارجہ پالیسی تبدیل نہیں ہوئی۔تو چار ماہ سے اسلام آباد میں چین کا سفیر کیوں نہیں ہے؟ چواین لائی افریقی ممالک کے دورے پر جاتے ہوئے پاکستان کیوں نہیں آ رہے ہیں۔ہمارے صدر نے اب چین کا دورہ کیوں نہیں کیا۔ السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا میں پاکستان کے حق میں مضامین کیوں شائع ہوتے ہیں..... ہمارے سیاسی قیدی رہا نہ کیے گئے تو ممکن ہے کہ ہم انتخابات میں بھی حصہ نہ لیں۔"

آواز گونج رہی ہے۔لوگ ہمہ تن گوش ہیں۔اس علاقے کو مودودی جماعت اپنا گڑھ بتاتی تھی۔لیکن آج جماعت کا پتہ نہیں چل رہا ہے کہ کہاں ہے۔اب یہ علاقہ معراج محمد خان کا ہے۔یہ دل اب معراج محمد خان کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔

میں ایک رکشے میں بیٹھ کر لوٹ رہا ہوں۔رکشے والا کہہ رہا ہے کہ میں نے ڈیڑھ گھنٹہ بھٹو کا جلسہ سنا ہے۔دھندا بھی نہیں کیا ہے۔خوب بولتا ہے۔باتیں سچی کرتا ہے۔اللہ اسے کامیاب کرے۔

www.bhutto.org

عوامی سیلاب

رکشے والا دعائیں دے کر مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ یہ سفر جاری ہے۔ اس کے لئے مقام اور وقت کی قید نہیں ہے، یہ سفر اردن میں فدائین بھی کر رہے ہیں۔ ان کے راستے میں خون کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ویت نام کے مظلوم عوام بھی اس سفر کی حالت میں ہیں۔ افریقی عوام بھی اسی راستے کے مسافر ہیں۔ وینز ویلا اور برازیل سے بھی مسافروں کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔ پاکستان کے عوام بھی یہ سفر کر رہے ہیں۔ 23 برس کے بعد یہ سفر اس مقام پر تو لے آیا ہے کہ اب لوگ ایک دوسرے کو پہچاننے لگے ہیں۔ رستوں کی گرد سے چہروں کی شناخت ہو رہی ہے۔ پسینے کی خوشبو ہم سفروں کو جاننے کا ذریعہ بن رہی ہے۔ اس سفر میں جانے کتنے لوگ ساتھ چلیں۔ کتنی دیر ہم قدم رہیں۔ پھر گردِ راہ بن کر پیچھے رہ جائیں۔ کتنے چہرے اس راستے کی دھول میں ابھر ابھر کر چمکیں اور پھر کتنے ہی آہستہ آہستہ دھندلاتے دھندلاتے نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ لمبے اور کٹھن رستوں کے سفر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ سفر پھر بھی جاری رہتا ہے۔ اور منزل کو آخران جیالے مسافروں کے قدم چومنا پڑتے ہیں۔ جو اپنی جدوجہد خلوصِ مقصد کے ساتھ جاری رکھتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے ہیں۔

سفر کی گرد ملتان میں اڑ رہی ہے۔ آواز آ رہی ہے۔ پاکستان کے عام انتخابات مشرقی پاکستان کے سیلاب کی وجہ سے نہیں، عوام کے سیلاب کو روکنے کے لئے ملتوی کئے گئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اس عرصے میں مسلم لیگیوں، جمہوریوں اور جماعتیوں کا ''متحدہ محاذ'' بنایا

www.bhutto.org

جائے۔وہ نہیں جانتے کہ عوام کے سامنے کوئی متحدہ محاذ نہیں ٹھہر سکتا۔مسلم لیگیوں، جمہوریوں اور جماعتیوں کو جمع کرنے کے اندر ہی اندر ایک کھچڑی پک رہی ہے۔اب اس کھچڑی میں دو آلو بھی ڈال دیئے گئے ہیں۔یہ آلو اصغر خان اور نور خان ہیں۔کھچڑی پکانے والے نہیں جانتے کہ بھوکے عوام کھچڑی اور آلو سب کچھ کھا جائیں گے۔'' ملتان میں کچھ چہرے دھندلا کر اوجھل ہوتے جا رہے ہیں۔سفر جانکسل ہے ساتھ نہیں چل سکے۔گردِ سفر میں اٹے چہرے میاں چنوں میں ابھر رہے ہیں۔آواز گونج رہی ہے۔''ہماری پارٹی مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور استحصال کے شکار دوسرے طبقوں کے حقوق کے لئے لڑتی رہے گی..... ہماری پارٹی انتخابات اور دستور سازی کی مخالف نہیں ہے۔لیکن یہ سب لوگ جان چکے ہیں کہ انتخابات اور دستور سازی سے عوام کے بنیادی مسائل روٹی کپڑے، مکان، بھوک، بیماری اور تعلیم کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ملک اقتصادی ترقی کی راہ پر اس وقت گامزن ہوگا جب مزدور کارخانوں کے اور مزارعین زمینوں کے مالک بنا دیئے جائیں گے..... یہ بلند مقاصد ہیں، جن کے لئے سفر جاری ہے۔اسی سفر کے دوران ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا میں پاکستان پیپلز پارٹی سرگودھا کے سیکرٹری میاں جمیل اختر ایڈووکیٹ اور روزنامہ مساوات کے نمائندہ خصوصی سید عاشق جعفری قاتلانہ حملوں کا شکار بھی بن رہے ہیں۔

اب آواز کا سفر ضلع ملتان سے ضلع جھنگ کی طرف جاری ہے۔کھاد فیکٹری قادر پور، کوہی دال، عبدالحکیم، تلمبہ اور دوسرے بے شمار مقامات پر آنکھیں سفر کی گرد اڑتی دیکھ کر چمک رہی ہیں۔کانوں میں آواز کی گونج ہے۔گڑھ مہاراجہ کے در و دیوار پر یہ حروف نقش ہو گئے ہیں۔یہ در و دیوار کل شہادت دے سکیں گے کہ آج یہ کہا گیا تھا۔''جب تک اس ملک سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو ختم نہیں کیا جاتا، خوش حال زندگی کے متعلق یہاں کے 80 فی صد عوام کے خواب پورے نہیں ہو سکتے۔پیپلز پارٹی ایک ایسے معاشرے کے قیام کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے، جس میں کسی فرد کا استحصال نہ ہو اور ہر فرد خوف و ہراس

سے چھٹکارا حاصل کر کے زندگی گزارے۔" پھر کبیر والا کی فضا میں یہ آواز گونجی۔
"مزدوروں، کسانوں اور استحصال کے شکار دوسرے طبقوں کے حقوق کی بحالی کے لئے جدوجہد جاری رکھی جائے گی اور اس مقصد کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ ہمارا مقصد ہر قسم کا استحصال ختم کر کے ملک میں ایسی عوامی جمہوریت کا قیام ہے جس میں کسانوں، مزدوروں، طلبہ اور دانش وروں کو حقیقی معنوں میں حکومت میں نمائندگی دی جائے..... میں نے اپنے لئے جدوجہد اور عوامی تحریک کا پرخار راستہ اختیار کیا جو یقیناً قربانیوں کا طلب گار ہے۔ اب عوامی سوچ اور شعور میں انقلاب بپا ہو چکا ہے۔ وہ اب کسی کو اپنے حقوق غصب کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

یہ ضلع جھنگ ہے۔ گڑھ مہاراجہ۔ شورکوٹ روڈ نام مختلف ہیں۔ نواب شاہ، جھنگ مقامات مختلف ہیں۔ مگر انسانوں کے چہروں پر ایک سا دکھ ہے، ایک سا کرب ہے۔ یہ ہرے بھرے کھیت لہلہاتی فصلیں سندھ میں ہوں یا پنجاب میں، محنت کش بوتے ہیں۔ پکنے کٹنے کے بعد یہ زمینداروں، جاگیرداروں کے گوداموں میں چلی جاتی ہیں۔ سندھ کا ہاری ہو کہ پنجاب کا کمی۔ اس کا پیٹ خالی ہی رہتا ہے۔ یہ ریگزار تھل میں بھی ہیں۔ تھرپارکر میں بھی ہیں۔ لوگوں کے چہروں پر عزم۔ وہاں بھی ہے یہاں بھی ہے۔ اگر کراچی کی سڑکوں پر طارق عزیز، ڈاکٹر شمیم زین الدین خان اور حفیظ پیرزادہ کی قیادت میں نکلنے والے جلوس میں عوامی رہنما معراج محمد خان کی گرفتاری پر احتجاجی نعرے بلند ہوتے ہیں۔ اور اگر لیاری سنگولین میں ڈاکٹر شمیم زین الدین، سید امداد حسین شاہ، مراد بخش مشہدی اور رحیم بخش آزاد، ڈاکٹر رشید حسن خان، معراج محمد خان، فاضلانی شاد، یونس شاد، فیض بلوچ اور پرویز رشید کی رہائی کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر سرگودھا علی پور ہاؤس میں کارکنوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اور نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے طالب علموں سے بات چیت کرتے ہوئے مسٹر بھٹو گرفتار شدگان کی رہائی کو اپنی پہلی شرط قرار دیتے ہیں تو کچہری روڈ، سنگولین اور سرگودھا میں ان آوازوں کے پیچھے ایک ہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور یہ آواز بھی اسی

www.bhutto.org

جذبے سے بھرپور ہوتی ہے۔ جو بھلوال کے جلسہ عام میں گونجتی ہے۔ ''تمام سازشیں عوامی انقلاب کے سامنے ناکام ہوکر رہ جائیں گی۔ ہم ہر محاذ پر لڑیں گے خواہ وہ انتخابی ہو یا انقلابی۔ پاکستان میں عوامی حکومت کے قیام کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی..... یہ سفر پنجاب کے میدانوں میں جاری ہے۔ سرحد کے پہاڑوں میں مسافر رواں دواں ہیں۔ کمپنی باغ سرگودھا میں آواز آرہی ہے۔ ''عوام بیدار ہو چکے ہیں۔ ملک میں ذہنی انقلاب آچکا ہے۔ اب عوام کو اپنے حقوق کی بحالی کی جدوجہد سے نہیں روکا جاسکتا۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ کراچی سے خیبر تک ہر جگہ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ یہاں سرگودھا میں ہی پیپلز پارٹی کے جیالے رہنما اور عوام دوست صحافیوں کو حال ہی میں قید کیا گیا ہے۔ بھٹو صاحب ان گرفتاریوں پر افسوس کا اظہار کر رہے ہیں، اور اُدھر لاہور میں چوبرجی پارک میں رات کے بھیگتے سائے میں پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما مولانا کوثر نیازی کو مارشل لاء کے ضابطہ 6-16 الف 17 اور 60 کے تحت گرفتار کیا جارہا ہے۔ شاید انہوں نے سوچا ہو کہ جیل میں بھیجنے سے یہ آوازیں خاموش ہو جائیں گی۔ لیکن عوامی حقوق کی بحالی کے لئے، عوام کی بیداری کے لئے جو لہر دوڑ رہی ہے وہ اب نہیں رک سکتی۔ آواز آرہی ہے۔ ''پاکستان کے عوام نے برسوں تکلیفیں سہی ہیں۔ مار کھائی ہے۔ لیکن اب وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور قربانیاں دینے کو تیار ہیں۔ میں نے عوام سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے ساتھ بلکہ ان سے پہلے قربانی دوں گا۔ عوام کو اپنے حقوق بحال کرانے کی جدوجہد میں خون کی ضرورت پڑی تو میں اپنا خون دوں گا۔ اگر عوام کی تحریک کو دبانے کے لئے گولی چلے گی تو پہلی گولی میرے سینے میں لگے گی۔ میں ان جوانوں اور طلبہ کو بھی آخر میں کہتا ہوں، جو اس وقت سندھ، پنجاب اور بنگال کی جیلوں میں بند ہیں۔ سندھ یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی کے بہت سے طلبہ قید ہیں۔ ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں۔ سامراج کے دشمن ہیں اور عوام کی حکومت چاہتے ہیں۔ ان پر مارشل لاء کے ضابطے نافذ ہو جاتے ہیں.....''

www.bhutto.org

قافلہ تاندلیانوالہ، ستیانہ اور جڑانوالہ کے کھیتوں کھلیانوں میں سے گزر رہا ہے۔ گرفتاریوں کی خبریں، قافلے تک پہنچ رہی ہیں۔ آواز کہہ رہی ہے۔ ''سرکاری مشینری پیپلز پارٹی کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ حکومت ملک میں بحران پیدا کر رہی ہے۔ مگر اسے یہ خیال نکال دینا چاہئے کہ وہ عوام کو دبا سکے گی۔ اگر حکومت انتخابات کے لئے تیار نہیں تو ہم عوامی تحریک کے لئے تیار ہیں۔ اب عوام پر گولیوں اور ڈنڈوں سے حکومت نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ہم نے ایوب آمریت کے خلاف جو کفن باندھا تھا وہ ابھی تک ہمارے سروں پر موجود ہے۔'' کراچی سے خیبر تک پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ابھی کل ہی ہماری جماعت کے رہنما مولانا کوثر نیازی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ دوسرے ہفت روزوں زندگی، چٹان اور پاکستان وغیرہ میں استعمال کی جانے والی زبان بھی کسی لحاظ سے شریفانہ نہیں کہی جاسکتی۔'' لائلپور سے کئی سو میل دور، کراچی کی کیتھولک کالونی کے ایک خاموش مکان سے پیپلز پارٹی کے ایک اور ممتاز رہنما میر علی احمد تالپور کو مارشل لاء کے ضابطہ 16 اور 17 کے تحت گرفتار کیا جا رہا ہے۔ سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ عوام آج پنڈی کے جلسے کے منتظر ہیں۔ وہاں ان گرفتاریوں کے سلسلے میں شاید بھٹو صاحب کچھ کہیں۔ لیاقت باغ پنڈی میں انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ 2 لاکھ سے زیادہ افراد جمع ہیں۔ آواز یہ سنائی دے رہی ہے۔ ''میں کسی صورت یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے ساتھی جیلوں میں ڈال دیے جائیں اور میں باہر رہوں۔ اگر گرفتاریوں کا سلسلہ بند نہ کیا گیا اور گرفتار شدگان کو رہا نہ کیا گیا تو ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور اس خون خرابے کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔ میں نے عوام کا ساتھ دینے، عوام کے ساتھ جینے اور عوام کے ساتھ مرنے کا عہد کیا ہوا ہے۔ میں یہ عہد آخری دم تک نباہوں گا..... مجھے بندوق سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میرے بھائیوں اور ساتھیوں معراج محمد خاں، مولانا کوثر نیازی، علی احمد تالپور اور دیگر بے شمار کارکنوں اور لیڈروں کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ رشید پرویز کے علاوہ سندھ میں تین سو طلباء جیلوں میں ڈال دیے گئے ہیں۔ میں اتنا احسان فراموش

نہیں کہ میرے بازو گرفتار ہو جائیں اور میں باہر رہوں۔ اگر جنرل حمید، جنرل گل حسن اور جنرل پیرزادہ کو گرفتار کر لیا جائے تو کیا صدر یحییٰ اپنے محل میں بیٹھے رہیں گے۔ پنڈی کے عوام نعرے بلند کر رہے ہیں "ماریں گے مر جائیں گے۔ بھٹو کو بچائیں گے۔" اور پھر پشاور میں بھی یہی نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ کہنے والا کہہ رہا ہے۔ "عوام کے مسائل کو بندوقوں اور جیلوں سے حل نہیں کیا جا سکتا اور اگر ہماری فوجوں کی بندوقوں کا رخ عوام کی جانب موڑا گیا تو پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت مشکل ہو جائے گی۔ عوام اب اپنے طبقاتی مقام کو پہچان گئے ہیں۔ اگر ان پر گولیاں چلائی گئیں اور تشدد کیا گیا تو پیپلز پارٹی اس صورت حال کا مقابلہ کرے گی۔ میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ عوام تشدد برداشت نہیں کریں گے..... میں عوام ہی کو طاقت کا سرچشمہ سمجھتا ہوں اور ملک میں آئے ہوئے عوامی سیلاب کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔" پشاور کے اس اجتماع میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد سر دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ آنکھیں عزم کے روشن چراغ ہیں۔ یہ پیشانیاں تشدد کے لئے ڈھالیں ہیں۔ سیسہ پلائی دیواریں، یہ بازو، یہ آنکھیں جب ایک ساتھ ہوں انہیں کوئی طاقت نہیں ہٹا سکتی۔ پشاور، پنڈی، لاہور اور کراچی جاگ رہے ہیں۔ لاہور اس آواز کا منتظر ہے۔

www.bhutto.org

دال روٹی کھائیں گے

"ہمارا ملک کتنا بھی کمزور سہی۔لیکن ہماری مہمان نوازی دنیا بھر میں مُسلم ہے۔مگر کراچی کے ہوائی اڈے پر ہماری اس روایت کو بھی پامال کر دیا گیا۔یکم نومبر کو پولینڈ کے صدر کا شاندار استقبال ہو رہا تھا۔بچے پھول لئے کھڑے تھے۔تو ایسا المناک حادثہ واقع ہوا جس کی مثال دنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔جان بوجھ کر پولینڈ کے صدر کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔وہ بال بال بچ گئے۔ایک معزز مہمان پولینڈ کے نائب وزیر خارجہ ہلاک ہو گئے۔بیس برس پہلے ایسی چیز اگر واقع ہوتی تو پولینڈ اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہوتی لیکن اب وہ حالات نہیں ہیں۔پھر بھی دنیا میں پاکستان کی بدنامی ہوئی۔اس پر دنیا نے کیا کیا سوچا۔ہمارے دشمنوں نے کیا کیا پروپیگنڈا کیا کہ اس ملک میں کیسے لوگ رہتے ہیں۔میں 10 روز اس مسئلے پر خاموش رہا اور میں نے کوئی خاص بات نہیں کی۔آج کراچی کے اس واقعے پر کراچی میں پہلی بار اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔میں کہتا ہوں کہ اگر ایک کمیونسٹ لیڈر سے اس قدر نفرت تھی تو پہلے اس کا اظہار کیوں نہیں کیا۔چواین لائی آئے،لیوشاؤچی آئے۔اتنے سارے لوگوں نے خیر مقدم کیا۔اب ہی کیوں ایسے واقعات پیش آئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک وزیر نے کہا کہ اسلام خطرے میں ہے۔ایک رسالے میں انٹرویو دیتے ہوئے اس نے یہاں تک کہا کہ مشرقی یورپ کے ممالک اسلام کے خلاف ہیں۔یہ بات رجعت پسند سیاسی جماعتیں تو کہتی تھیں۔جماعت اسلامی ان میں پیش پیش تھی۔لیکن لوگ ان کی باتوں کو اس لئے اہمیت نہیں دیتے تھے کہ یہ سیاسی جماعتیں اقتدار کی

خواہش میں لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے ایسی باتیں کرتی ہیں۔اس سے پہلے کبھی اقتدار کی کرسی سے اس طرح کی بات نہیں آئی تھی۔اسکندر مرزا نے ایسا نہ کیا۔غلام محمد نے یہ بات نہ کی۔ایوب خان نے یہ بات نہ کی۔لیکن یہ وزیر صاحب سفارت چھوڑ کر انڈونیشیا سے یہاں آئے تو انہوں نے سب سے پہلے حکومت کی طرف سے یہ موقف ظاہر کیا کہ اسلام خطرے میں ہے۔نظریہ پاکستان کو خطرہ ہے۔تقریریں کیں۔اخباروں میں مضامین لکھے،رسالوں کو انٹرویو دیئے۔24 برس کی تاریخ میں حکومت کے کسی فرد نے یہ نہیں کہا تھا۔اس لئے سادہ لوح لوگوں نے سوچا کہ پہلی بار اقتدار کی کرسی سے یہ بات کی جارہی ہے شاید اس میں کوئی صداقت ہو۔"

پی ای سی ایچ ایس گراؤنڈ کے علاقے میں لاکھوں آنکھوں،لاکھوں کانوں کے درمیان آواز گونج رہی تھی۔رجعت پرست طاقتیں بوکھلا اٹھی تھیں۔ڈاکٹر شمیم زین الدین خان کے الفاظ میں مزدوروں،کسانوں کا بھٹو بول رہا تھا۔جئے بھٹو،جئے عوام کے نعرے فضا میں بلند ہورہے تھے۔یہ بیرسٹر کمال اظفر کے انتخابی حلقے کا بھی اور متمول لوگوں کی اس بستی کا بھی پہلا تاریخی جلسہ ہے۔گراؤنڈ میں سر ہی سر دکھائی دے رہے ہیں۔صدیوں سے محکوم و مجبور انسان اپنے حالات میں تبدیلی اور انقلاب کی امید لئے اس شخصیت کی طرف تک رہے ہیں جو انہیں استحصال اور ظلم و تشدد کے خاتمہ کا یقین دلا رہی ہے۔اس شخصیت میں کتنی روانی ہے۔کتنا جذبہ ہے کہ سفر جاری ہے۔مغربی پاکستان کے ہر علاقے کے کسان،مزدور، طالب علم اس کے مخاطب ہیں۔وہ ان سے باز بار مل رہی ہے۔انہیں یقین دلا رہی ہے کہ انقلاب ان کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔یہ لوگ بیدار ہورہے ہیں۔اب اتنی بیداری ضرور پھیل گئی ہے کہ اب کوئی طاقت کوئی شخصیت اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل نہیں کرسکتی۔خواہ یہ بیداری پھیلانے والی شخصیت خود ہی کیوں نہ ہو۔

اگلے روز کراچی کی سڑکیں،گلی کوچے۔"دال روٹی کھائیں گے،سوشلزم لائیں گے" کے نعروں سے گونج رہے تھے۔ایک سیلاب رواں تھا۔چلو تو سارے زمانے کو ساتھ

لے کر چلو، حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو۔ سارا زمانہ ساتھ چل رہا ہے۔ مزدور، کسان، رکشے والے، ٹیکسی والے، گدھا گاڑی والے، پیدل سائیکلوں پر سب بڑھ رہے ہیں۔ کراچی کی سڑکوں پر انسانوں کا سیلاب امڈ آیا ہے۔ سرلہروں کی طرح حرکت میں ہیں۔ رجعت پسند طاقتیں بوکھلا کر چھپ گئی ہیں۔ لیاری، ملیر، لیاقت آباد، اعظم بستی، محمود آباد کی عوامی بستیوں کے جیالے عوام سوشلزم کے قیام، سرمایہ داری کے خاتمے اور استحصال کی بیخ کنی کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ سڑکیں حیران ہیں، بام دور جذبے سے معمور ہیں۔ کھڑکیاں چمک اٹھی ہیں۔ سیلاب بڑھ رہا ہے۔ اس سیل کو کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ سیل مظلوموں، مجبوروں، محکوموں کا ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے۔ گارڈن روڈ، لارنس روڈ، لیاری کی سڑکوں پر، کھارادر کی سڑکوں پر یہ آواز عوام سے عہد کر رہی ہے کہ ہم غریبوں کی حکومت لائیں گے۔ مزدوروں کی حکومت لائیں گے۔ کسانوں کی حکومت لائیں گے۔ اپنی تلوار سے ہم سرمایہ داروں کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں گے۔ ''برسوں سے ظلم و تشدد کے شکار مظلوم عوام استحصال کے خاتمے کا دعویٰ کرنے والی اس شخصیت کی آواز پر ہاتھ ہلا ہلا کر خیر مقدم کر رہے ہیں کہ ہم نشے میں تھے۔ تو نے ہمیں بیدار کیا ہے۔'' میں سوچ رہا ہوں کہ واقعی لیاری جاگ رہی ہے لیاری والے بیدار ہو چکے ہیں۔ اگر اب کے بھی انہیں مایوسی ہوئی تو وہ یقیناً نعروں کی بجائے کسی مضبوط ہتھیار کا سہارا لیں گے۔ لیاری کے ایک حصے میں بھٹو صاحب وقت کی کمی کے باعث نہ جا سکے۔ وہاں عورتیں گلاب پاشی کے لئے کھڑی تھیں۔ نوجوانوں نے دروازے بنا رکھے تھے انہیں بے انتہا مایوسی ہوئی۔ عورتوں نے چوڑیاں توڑ دیں، لڑکیاں زار و قطار رونے لگیں۔ پورے علاقے میں سوگ کی سی کیفیت تھی۔ احمد علی سومرو کی بہنیں اور دوسری رشتہ دار خواتین روتی پیٹتی بھٹو کے گھر پہنچ گئیں۔ بھٹو نے اپنی ماؤں بہنوں کی یہ کیفیت دیکھی تو وعدہ کیا کہ میں رات کو جلسے کے بعد ضرور آؤں گا۔ پھر رات کو ڈیڑھ بجے وہ کلری کے علاقے میں گیا تو وہاں دن کا سماں پیدا ہو گیا۔ کلری کھڈہ ہر جگہ وہی دن کا سا ہجوم تھا۔ عورتوں کے چہرے پر مسکراہٹ لوٹ آئی۔ لیاری میں

پھیلی ہوئی مایوسی جوش اور جذبے میں بدل گئی۔ دن میں یہ جلوس کھارادر سے ہوتا بندر روڈ پر جا کر ختم ہوا تھا۔ ہر بالکونی ہر کھڑکی، ہر سڑک سے جلوس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ رات کو یہ آواز ڈرگ کالونی میں گونجی۔ یہاں قومی اسمبلی کے لئے سابق میجر جنرل اکبر خان الیکشن لڑ رہے ہیں اور صوبائی اسمبلی حلقہ نمبر 15 کے لئے رفیق احمد میاں امیدوار ہیں۔ اس جلسے میں بھی یہی عہد کیا گیا کہ ''ہم کسانوں، مزدوروں کی حکومت قائم کر کے رہیں گے۔'' رات کو لکڑی گراؤنڈ میں لاکھوں مظلوم پھر جمع تھے اور صبح کی امید میں رات کی تاریکی برداشت کر رہے تھے۔ یہاں دو انتخابی حلقے پڑتے ہیں۔ لیاری جہاں سے قومی اسمبلی کے لئے عبدالستار گبول اور صوبائی اسمبلی کے لئے سید امداد حسین شاہ اور احمد علی سومرو کھڑے ہیں۔ دوسرے حلقے سے قومی اسمبلی کے لئے سوداگر درویش اور صوبائی اسمبلی کے لئے قاسم حاجی عباس پٹیل اور محمد حنیف سولجر امیدوار ہیں، آواز بلند ہو رہی ہے کہ!! ایک سیاسی لیڈر نے کہا کہ سوشلزم پاکستان کے عوام کی ذہنیت کے خلاف ہے۔ وہ اس کا نفاذ نہیں چاہتے ہیں۔ پوچھتا ہوں کہ کیا پاکستان کے عوام چاہتے ہیں کہ سرمایہ داران پر سوار ہیں۔ کیا پاکستان کے عوام چاہتے ہیں کہ وہ استحصال شکار بنتے ہیں۔ کیا پاکستان کے عوام چاہتے ہیں کہ ان کے بچے تعلیم حاصل نہ کریں۔ کیا پاکستان کے عوام چاہتے ہیں کہ ان کے گھروں میں ترقی نہ ہو۔ اگر وہ یہ نہیں چاہتے تو پھر سوشلزم ان کی ذہنیت کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے۔ کوشش کی گئی تھی کہ تین لیگوں کو اکٹھا کر کے پاکستان پیپلز پارٹی کو سیاست سے ہٹا دیا جائے۔ لیکن یاد رکھو پاکستان پیپلز پارٹی کو سیاست سے ہٹانے کا مطلب ہے، پاکستان کی روح کو ختم کر دینا۔ پاکستان کے غریب عوام کی امنگوں کو مٹا دینا۔ پاکستان کے مزدوروں کے عزائم کو دبا دینا۔ پاکستان کے کسانوں کی امیدوں کو ختم کر دینا۔ یہ پیپلز پارٹی تھی۔ جس نے عوامی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ہم نے سب طاقتوں کا مقابلہ کیا، ہندوستان کا مقابلہ کیا، امریکہ کو للکارا۔ ہم نے سردار سورن سنگھ سے کہا تھا کہ ''ہندوستانی کتے! نکل جاؤ یہاں سے'' ہم نے پاکستان کو آزار خارجہ پالیسی دی۔ ہم نے جانسن کی پیش کش ٹھکرائی تھی اور کہا

تھا خبردار ہم نہیں جھکیں گے۔ ہم ایک غیرت مند ملک کے ایٹمی ہیں۔ ہم نے شیر علی کو سب سے پہلے خبردار کیا تھا اور کہا تھا خبردار شیرو! ہم تمہارا حساب لیں گے۔ اس نے آزاد خیال صحافیوں کو پی پی آئی، پاکستان ٹائمز اور دوسرے اخبارات سے نکلوایا تو صحافیوں نے اپنے اخبار مساوات، آزاد اور الفتح شروع کر لئے۔ اور اب یہ ملک کے سچے اور مقبول اخبار ہیں۔ ہم پاکستان کے غریب عوام کے خلاف کوئی سازش نہیں ہونے دیں گے۔ ہم سرمایہ داروں کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں گے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے تعاون کے بغیر کوئی دستور نہیں بن سکتا۔ ہم نئے دستور میں وہ بنیادی حقوق مانگیں گے جو مزدوروں اور کسانوں کے حقوق ہیں۔ ولیکا اور آدم جی کے نہیں۔ ہم ایسا دستور مانگیں گے جو عوامی دستور ہوگا۔ مزدوروں کسانوں کا دستور ہوگا۔ ہم ہر جگہ ہر علاقے کے عوام سے انصاف چاہتے ہیں۔ میں اسی لئے لاہور کے حلقہ نمبر 3 سے کھڑا ہوں۔ مودودی صاحب کو نہ جانے کیوں بے چینی ہو رہی ہے۔ کبھی ثالثی کی پیش کش، کبھی جاوید اقبال اور سرفراز میں سمجھوتہ۔ آپ کی جماعت کا سرفراز سے تعلق نہ جاوید اقبال سے۔ پھر آپ کے پیٹ میں درد کیوں ہے۔ یاد رکھئے بھٹو بذات خود کوئی چیز نہیں ہے، آپ اگر مقابلہ کر رہے ہیں۔ ملتان، لاہور، حیدر آباد، لاڑکانہ، ٹھٹھہ میں تو بھٹو کا مقابلہ نہیں کر رہے ہیں۔ پاکستان کے غریب عوام کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ مزدوروں کا مقابلہ کر رہے ہیں، کسانوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ یہ اسلام کو بچانے کا دعویٰ کرنے والی شخصیتیں ایک سیٹ پر لڑ پڑی ہیں۔ اسلام خطرے میں نہیں، سرمایہ داری خطرے میں ہے۔ اب 24 سال کے بعد فیصلہ سرکاری افسروں، سیاست دانوں اور فوجی افسروں کو نہیں، ہمیں کرنا ہے، عوام کو کرنا ہے۔ 7 دسمبر کے بعد آپ کو فیصلہ کرنا ہے۔ پہلے جو کچھ ہوا۔ وہ ہمارے فیصلے نہیں تھے۔ 1962ء کا آئین ہم نے نہیں دیا۔ سیٹو اور سینٹو کے معاہدے ہم نے نہیں دیے۔ لیکن اب فیصلے ہم کریں گے۔ یہ رائے کا حق قربانیوں کے بعد ملا ہے۔ تحریک سے ملا ہے۔ قربانی سے سیاسی حقوق ملے۔ قربانیوں سے ہی اقتصادی حقوق ملیں گے۔ الیکشن سے نہیں۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ الیکشن ہمارے مسائل کا حل نہیں ہیں۔

www.bhutto.org

پھر رات کے ڈیڑھ بجے کلری اور کھڈہ کی سڑکوں، گلیوں میں "جیئے بھٹو سدا جیئے۔" ماریں گے مرجائیں گے۔ سوشلزم لائیں گے۔ "دال روٹی کھائیں گے، بھٹو کو جتائیں گے" کے نعروں سے گونج رہی ہیں۔ اگلی صبح پھر کراچی، کورنگی، دھابے جی، گھارو، سوندہ، لبپ، گجر میرک، ٹھٹھہ کی سڑکیں انہیں نعروں سے گونج رہی ہیں۔ جگہ جگہ سندھ کے مظلوم ہاری جمع ہیں۔ سرخ بینر لہرا رہے ہیں۔ سہ رنگا پرچم بلند ہے۔ مزدوروں، کسانوں کی خدمت کے دعویٰ ہیں۔ پگڑیوں، شلواروں اور قمیضوں سے جھانکتے کھردرے چہرے، صدیوں کے ظلم و تشدد کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ایک امید ایک آس لئے وہ اس پرچم تلے جمع ہو رہے ہیں۔ ٹرکوں، بسوں، اونٹ گاڑیوں پر سوار پیدل افراد بڑھ رہے ہیں۔ آگے بڑھ رہے ہیں۔ "ماریں گے مرجائیں گے۔ سوشلزم لائیں گے، دال روٹی کھائیں گے، سوشلزم لائیں گے۔ جیئے بھٹو۔" زمینیں اپنے حقیقی مالکوں کو ملنے کے لئے بے چین ہیں۔ ایک مکان کی چھت سے کھڑے ہو کر یہ شخصیت جواب ایک تحریک بن چکی ہے۔ سندھ کے مظلوم لوگوں کو بتا رہی ہے کہ "صوبائی اسمبلی کے ہمارے امیدوار بشیر احمد شاہ ہیں۔ ان کے بارے میں ہمارے مخالفین کہہ رہے ہیں کہ وہ پنجابی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ پنجابی ہیں۔ ہاں وہ پنجابی ہیں۔ مگر مسلمان بھی تو ہیں۔ پاکستانی بھی تو ہیں۔ سندھ، پنجاب، بلوچستان، سرحد سب جگہ مسائل ایک سے ہیں۔ ٹھٹھہ کا جلسہ تاریخی جلسہ تھا، سڑکیں، میدان مظلوم ہاریوں سے بھرے ہوئے تھے۔ پانی فراہم کرنے والے اپنے گدھا گاڑیوں پر پیپلز پارٹی کے پرچم لگائے ہوئے جلسہ گاہ میں آ رہے تھے۔ عبدالحفیظ پیرزادہ، میر رسول بخش تالپور اور ان کے بعد بھٹو کی آواز سندھی میں گونج رہی ہے۔ "پاکستان پیپلز پارٹی عوام جو پارٹی آہے، مزدور جو پارٹی آہے، ہاری جو پارٹی آہے، شاگردن جو پارٹی آہے۔ اساں غریبن جو حکومت قائم کریندو، مزدوران جو حکومت قائم کریندو۔ شاگردن جو حکومت قائم کریندو۔" ہم ٹھٹھہ سے لوٹ آئے ہیں۔

www.bhutto.org

غریبن جی پارٹی

ہم آج جہاز کے ذریعے موہن جوڈرو پہنچے ہیں۔

اسی جہاز سے رفیع منیر بھی جا رہے ہیں۔ ایئر پورٹ پر گاڑی لینے آئی ہوئی ہے۔ نور محمد بھی موجود ہے۔ الطاف رانا ایئر پورٹ پر ہماری ایک تصویر بناتا ہے۔ پھر ہم سولہ میل لمبا فاصلہ طے کرتے ہوئے المرتضیٰ میں داخل ہوتے ہیں۔ المرتضیٰ کے باہر اور اندر غریب ہاریوں اور مظلوم سندھیوں کا ایک ہجوم ہے۔ صدیوں کے ظلم و تشدد کی کہانیاں ان کے چہروں پر جھریوں کی صورت میں نقش ہیں۔ سندھ پیپلز پارٹی کے رہنما بھی آئے ہوئے ہیں۔ ملاقاتیں جاری ہیں۔ عبدالوحید کپڑ ملتے ہیں۔ عبدالرزاق سومرو سے ملاقات ہوتی ہے۔ بیگم اشرف عباسی سے ملاقات ہوتی ہے۔ الیکشن نزدیک ہیں۔ کل بھٹو صاحب کو دورے پر نکلنا ہے۔ ابھی وہ اپنے حلقے میں انتخابی مہم سے فارغ ہوئے ہیں۔ دریا خان کھوسو آئے ہوئے ہیں۔ آغا غلام نبی پٹھان بھی آئے ہوئے ہیں۔ ان کے انتخابی حلقے میں بھی جانا ہے۔

رات وہیں المرتضیٰ کے گیسٹ ہاؤس میں گزرتی ہے۔ صبح سویرے تیار ہو کر ہم قافلے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ آغا غلام نبی پٹھان کے صاحب زادے کی گاڑی ہمارے حصے میں آتی ہے۔ گاڑیوں پر پیپلز پارٹی کے پرچم لہرا رہے ہیں۔ سڑک سے گزرتے بچے، بوڑھے، نوجوان اس پرچم کو دیکھتے ہی گاڑی کی طرف دیکھتے ہیں۔ وہاں ذوالفقار علی بھٹو کو دیکھ کر ان کے منہ سے بے ساختہ "جیئے بھٹو" کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں

بھی مظلوم انسان بستے ہیں۔ بھٹو صاحب کے ضلع کے مظلوم انسان، وہ ہاتھ ہلا کر بھٹو صاحب کو روک لیتے ہیں۔ بھٹو صاحب انہیں بتاتے ہیں کہ ہمارا سفر بہت طویل ہے۔ آپ سے ملاقات ہوتی ہی رہتی ہے۔ مجھے گڑھی یٰسین پہنچنا ہے۔

دوپہر کے وقت گڑھی یٰسین پہنچتے ہیں۔ جلسہ گاہ سجی ہے۔ عوام کے چہرے، پریشان، بدحال، سندھیوں اور مہاجروں کے چہرے۔ نئے سندھی پرانے سندھی ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ آواز گونج رہی ہے۔ سندھی زبان میں۔ میں سندھی نہیں جانتا مگر بھٹو صاحب کی سندھی ایسی ہے کہ جو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

''پیپلز پارٹی غریبن جی پارٹی آہے۔ پیپلز پارٹی عوام جی پارٹی آہے۔''

''پیپلز پارٹی غریبوں کی پارٹی ہے۔ عوام کی پارٹی ہے۔ آپ کی پارٹی ہے۔ آپ نے اسے بنایا ہے۔ جاگیرداروں، سرمایہ داروں کے مقابلے کے لئے۔ وڈیروں کے خاتمہ کے لئے۔ ہم انصاف کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہماری جدوجہد حق کے لئے ہے۔ ہم ایسا نظام لائیں گے جس میں غریبوں کو ان کے کچلے ہوئے حقوق مل جائیں گے۔ ہم سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہوگی. تو کوئی وڈیرا ہاریوں کا خون نہیں چوسے گا۔ کوئی سرمایہ دار مزدوروں کو نہیں کچل سکے گا۔''

گڑھی یٰسین کے چہروں پر عزم کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ پیشانیاں حوصلوں سے تمتمانے لگتی ہیں۔ یہ آواز سب کی آواز ہے، دلوں کی آواز ہے۔ 23 برس سے کچلے جاتے انسان ولولوں اور حوصلوں کی مشعل اٹھا کر نکل پڑے ہیں۔ قافلہ آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے گاؤں جن میں کبھی آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور جہاں آج تک کسی رہنما نے آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ان چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہات میں اسٹیج سجے ہیں، پیپلز پارٹی کے پرچم۔ ذوالفقار علی بھٹو کی تصویریں۔ پیپلز پارٹی کے چار اساسی نعرے۔

''اسلام ہمارا دین ہے۔

جمہوریت ہماری سیاست ہے

www.bhutto.org

سوشلزم ہماری معیشت ہے
تمام طاقت عوام کی ہے۔"

بینروں کی صورت میں چھائے ہوئے ہیں۔ میں یہاں ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر سننے کی بجائے اسٹیج پر بیٹھ کر اپنے ہم وطنوں کے کھردرے چہروں پر لکھی ہوئی داستانیں پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ داستانیں کتنی گھمبیر، کتنی خوفناک، کتنی ہولناک اور کتنی دل گداز ہیں۔ یہ میرے ہم وطن ہیں۔ میرے وطن کی اکثریت۔ شہروں میں آرام دہ پر تکلف پر آسائش زندگی گزارتے ہوئے مجھے ان کا کبھی خیال تک نہیں آتا۔ حالانکہ میرا ناشتہ، میرا لنچ، میرا ڈنر ان کا مرہون منت ہے۔ ان کے سخت ہاتھ، جن کی رگیں بھری ہوئی ہیں۔ ان کے بازو جنہیں قیمتی آستینیں نصیب نہیں ہیں۔ کھیت ان کے دم سے لہلہاتے ہیں۔ دانہ گندم ان ہی کی قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ تعداد میں بھی ہم شہر کے رہنے والوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ مگر آسائشیں ہمارا مقدر ہیں۔ مشقتیں ان کا۔ وہ مجھ سے میری آسائشیں چھیننا نہیں چاہتے، وہ فقط اپنی محنت کا معقول معاوضہ چاہتے ہیں اور عزت چاہتے ہیں۔ کام وہ کریں، پھل کسی کو ملے۔ یہ کیسا طریقہ ہے، یہ کیسا نظام ہے۔ ان کی عزت محفوظ نہ زندگی محفوظ۔ وہ اب اس نظام سے بیزار ہیں۔ ان کی پیشانیاں، اس نظام سے نفرت کا اعلان کر رہی ہیں۔ ان کی آنکھوں سے ٹپکتا ہوا کرب اب چمک میں بدل چکا ہے۔ وہ وڈیروں کے خلاف نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔

ہم اور دو تین چھوٹے دیہات سے نکل رہے ہیں۔ دشوار گزار راستے۔ کہیں نہر کی پٹڑی ہمارا راستہ ہے۔ کہیں کچی سڑک ہے۔ شام ڈھل رہی ہے۔ ہمارے ساتھی حکیم صاحب نے قافلے سے ہٹ کر آگے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن عین جہاں موڑ تھا وہاں ایک کھڈ آ گئی ہے۔ قافلے سے الگ ہٹ کر انفرادی کوشش کا انجام یہی ہوتا ہے۔ مگر ہم نے ہمت نہیں ہاری ہے۔ ہم سب باہر نکل آئے ہیں۔ کچھ اور لوگ بھی اِدھر اُدھر آ گئے ہیں۔ گاڑی کو ہاتھوں پر اٹھا کر کھڈ سے نکال دیا ہے۔ قافلہ پھر چل پڑا ہے۔ آگے جا کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ

علاقہ مخالف پارٹی کا ہے۔ یہاں پیر آف پگاڑو کے معتقد ہیں۔ گڑبڑ کا خطرہ ہے۔ سب لوگ چوکنے ہو جاتے ہیں۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اِدھر اُدھر قیوم لیگ کے پرچم لہرا رہے ہیں۔ ایک دو نعرے بھی سنائی دیتے ہیں۔ ''بھیج پگاڑا۔ بھیج پگاڑا'' لیکن جب ادھر کاروں، جیپوں کے قافلے میں سے آواز ابھرتی ہے۔ ''جئے بھٹو'' تو وہ آوازیں دب جاتی ہیں۔ ایک چھوٹی سی بچی جانے کس طرف سے بھاگتی ہوئی پیپلز پارٹی کا پرچم ہاتھ میں اٹھائے آگے بڑھتی ہے اور ایک چھوٹے سے درخت پر چڑھ کر قیوم لیگ کا پرچم اتار کر پیپلز پارٹی کا پرچم لہرا دیتی ہے۔ یہ بچی کون ہے۔ اسے پیپلز پارٹی کا پرچم کیوں پسند آیا۔ اس نے اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لے لیا۔ یہ بچی میرا مستقبل ہے۔ میرے وطن کا مستقبل ہے۔ کروڑوں مظلوم پاکستانیوں کا مستقبل ہے۔ یہ بچی علامت ہے۔ بوسیدہ نظام کے خلاف احتجاج کی۔ سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ نظام کے دم توڑنے کی اور نئی امیدوں کی کونپلیں پھوٹ جانے کی۔

ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ شام ڈھل چکی ہے۔ سورج ڈوب رہا ہے۔ رات اپنا دامن پھیلا رہی ہے۔ یہ رات جانے کب سے چھائی ہوئی ہے۔ مگر اب اس کے ختم ہونے کے دن آ گئے ہیں۔ ہم کسی شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ بڑا شہر ہے۔ نعرے بلند ہو رہے ہیں۔

''مٹھل سائیں جئے سدائیں۔''

''مٹھل سائیں جئے سدائیں''

''قائم دائم۔ دستگیر''

''قائم دائم۔ دستگیر''

بھٹو صاحب کو یہاں ایک چوک میں پیپلز پارٹی کا پرچم لہرانے کی رسم ادا کرنی ہے۔ چوک میں بے انتہا رش ہے۔ بہت سے اخبار نویس اس مقام تک نہیں پہنچ پاتے۔ پرچم بلند ہو گیا ہے۔ رات کے اندھیرے اور سناٹے چیرتے ہوئے۔ میں ہجوم میں کھڑا ہوا کیا کروں۔ رات لوگوں کو پہچاننے بھی نہیں دیتی۔ میں آغا غلام نبی پٹھان کی کوٹھی پر چلا جاتا

www.bhutto.org

ہوں۔انتخابات کے دن ہیں۔لنگر چل رہا ہے۔انتخابی کارکن، پارٹی کے کارکن مصروف ہیں۔اس شہر کے صحافی آغا صاحب کا ٹیلی فون استعمال کر رہے ہیں اور کراچی میں اپنے اخباروں کے دفاتر میں ٹرنک کال کے ذریعے خبریں بھیج رہے ہیں۔بھٹو صاحب کسی مضافاتی علاقے میں ایک جلسے سے خطاب کرنے گئے ہیں۔ہم پیچھے رہ گئے ہیں کیونکہ اصل جلسہ شکار پور میں ہو رہا ہے۔آغا غلام نبی پٹھان کے زیادہ تر ووٹ بھی وہی ہیں۔قافلہ شکار پور کی طرف چلتا ہے۔ایک گھر کے باہر سٹیج لگا ہے۔بہت بڑی جگہ ہے۔روشنیاں، جھنڈیاں، پرچم۔اندر چائے وغیرہ کا اہتمام ہے۔سندھ کی پیپلز پارٹی کی بہت سی نمایاں شخصیتیں یہاں موجود ہیں۔آپس میں سیاسی مسائل پر بات ہو رہی ہے۔کس کو کتنی سیٹیں ملیں گی؟ پیپلز پارٹی کا کیا مستقبل ہے۔یہاں طالب علم لیڈر بھی ہیں۔طالب علم بھی، ہاری بھی۔یہ سب ایک منزل کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ایک جدوجہد میں مصروف ہیں۔رات بھیگ رہی ہے۔اسٹیج سج چکا ہے۔مقامی لیڈر عوام سے مخاطب ہیں۔پیپلز پارٹی نے مقرروں کو ایک ولولۂ تازہ دیا ہے۔جہاں جاتے ہیں، پنجاب کہ سندھ۔اردو زبان ہو کہ پنجابی، سندھی۔بڑے جوش اور ولولے سے تقریریں ہوتی ہیں۔

بھٹو صاحب اسٹیج پر آ گئے ہیں۔مجمع بے قابو ہو رہا ہے۔انہوں نے سندھی میں بات شروع کی ہے۔وہ آج انتہائی پرسکون موڈ میں ہیں۔تقریر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے۔"24 برس سے پاکستان کے عوام کا استحصال ہو رہا ہے۔سیاسی جماعتوں نے عوام کو دھوکہ دیا ہے۔نوکر شاہی نے عوام کو کچلا، کسانوں کے حقوق دبائے گئے۔مزدوروں کا استحصال کیا گیا۔پہلی بار عام انتخابات ہو رہے ہیں۔اس وقت بھی عوام کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔یہ وہی لوگ ہیں جو ایوب خان کے اقتدار کو بچانے کے لئے اس کے ساتھ گول میز کانفرنس میں جا بیٹھے۔اور انہوں نے آخر دم تک کوشش کی تھی کہ آمریت کی دیوار کچھ اور دن کے لئے محفوظ ہو جائے۔عوام کی تحریک کامیاب نہ ہو سکے۔لیکن میں آپ کے کہنے پر گول میز کانفرس سے الگ رہا۔ہمارا سمجھوتہ ہوا تو صرف آپ سے ہوا۔ہم نے گول میز

کانفرنس میں شرکت کر کے ایک آمر کے ہاتھ مضبوط نہیں کیے۔

ہم عوامی کی ترقی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔عوام کا اصل مسئلہ روٹی ہے۔دستور سے پیٹ نہیں بھر سکتا۔انتخابات صرف ایک ذریعہ ہیں۔ان سے سارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔مسائل کے حل کے لئے انقلابی راستے اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ہم نے ایوب خان کو انقلابی انداز سے ہٹایا ہے۔ہم آمریت کے خلاف جدوجہد جاری رکھیں گے۔دوسری سیاسی جماعتیں ہر آمر کو سہارا دیتی رہی ہیں۔"

عوام سے اقرار ہو رہا ہے۔عوام اور سیاسی رہنما کے درمیان رابطہ قائم ہو رہا ہے۔یہ اتنی اہم تقریر ہے کہ اسے لاہور یا کراچی میں ہونا چاہئے تھا لیکن یہ تو بھٹو صاحب کے موڈ کی بات ہے۔وہ تمام موضوعات کو سمیٹ رہے ہیں۔

رات کا ایک بج رہا ہے۔سامعین انتہائی سکون سے گوش بر آواز ہیں۔ہمیں آگے چلنا ہے اس لئے ہم جلسہ گاہ سے آغا غلام نبی پٹھان کی حویلی کا رخ کرتے ہیں۔جہاں رات کا کھانا ہے۔رات کے دو بجے ہم کھانے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔بھٹو صاحب کو ذرا سا وقفہ ملا ہے تو وہ مجھ سے کراچی کے بارے میں پوچھنے لگے ہیں کہ وہاں الیکشن کی مہم کا کیا حال ہے۔میں انہیں بتاتا ہوں کہ کافی محنت ہو رہی ہے۔مگر قومی اسمبلی میں زیادہ سیٹوں کی امید نہیں ہے۔

کھانا کھا کر ہم شکار پور سے ضلع جیکب آباد کی راہ لیتے ہیں۔آغا غلام نبی پٹھان کے صاحب زادے آگے نہیں جائیں گے۔اس لئے ہم پھر بھٹو صاحب کی گاڑی میں بیٹھ جاتے ہیں۔ہمارے ساتھ جیکب آباد سے قومی اسمبلی کے امیدوار دریا خان کھوسو ہیں۔الطاف رانا۔میں اور کھوسو صاحب پیچھے بیٹھے ہیں۔اگلی سیٹ پر بھٹو صاحب اور ڈرائیور ہیں۔شکار پور سے ہمیں کشمور پہنچنا ہے۔آدھی رات کا عمل ہے۔چاروں طرف سناٹے گونج رہے ہیں۔کشمور کم از کم 70 میل دور ہے۔راستہ نہر کے کنارے کنارے جاتا ہے۔جہاں کوئی روشنی نہیں ہے۔ایک نہر کی پٹڑی نہیں۔بلکہ ہم دو نہروں کی درمیانی پٹڑی پر جا رہے

ہیں۔دونوں طرف ریت ہے۔کھڈ ہیں۔نہریں بہت گہری ہیں۔ہمارے آگے ایک جیپ ہے، پیچھے دو جیپیں ہیں۔جن میں مسلح دیہاتی ہیں۔رات کا وقت ہے۔کچھ معلوم نہیں کیا ہو جائے۔

چلتے چلتے باتیں ہوتی ہیں، بھٹو صاحب کھوسو صاحب سے کہتے ہیں کہ ان کا کیا خیال ہے۔سندھ میں کتنی سیٹیں ملیں گی۔کھوسو 19 کا امکان بتاتے ہیں۔بھٹو صاحب ایک بار تسلی کر کے کہ سب اپنے آدمی بیٹھے ہیں۔کہنے لگتے ہیں کہ یہ شکار پور والی سیٹ کی مجھے امید نہیں ہے۔کھوسو پوچھتے ہیں کیسے۔وہ بتاتے ہیں کہ میں نے جتنے علاقوں میں اس سیٹ کے امیدوار کے لئے تقریریں کیں۔جب تک میں دوسرے موضوعات پر بولتا تھا۔لوگوں کی آنکھیں چمکتی تھیں اور وہ انتہائی غور سے سنتے تھے۔مگر جب آخر میں کہتا تھا کہ یہ ہماری پارٹی کے امیدوار ہیں۔آپ انہیں کامیاب کریں تو لوگوں کی آنکھیں سپاٹ ہو جاتی تھیں۔مجھے امید نہیں۔اس طرح تو ہماری 18 سیٹیں بنیں گی۔پھر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی ہیں۔راستہ بہت لمبا ہے۔ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ایک اس گاڑی کی روشنی ہے۔راہ بھی دشوار گزار ہے۔اب اس گاڑی میں ڈرائیور اور میرے سوا سب سو رہے ہیں۔اگر ڈرائیور بھی سو جائے تو.....

راستے میں جہاں کوئی موڑ آتا ہے۔ہماری پائلٹ جیپ رک جاتی ہے۔بندوق ہاتھ میں پکڑے ایک دیہاتی آتا ہے اور کھوسو صاحب سے سندھی میں ہدایت لیتا ہے اور پھر قافلہ آگے چل پڑتا ہے۔کھوسو صاحب مجھے بتاتے ہیں کہ یہ خطرناک علاقہ ہے۔یہاں کچھ بدنیت لوگ رہتے ہیں اس لئے ہوشیار ہو کر چلنے کی ضرورت ہے۔تیرگی ختم ہونے میں آتی ہے اور نہ مسافت۔نہر کی کٹی پھٹی پٹڑی، چلے جا رہی ہے، کہیں کہیں دھول بھی اڑنے لگتی ہے۔کہیں کہیں پانی چھڑکا ہوا ہے۔گرد نہیں اٹھتی۔کہیں کہیں سرکنڈا بچھا ہوا ہے اس لئے دھول سے بچ جاتے ہیں۔

میں جاگ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ یہ شخص جس کی کئی ہزار ایکڑ زمین ہے۔دنیا کی

ہر آسائش میسر ہے۔ یہ اتنے خطرے کیوں مول لے رہا ہے۔ یہ چاہے تو اقتدار چور دروازوں سے بھی حاصل کرسکتا ہے۔ الیکشن ہی جیتنا ہے تو چند بڑے بڑے شہروں میں جائے جلسے کرے۔ اس طرح دور دراز دیہات میں مارے مارے پھرنے سے کیا فائدہ۔ چھوٹی چھوٹی بستیوں اور دیہات میں ایسے کڑے راستوں سے کیوں پہنچتا ہے۔ دل میں کوئی نہ کوئی آگ تو سلگتی ہے۔ جو اسے یوں نہروں کی پٹڑیوں، سڑکوں، نہروں، قصبوں اور دیہات میں کھینچے لئے پھرتی ہے۔

کشمور آ گیا ہے۔ ہم ایک ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے ہیں۔ صبح کے پانچ بج رہے ہیں۔ ریسٹ ہاؤس اے کلاس ہوٹلوں سے کسی طور کم نہیں ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ آرام سے سوئیں گے۔ نیند بھی پوری ہوگی۔ سفر کی تھکن بھی دور ہو جائے گی۔ میں اور رانا ایک کمرے میں براجمان ہیں۔ سخت سردی ہے لحاف لے کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ صبح زور زور سے دروازہ پیٹا جا رہا ہے۔ ہڑبڑا کر اٹھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھٹو صاحب جاگ چکے ہیں اور تیار بھی ہو چکے ہیں۔ ابھی جلسے میں پہنچنا ہے، وقت دیکھتے ہیں۔ صرف ساڑھے سات بجے ہیں۔ کیا مصیبت ہے۔ سونا بھی نہیں ملتا۔ تیزی سے منہ ہاتھ دھو کر تیار ہوتے ہیں۔ جلسہ گاہ زیادہ دور نہیں ہے۔ گاڑی ہجوم میں گھر جاتی ہے۔ پھول برس رہے ہیں، پیسے نچھاور ہو رہے ہیں۔ لوگ ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ کبھی ایک ریلا آتا ہے، تو کچھ لوگ پھسل کر دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ دوسرے ریلے میں بہہ جاتے ہیں۔ کچھ نوجوان گاڑی کے آگے آگے دھمال ڈالتے جاتے ہیں۔ جلسہ گاہ میں پہنچ کر بھٹو صاحب کسی نہ کسی طرح سٹیج پر پہنچ جاتے ہیں۔ میں اس ہجوم میں گھسنے کی کوشش نہیں کرتا۔ آواز آ رہی ہے۔ اس لئے گاڑی کے قریب کھڑے ہو کر نوٹ کرتا رہتا ہوں۔ یہاں طلبہ کا زور ہے۔ کسانوں مزدوروں کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ دور دور تک ہجوم پھیلا ہوا ہے۔ صبح کی دھوپ کے ساتھ ساتھ، جلسہ گاہ کے ساتھ ساتھ کچے مکانوں کی چھتوں پر بھی لوگ بیٹھے ہیں۔

www.bhutto.org

"کشمور کے ہاریو، مظلوم انسانو!

اب تمہارا دور آنے والا ہے، ہماری پارٹی آپ کی پارٹی ہے، کسانوں کی پارٹی ہے، مزدوروں کی پارٹی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کا علاقہ انتہائی پس ماندہ ہے۔ آپ کے مسائل بے انتہا ہیں۔ آپ کے بچے تعلیم کو ترستے ہیں۔ آپ کے نوجوان بیروزگار ہیں۔ ہم آگے بڑھ رہے ہیں تو صرف اس لئے کہ آپ کی اور آپ کی آئندہ نسلوں کی تکلیفیں دور ہوسکیں..... 24 سال تک آپ پر بہت ظلم ہوئے ہیں۔ غریب ہاریو۔ تمہیں وڈیروں نے بہت لوٹا ہے۔ تمہارا گوشت تک اتار لیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہر قربانی دوں گا۔ انتخابات میں ہم حصہ ضرور لے رہے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ان سے کوئی مسئلہ حل نہ ہوگا۔ مسائل کا حل صرف انقلاب سے ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم اس لئے اس محاذ پر لڑ رہے ہیں کہ دوسری سیاسی جماعتیں یہ نہ کہیں کہ ہم نے ان کا مقابلہ نہیں کیا اور ہم تشدد کا راستہ اختیار کر رہے ہیں....."

تقریر جاری ہے۔ میں سندھ کے اس دور دراز ریگستانی علاقے میں سبز ڈوج کے ساتھ کھڑا۔ دھوپ کی جھیل میں مظلوم ہاریوں کے تیرتے ہوئے چہرے دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں ذوالفقار علی بھٹو پر جمی ہیں۔ پیشانیوں پر ایک عزم ہے۔ چہروں پر سوچ کے نقش ہویدا ہیں۔ یہ ہاری سینکڑوں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ایک نئے دور کی امید لئے لمحوں کی پُل صراط پر سفر کر رہے ہیں۔ وقت گزر رہا ہے لیکن تیزی سے نہیں، چیونٹی کی چال سے آج وہ منزل کی تلاش میں ایک نئی آواز کے ساتھ نکلے ہیں۔ وہ اس طرح نہ جانے کتنے رہبروں کے ساتھ تھوڑی تھوڑی دور چل چکے ہیں۔ صدیوں سے ان کا یہ سفر جاری ہے۔ اب کے بھی وہ کچھ نئی امیدیں اور نئی امنگیں لے کر چلے ہیں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

نعرے بلند ہونے لگے ہیں۔ تقریر ختم ہوگئی ہے۔ میں گاڑی میں بیٹھ جاتا ہوں۔ الطاف رانا بھی آگئے ہیں۔ بھٹو صاحب بھیڑ میں سے ہوتے، دھکے کھاتے گاڑی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہجوم کی ریل پیل میں گاڑی پھسلتی ہوئی نکل رہی ہے۔ مصافحوں کا تانتا بندھا ہے۔ پھول برس رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ سے باہر نکل کر ہم اپنی نئی منزل کی طرف چل

پڑتے ہیں۔ ڈیرہ غازی خان سے شوکت مزاری آئے ہوئے ہیں۔ وہ قومی اسمبلی کے امیدوار ہیں۔ وہ بھٹو صاحب کو ڈیرہ غازی خان لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ میں پریشان ہوں کہ اتنی دور کیسے جائیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واپس بھی آج ہی آنا ہے۔ ہم پنجاب کے راستے پر ہیں۔ ہمارا ڈرائیور کراچی کا ہے، اسے راستہ معلوم نہیں ہے۔ وہ ایک موڑ سے آگے نکل جاتا ہے تو شوکت مزاری اسے روکتے ہیں۔ وہ ہینڈ بریک لگا کر گاڑی ایک دم روکتا ہے۔ پیچھے سے تیزی سے آنے والی گاڑی ایک طرف کٹ مار کر بریک لگا دیتی ہے مگر تیسری گاڑی بریک لگانے کی بجائے ہماری گاڑی سے ٹکر کھاتی ہے۔ بھٹو صاحب اچھل کر ڈرائیور پر جا پڑتے ہیں۔ ڈرائیور کی ٹوپی ہمارے گھٹنوں پر گرتی ہے۔ ہم اگلی سیٹ سے ٹکراتے ہیں۔ سب کچھ چشمِ زدن میں ہو جاتا ہے۔ ہینڈ بریک نہ لگی ہوتی تو گاڑی بہت دور جاتی۔ باہر نکل کر دیکھتے ہیں۔ ہماری گاڑی کی ڈکی پچک گئی ہے۔ پیچھے کی بتیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ اب بھٹو صاحب اور ہم عاشق مزاری کی گاڑی میں بیٹھ جاتے ہیں، اور پھر مڑ کر اپنے راستے پر ہو لیتے ہیں۔ خیریت ہوگئی ورنہ یہ حادثہ پاکستان کی تاریخ بھی بدل سکتا تھا، پچھلے ڈرائیور کی تیز رفتاری ہماری تاریخ کو نہ جانے کہاں لے جاتی۔ اب پھر ہم نہر کی پٹڑی پر چل رہے ہیں۔ یہ پٹڑی ہمیں سندھ سے پنجاب میں لے جائے گی۔ پٹڑی پر کسی نے درخت کاٹ کر گرا دیا ہے۔ یہ کسی مخالف پارٹی کی کرتوت ہے۔ ہم سب باہر نکل کر اس درخت کو راستے سے ہٹاتے ہیں۔ جانے اور کتنی رکاوٹیں راہ میں آتی ہیں۔ سڑک ٹوٹ چکی ہے۔ ریلوے لائن نہیں رہی ہے۔ اس کے نزدیک سے ریگستان میں سے اپنا راستہ بناتے ہوئے ہم ڈیرہ غازی خان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ دور دور تک ریت پھیلی ہے۔ تاحدِ نظر کوئی آبادی ہے نہ کوئی سبزہ۔ نہ کوئی درخت۔ یہ ریلوے لائن ابھی استعمال میں نہیں ہے۔ ریت ہے۔ دھوپ ہے۔ دھول ہے۔ سب نے سیاہ چشمے پہن رکھے ہیں۔ دھوپ اور دھول سے بچنے کے لئے، لیکن بھٹو صاحب نے کوئی چشمہ نہیں لگایا ہے۔ وہ اس طرح دھوپ اور دھول پھانک رہے ہیں۔ تقریباً 30 میل کے

بعد ڈیرہ غازی خان کے شیر دل بلوچوں سے بھرے دو ٹرک، پیپلز پارٹی کا پرچم لئے سامنے آتے ہیں۔ بڑی بڑی پگڑیاں گھیر دار شلواریں۔ پر ہیبت چہرے۔ ہر ہاتھ میں بندوق۔ اب ان کا علاقہ شروع ہو گیا ہے۔ ہم ان کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ پیچھے دو ٹرک ہیں۔ پانچ میل اور آگے چلتے ہیں تو کچھ سبزہ دکھائی دیتا ہے۔ انسان کی محنت کا نتیجہ۔ ہم ضلع ڈیرہ غازی خان میں داخل ہو گئے ہیں۔ ہمیں روجھان پہنچنا ہے۔ روجھان میں داخل ہونے لگتے ہیں تو کچھ حضرات گیندے کے پھول لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ زرد پھول اس علاقے کی خاص چیز ہیں۔ ہماری گاڑی زرد پھولوں سے لد گئی ہے۔ اور غیور بلوچ اپنی روایات کے مطابق گولے چھوڑ کر ہمارا استقبال کر رہے ہیں۔ ہم ایک نہایت قدیم طرز کی حویلی میں جا کر رکتے ہیں۔ بھٹو صاحب ہاتھ منہ دھو کر اسٹیج گاہ میں آجاتے ہیں۔ دور دور سے آئے ہوئے بلوچوں سے وہ مخاطب ہو جاتے ہیں۔

''آج میں نہایت مختصر سے وقت کے لئے آیا ہوں۔ مجھے آج ہی جیکب آباد پہنچنا ہے۔ پنجاب میں ہماری پارٹی نے بہت کام کیا ہے۔ آپ کے علاقے میں بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ایک غیور قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ہم اپنے وسائل کو استعمال کریں اور اپنی طاقت سے کام لیں تو ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی خوشحالی آسکتی ہے۔ پیپلز پارٹی یعنی آپ کی پارٹی یہی پروگرام لے کر آئی ہے۔ اس کی طاقت آپ میں۔ آپ نے مدد کی تو ہم یقیناً کامیاب ہو جائیں گے اور اپنے منشور پر عمل درآمد کریں گے۔''

آخر میں وہ اپنے امیدوار کا تعارف کرواتے ہیں، اس کے لئے ووٹوں کا وعدہ لے کر وہ واپس اسی پرانی حویلی میں آجاتے ہیں۔ وہاں کے لیڈروں سے بات چیت کرنے کے بعد باہر نکل کر بھٹو صاحب مجھے اشارہ کرتے ہیں کہ گاڑی میں بیٹھو اور چلیں۔ ''پھر وہی ریگستان درپیش ہے۔ ہم اسی ریت پر سے گزرتے ہوئے سندھ میں واپس جا رہے ہیں۔ راستے میں پاکستان کے مستقبل پر بات چیت ہو رہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ الیکشن کے بعد

www.bhutto.org

اگر ہم جیت جائیں تو توقعات کے سیلاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔اس لئے الیکشن کے فوری بعد کوئی ایسی حکمتِ عملی بنانا ہوگی کہ لوگوں کے یہ ذہن نشین کروایا جائے کہ یہ سب مسائل آہستہ آہستہ حل ہوں گے۔بھٹو صاحب کہتے ہیں کہ ہاں میرا بھی یہ خیال ہے۔الیکشن کے بعد ہم کمیٹیاں بنائیں گے اور مسائل پر رپورٹیں مرتب کریں گے۔میں پوچھتا ہوں کہ مرکز میں تو پیپلز پارٹی حکومت نہیں بنا سکے گی کیونکہ مشرقی پاکستان سے تو پیپلز پارٹی کا کوئی امیدوار بھی انتخابات میں حصہ نہیں لے رہا ہے۔سندھ پنجاب سے ہی اکثریت کی امید ہے۔صوبائی اور مرکزی اختیارات کی کش مکش میں پیپلز پارٹی اپنے منشو پر کیسے عمل درآمد کر سکے گی۔بھٹو صاحب نے کہا کہ ہم سندھ اور پنجاب کو مثالی صوبے بنائیں گے۔لیکن میرا خیال ہے کہ اگلے سال اکتوبر تک (اکتوبر 1971ء) پیپلز پارٹی مرکز میں حکومت بنالے گی۔'' میں اسے ایک خوش فہمی سمجھ کر بات کا رخ بدل رہا ہوں۔

پھر ہم یوں ہی باتیں کرتے سندھ میں داخل ہو جاتے ہیں۔یہاں تک ہمیں پہنچا کر پنجاب کے لوگ واپس چلے جاتے ہیں۔ہم پنجاب کی گرد اپنے چہروں پر لئے سندھ میں داخل ہو رہے ہیں۔اب ہمیں کندھ کوٹ پہنچنا ہے۔یہ جیکب آباد ضلع میں ہے۔یہاں سے دریا خان کھوسو امیدوار ہیں۔جلسہ گاہ میں بے پناہ رش ہے۔یہ لوگ دوپہر 12 بجے سے بھٹو صاحب کا انتظار کر رہے ہیں۔بالآخر بھٹو صاحب ساڑھے پانچ بجے کے قریب یہاں پہنچ گئے ہیں۔یہاں وہ تقریر انتہائی مختصر کرتے ہیں اور عوام سے معذرت کرتے ہیں کہ انہیں ڈیرہ غازی خان جانا تھا اس لئے دیر ہوگئی۔اب نماز کا بھی وقت ہے۔اذان ہو رہی ہے۔پھر مجھے جیکب آباد پہنچنا ہے۔وہاں ایک بڑا جلسہ ہے،اس لئے معذرت چاہتا ہوں۔بھٹو صاحب کی گاڑی پیچھے رہ گئی ہے۔کھوسو صاحب کی گاڑی پٹرول لینے گئی ہے۔جلسہ ختم ہو گیا ہے۔ہجوم بھٹو صاحب پر ٹوٹ پڑا ہے۔کھوسو صاحب اور دوسرے لوگ انہیں اپنے جلو میں لے کر جلسہ گاہ سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔مگر وہ لوگوں میں گھر گئے ہیں۔بڑی مشکل سے ایک جیپ وہاں قریب پہنچتی ہے۔بھٹو صاحب کو اس میں بٹھا کر ہجوم سے

نکالا جاتا ہے۔ پھر سرِ شب ہم جیکب آباد میں پہنچتے ہیں۔ جیکب آباد میں دریا خان کھوسو کے ہاں کھانا ہے۔ پھر کمیٹی باغ میں جلسہ ہے۔ بہت بڑا ہجوم ہے۔

آواز آرہی ہے۔

''یہ وڈیرے جاگیردار سب آدم خور ہیں۔ آپ کا خون چوس گئے ہیں۔ 24 سال تک ان لوگوں نے آپ کا استحصال کیا ہے۔ اب یہ دور ختم ہورہا ہے۔ آپ نے ہندوؤں، انگریزوں، سکھوں، جرنیلوں کا راج دیکھا ہے۔ اب عوامی راج آرہا ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ سوشلزم کو اسلام کے خلاف بنانے والے پرانے نظام کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اسلامی سوشلزم لاکر رہیں گے۔

میری پارٹی کے وڈیروں کو بھی اپنی زمینیں چھوڑنا پڑیں گی۔ کسی سے رعایت نہ ہوگی۔ سب سے انصاف کیا جائے گا۔''

تقریر جاری ہے۔ میں اور الطاف رانا کھوسو صاحب کی گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں۔ جو ہمیں لاڑکانہ چھوڑنے جائے گی۔ رات کے بارہ بجے کے قریب ہم سفر شروع کرتے ہیں۔ ہمارا یہ دورہ ختم ہو چکا ہے۔ ایک سفر ختم ہوگیا ہے۔ رات پھیل رہی ہے۔ چاروں طرف تاریکی ہے۔ ایک ہماری گاڑی کے اندر روشنی ہے۔ بھٹو صاحب اس وقت گاڑی کے ریڈیو میں بی بی سی کا اسٹیشن ڈھونڈتے ہیں۔ وہاں سے عالمی خبروں پر تبصرہ ہورہا ہے۔ بھٹو صاحب کبھی عالمی امور سیاست کے ماہر تھے اور انہیں ہر وقت ان کی خبر رہتی تھی۔ اب وہ اُن سے کٹ چکے ہیں۔ آج کل میرے خیال میں عالمی صورتِ حال سے آگاہی کا یہی ایک وسیلہ ہے۔ ہم رات گئے لاڑکانہ میں جا پہنچے ہیں۔ المرتضیٰ کا گیٹ کھلتا ہے، اور پھر ہم نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ ایک روز چھوڑ کر عید کا دن ہے۔ ہمارا پروگرام ہے کہ اگلے روز کسی ٹرین۔ لاری یا جہاز سے کراچی چلے جائیں گے۔ مگر اگلے روز معلوم ہوتا ہے کہ آج ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ نہ جہاز جائے گا نہ لاری۔ مجبوراً وہیں رکنا پڑتا ہے۔

بھٹو صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح کراچی پر ''مساوات'' کا ضمیمہ نکلا تھا۔ اسی طرح

سندھ پر بھی ایک خصوصی ضمیمہ شائع کیا جائے۔ جس میں سندھ کے قومی اور صوبائی اسمبلی کے تمام امیدواروں کی تصاویر ہوں اور سندھ کے بارے میں مضامین ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں کراچی جا کر سیدھا لاہور چلا جاؤں اور یہ ضمیمہ نکلواؤں۔

عید کے لئے ہم بھٹو صاحب کے ساتھ ان کے آبائی گاؤں نوڈیرہ جاتے ہیں۔ وہاں نمازِ عید ادا کرنے کے بعد ہم گڑھی بھٹو جاتے ہیں۔ یہ بھٹو صاحب کا پیدائشی گاؤں ہے۔ یہاں ان کے والدین ابدی نیند سو رہے ہیں۔ عید بھٹو صاحب ہمیشہ یہیں گزارتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں۔ ہم ساتھ گئے ہیں۔ مرتضیٰ اور شاہنواز بھی ساتھ ہیں۔ یہاں فاتحہ پڑھ کر بھٹو صاحب گاؤں کے لوگوں سے ملتے ہیں۔ اور پھر نوڈیرو کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ جہاں ان سے ملنے کے لئے لاڑکانہ اور سندھ کے دوسرے حصوں سے لوگ آ رہے ہیں۔ عید ملی جا رہی ہے۔ چائے چل رہی ہے۔ ہم کھانا وغیرہ کھا کر پیپلز پارٹی کے ایک کارکن کے ہمراہ جیپ میں سکھر کے لئے روانہ ہوتے ہیں تا کہ وہاں سے کراچی کے لئے ٹرین پکڑ سکیں۔

عوام جیت گئے

ہم جب لاڑکانہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ بھٹو صاحب کی طبیعت علیل ہے۔اور ڈاکٹر نے انہیں آرام کرنے کی ہدایت کی ہے۔زیادہ دیر تک کام نے بہر حال اعصاب پر اثر انداز تو ہونا تھا۔ہم راستے میں بھی بھٹو صاحب کی اس محنت اور لگن کا ذکر کرتے آرہے تھے۔خیبر میل سے میں، جے اے رحیم، عبدالحفیظ پیرزادہ، سوداگر درویش اور الطاف رانا (بائیں بازو کے اخبارات کے فوٹو گرافر) جب سکھر پہنچے تو وہاں عبدالحلیم پیرزادہ صاحب سے بات چیت ہوئی۔وہ یہاں سے صوبائی اسمبلی کے امیدوار ہیں۔رات کو تھوڑی دیر کے لئے بھٹو صاحب سے بات ہوئی۔وہ بسترِ علالت پر تھے۔انہوں نے معذرت کی کہ میں اخباری نمائندوں سے علالت کے باعث نہیں مل سکا۔چند ایک باتیں پریس کو دینا ضروری ہیں۔اب بہت سے لوگ پیپلز پارٹی میں شمولیت کا اعلان کررہے ہیں۔اخبارات میں خبریں چھپوا رہے ہیں، میں اسے پسند نہیں کرتا۔ہماری پارٹی کے کچھ اصول ہیں۔ضوابط ہیں۔ان کی پابندی ضروری ہے اور یہ رکنیت سازی یا شمولیت متعلقہ تنظیموں کے ذریعے ہونی چاہئے اور بہت سی باتیں تھیں جو اگلے روز اخبارات میں بھی آگئیں۔اس کے بعد صبح کو بھٹو صاحب کی طبیعت بحال ہوئی تو انہوں نے خیر پور کا عزم کیا اور چلنے سے پہلے چند اخباری نمائندوں سے ملاقات ہوئی۔

پی پی آئی کی انکوائری۔بھٹو صاحب نے سب سے پہلے اس بات پر زور دیا کہ پی پی آئی جس نے جھوٹی خبریں فراہم کرنے میں ریکارڈ قائم کیا ہے۔اس کے معاملات کی تحقیقات

کی جائے گی۔ خاص طور پر لاڑکانہ کا پی پی آئی کا رپورٹر بہت بے بنیاد خبریں بھجواتا رہا۔ جن کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اسی طرح پی پی آئی لاہور کے بشیر قریشی نے ہمیشہ صحافتی بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے سلسلے میں تحقیقات کی جائے گی۔ اور پی پی آئی کے عوام دشمن کردار کی میں سخت مذمت کرتا ہوں۔ پی پی آئی نے ہی یہ خبر نشر کر کے بددلی پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ میں لاڑکانہ کی سیٹ چھوڑ رہا ہوں۔ میں نے ابھی ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ ان رجعت پسند طاقتوں نے شکست کے بعد بھی اپنی عادت نہیں چھوڑی ہے۔ بھٹو صاحب کو خیر پور چلنا تھا۔ میں نے راستہ میں انٹرویو لینے کی بات کی۔

خصوصی انٹرویو : ہم لاڑکانہ سے روانہ ہوئے تو بیرسٹر کمال اظفر صاحب کی گاڑی کو امان اللہ لئے موجود تھا۔ بھٹو صاحب اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ پیچھے میں، کمال اظفر اور سردار پیر بخش بھٹو بیٹھے تھے۔ لاڑکانہ سے نکلتے ہی ہم نے انٹرویو شروع کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ اس وقت لوگوں کے ذہن میں سب سے زیادہ ضروری سوال یہ ہے کہ آپ حکومت بنائیں گے یا اپوزیشن میں بیٹھنا پسند کریں گے۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''مجھے اس بات کا احساس ہے کہ عوام کی اکثریت کے ذہنوں میں یہ سوال گونج رہا ہے اور میں عنقریب اس اہم موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ لیکن یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ قومی مفاد کے تحت میرے لئے ضروری ہے کہ جب تک پوری طرح صورتِ حال کا جائزہ نہ لے لیا جائے۔ اس وقت تک اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی جائے۔ ابھی ہمیں کچھ وقت کی ضرورت ہے۔ صوبائی اسمبلی کے الیکشن ابھی ہونے ہیں۔ ان دونوں انتخابات کے نتائج کی روشنی میں ہمیں مسائل کا جائزہ لینا ہے۔ پہلے ہماری ساری توجہ وقتی طور پر قومی اسمبلی کے انتخابات پر مرکوز ہو گئی تھی۔ اب صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ضمنی انتخاب کا مسئلہ ہوگا۔ انتخابات کا مرحلہ ختم ہو جائے تو پھر ہمیں وقت ملے گا۔''

پارٹی کے کارکنوں اور لیڈروں کی کانفرنس: ''میں پارٹی کا ایک لیڈر ہوں اور اپنے

ورکروں اور رہنماؤں کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔اس لئے میں تمام انتخابات ختم ہوجانے پر پارٹی کے کارکنوں اور لیڈروں کی ایک کانفرنس طلب کروں گا۔ان سے سارے مسائل پر مشورہ کروں گا۔اس مشورے کی روشنی میں دوسرے لیڈروں سے ملاقات کروں گا۔اس میں شیخ مجیب الرحمٰن بھی شامل ہیں۔اس طرح ابتدائی مسائل پر بات ہوجائے گی۔تب میں اس حیثیت میں ہوں گا کہ اس نازک مسئلے پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکوں گا۔"

"جیے بھٹو، سدا جیے۔"

گاڑی رائس کینال کی پٹڑی سے گزر رہی تھی۔ہاری اپنے چہروں پر صدیوں کے ظلم کی کہانیاں لئے ہوئے تھے۔انہوں نے ہاتھ ہلا کر یہ دعا کی۔بھٹو صاحب نے بات کرتے کرتے ہاتھ ہلا کر جواب دیا اور اُدھر کہنے لگے۔"ہمیں عوام کے دکھوں کا پوری طرح احساس ہے اور ہمیں اپنے ہر عہد کو نبھانا ہے۔" گاڑی بہت تیز چل رہی تھی۔لفظ بہت ٹیڑھے نقش ہورہے تھے۔پھر میں نے دوسرا سوال کیا۔"آئین بنانے میں کیا مجیب صاحب کو آپ کا تعاون درکار ہوگا۔لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مجیب صاحب اتنی اکثریت کے ساتھ آئے ہیں کہ وہ اپنی مرضی کا آئین مسلط کرسکتے ہیں۔"

<u>تمام علاقوں کے حقوق کا ضامن آئین:</u> بھٹو صاحب جواب میں کہنے لگے۔"میں عوام سے یہی درخواست کروں گا کہ انہیں گھبرانے، پریشان ہونے اور خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔انہیں مستقبل کے بارے میں تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔کیونکہ ماضی کی طرح ہم اب بھی ان کے ساتھ ہیں مجھے لوگوں کے ذہنوں میں موجودہ خیالات اور اندیشوں کا پوری طرح احساس ہے۔پہلے ہم نے بالکل بے سروسامانی کی حالت میں عوام کے لئے جدوجہد کی ہے، اور اب تو ہمارے پاس عوام کے اعتماد کا ووٹ ہے۔اب ہم زیادہ اعتماد اور قوت کے ساتھ قومی مفاد کے لئے اپنی جدوجہد کریں گے۔میں یہ واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ پیپلز پارٹی کے نمائندے کسی ایسے آئین کو ملک پر مسلط نہیں کریں گے۔جو

تمام علاقوں اور تمام عوام کے حقوق کا محافظ نہیں ہوگا۔ ہم انتخابات سے پہلے بھی یہی کہتے رہے کہ پیپلز پارٹی کی منظوری کے بغیر کوئی آئین نافذ نہیں کیا جا سکے گا۔ اب ہم زیادہ اعتماد کے ساتھ یہی بات دہرا سکتے ہیں۔ کیونکہ اب ہمارے پاس عوامی اعتماد کا قانونی سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے۔"

آئینی خاکہ: اب ہم نوڈیرو کے موڑ سے گزر رہے تھے۔ جس کے ایک طرف بھٹو صاحب کا آبائی گاؤں ہے۔ جہاں انہوں نے نماز عید پڑھی اور ووٹ ڈالا۔ اور دوسری طرف بھٹو صاحب کا پیدائشی گاؤں ہے۔ جہاں ان کے والدین کی آخری آرام گاہیں موجود ہیں، نہر کے دوسری طرف سے "جئے بھٹو" کی صدا آ رہی ہے۔ اور میں پوچھ رہا ہوں کہ "کیا پیپلز پارٹی نے پہلے سے کوئی ایسا آئینی خاکہ بنا رکھا ہے، جسے اسمبلی میں پیش کیا جائے گا؟" بھٹو صاحب جواب دے رہے ہیں کہ "نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ البتہ ہماری پارٹی کے سیکرٹری جنرل جے اے رحیم صاحب نے ایک خاکہ تیار کیا تھا۔ اسے ہم اگرچہ پارٹی ڈاکومنٹ نہیں کہہ سکتے، لیکن وہ ہمارے سیکرٹری جنرل کے خیالات ہیں۔ اس لئے بہت اہم ہیں۔ اسے میں سوچنے کے لئے مواد کہہ سکتا ہوں۔ اس کی بنیاد ہماری پارٹی کے بنیادی نظریات پر ہے۔ اور میں پھر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے آج سے تین سال پیشتر جو پارٹی منشور دیا تھا، وہ ہمارے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارا ہر قدم اس کی روشنی میں اٹھے گا۔ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے اب تک عوام سے جتنے وعدے بھی کئے ہیں۔ ہم انہیں یقیناً پورے کر کے دکھائیں گے۔ اور جب ہم نے پارٹی کے منشور کو عملی جامہ پہنا دیا۔ وہی ہماری مکمل فتح ہوگی۔ عوام نے ہم پر جو اعتماد ظاہر کیا ہے، وہ اس بات کی علامت ہے کہ عوام نے ہماری پالیسیوں سے اتفاق ظاہر کیا ہے اور ہمیں بھاری اکثریت میں کامیاب کر کے ہم پر ذمہ داری ڈال دی ہے کہ ہم اپنی پالیسیوں کو عملی شکل دیں۔"

دوایوانی مقننہ: پھر بات چل پڑی اسمبلی میں نمائندگی کی۔ مجیب صاحب جس بھاری

اکثریت کے ساتھ قومی اسمبلی میں آرہے ہیں، اس سے مغربی پاکستان کے صوبوں کے حقوق پر زد نہ پڑے۔ یہ میرا خدشہ تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے میں نے پوچھا کہ "آپ دو ایوانی مقننہ کو ترجیح دیں گے یا ایک ایوانی کو۔"

اس پر پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے جواب دیا۔

"اگر وفاقی دستور چاہتے ہیں تو دو ایوانی مقننہ کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کوئی وفاقی دستور بھی اس کے بغیر نہیں چل سکا ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں بعض علاقوں کے حقوق پر زد پڑے گی۔ اور ہم اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ کسی بھی علاقے کے عوام کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ میں اس بات کی ذمہ داری قبول کر چکا ہوں اور اب بھی اس بات کو پوری ذمہ داری سے نبھاؤں گا کہ وفاقی دستور کے لئے دو ایوانی مقننہ قائم ہو۔" بیرسٹر کمال اظفر نے لقمہ دیا۔ "تمام علاقوں کی نمائندگی اور خود مختاری کے لئے بھی دو ایوان ہونا ضروری ہیں۔ تاکہ آبادی کی بنیاد پر بھی نیابت ہو سکے اور یونٹوں کی بنیاد پر بھی۔" بھٹو صاحب نے اس پر صاد کیا۔

پریس ٹرسٹ: صحافیوں کے حقوق کی بات چل نکلی۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک خصوصی تحریری بیان بھی مجھے دیا۔

انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ "پریس ٹرسٹ کو بہر حال توڑ دیا جائے گا۔ ہم نے اس سلسلے میں جو وعدہ کیا تھا۔ اس پر ہم قائم ہیں۔ پریس ٹرسٹ نے عوامی امنگوں کے خلاف دائیں بازو کی جماعتوں کا پروپیگنڈہ کیا۔ عوام نے اس کے خلاف فیصلہ دے دیا ہے۔ اب ہماری ذمہ داری اور بھی نازک اور فوری ہوگئی ہے۔

مقبوضہ اخبارات: اس ضمن میں بعض ایسے اخبارات کا ذکر چلا جنہوں نے صحافیوں کو حق گوئی کی پاداش میں نکال دیا تھا۔ اب تک پیپلز پارٹی کے خلاف خبریں اور مواد چھاپتے رہے۔ اب انہوں نے اچانک پیپلز پارٹی کی خبریں چھاپنا شروع کر دی ہیں۔ ان میں اردو کے ایک کثیر الاشاعت اخبار کا بھی ذکر تھا۔ اس پر بھٹو صاحب نے کہا۔ "وقت کے ساتھ پالیسی بدلنے والے یہ اخبارات نا قابل اعتبار ہیں۔ ہم صرف ان ہی اخبارات اور اخبار

نویسوں کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ جنہوں نے اصولی طور پر عوام دوست طاقتوں کی حمایت کی۔"

سیاسی قیدیوں کی فوری رہائی: بھٹو صاحب نے سیاسی قیدیوں کے بارے میں نہایت پرزور الفاظ میں کہا کہ "ان کی رہائی اس وقت سب سے زیادہ اہمیت کا مسئلہ ہے۔ دوسری سیاسی پارٹیاں ہمیشہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کرتی رہی ہیں۔ لیکن اب ان کی طرف سے ایسا کوئی مطالبہ سامنے نہیں آرہا۔ معلوم نہیں اب انہیں کیا ہوگیا ہے۔ اب صرف ہم مطالبہ کررہے ہیں اور میں اس سلسلے میں نہایت وضاحت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ میں اپنے کارکنوں، ساتھیوں اور دوستوں کی رہائی کا زیادہ دیر انتظار نہیں کرسکوں گا۔ جب تک میرے ساتھی رہا نہیں ہوجاتے۔ ممکن ہے کہ باقی معاملات کی تکمیل میرے لئے مشکل ہو۔ ان میں سے اکثر کو محض اس لئے جیل میں ڈال دیا گیا ہے کہ وہ پاکستان پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ میرے ذہن میں سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ سب سے زیادہ مقدم ہے۔ میں حکومت کو خبردار کردینا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے تمام قیدیوں کو فوراً رہا کردے۔ اس الیکشن میں ان پر عوام نے بھی اپنے اعتماد کا اظہار کردیا ہے اور یہ کچھ عجیب سی بات لگتی ہے کہ عوامی امنگوں کے ترجمان افراد عوام کے اس فیصلے کے بعد بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہیں۔ میرے لئے سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ فوری اہمیت رکھتا ہے۔"

اقتصادی مسائل: (صحافی، اساتذہ، مزدور۔ کسان، میں نے اس کے بعد اقتصادی امور اور بعض طبقوں کی پریشانیوں کا ذکر کیا۔ اس کے جواب میں بھٹو صاحب نے کہا۔ "ہمارا موقف پہلے روز کی طرح اب بھی واضح ہے۔ پارٹی کے منشور سے ہم بالکل انحراف نہیں کریں گے۔ یہ آئین سازی کے بعد طے ہوگا۔ ہم مرکزی حکومت میں شامل ہوتے ہیں کہ نہیں۔ شامل ہوتے ہیں تو اس میں ہماری پارٹی کو کیا اختیارات ملتے ہیں۔ اور کس طرح عوامی خدمت کا موقع دیا جاتا ہے۔" میں نے کہا "سندھ اور پنجاب میں تو یقین کی حد تک پیپلز پارٹی کی حکومت کا امکان ہے۔"

www.bhutto.org

انہوں نے کہا کہ "یہ ٹھیک ہے۔اس کے بعد بھی مسئلہ یہ ہوگا کہ مرکز کی طرف سے صوبائی حکومتوں کے اختیارات میں کس حد تک مداخلت ہوتی ہے۔ماضی میں مرکز نے صوبائی حکومتوں کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کا پوری طرح موقع نہیں دیا۔ہماری کوشش یہ ہے کہ تمام علاقوں اور تمام عوام کے مسائل بتدریج اور یکساں طور پر حل ہوں۔ جس حد تک ہماری پارٹی کو اختیارات ملیں گے۔ہم ان کی روشنی میں عوام کے دکھ درد دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ہمارا ایک پروگرام ہے مکمل اور جامع،لوگوں کو اس پروگرام کا پوری طرح علم بھی ہے۔جس میں کسانوں،مزدوروں،طالب علموں اور دوسرے تمام طبقات کے مسائل کے حل کے عزائم ظاہر کئے گئے ہیں۔ہمیں اپنے عہد کی تکمیل کرنی ہے اور اگر ہم ان وعدوں کو عملی جامہ پہنا سکے،تبھی ہماری فتح ہوگی۔مجھے پورے مغربی پاکستان میں گھومنے کا موقع ملا ہے۔سب سے بڑا مسئلہ غربت اور ناداری ہے۔جاگیردار،سرمایہ دار اور وڈیرے جنہیں میں آدم خور کہتا ہوں انہوں نے غریبوں کی زندگی موت سے بدتر کردی ہے۔ہمیں پہلے غربت کو بتدریج دور کرنا ہے۔اس کا سب سے اہم پہلو بیروزگاری ہے۔ہمیں ایسی منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔جس سے کم سے کم وقت میں تمام لوگوں کو روزگار کی ضمانت دے سکیں۔عام لوگوں،صحافیوں،مزدوروں اور ٹیچروں،سب کی معاشی مشکلات دور کی جائیں صحافیوں کے لئے دوسرے اُجرت بورڈ کے نفاذ کے بارے میں،میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔اساتذہ کے بہتر حالات کے لئے ہم ٹھوس قدم اٹھائیں گے۔ان کی تنخواہوں میں معقول اضافہ پہلا مرحلہ ہوگا۔یونیورسٹی میں اساتذہ اور طلبہ کو پوری فکری آزادی ہوگی۔"

مزدوروں کے حقوق کی بحالی،ہماری ذمہ داری ہے۔مزدوروں کو ان کے کارخانوں میں بہتر حالات اور انتظامیہ میں مؤثر نمائندگی پہلا مرحلہ ہوگا۔مزدوروں کی اقتصادی خوشحالی ہمارے اقتصادی تبدیلیوں کے جنرل پروگرام کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔"

پیپلز پارٹی کی تنظیم کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں پارٹی کے چیئرمین نے

کہا کہ "میں اس بات کی پوری طرح وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ پارٹی کا تنظیمی ڈھانچہ اور سرکاری عہدے بالکل الگ الگ رکھے جائیں گے۔ سرکاری عہدوں پر فائز ہونے والے افراد کو پارٹی کے عہدوں پر کوئی اختیار نہ ہوگا۔ 3 سال میں جس تیز رفتاری سے پارٹی پھیلی اور ہمیں جن مسائل اور حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس میں پارٹی کی مؤثر تنظیم کا موقع نہیں مل سکا۔ اب ہم پارٹی کی تنظیم کی طرف مکمل توجہ دیں گے۔ فرصت ملنے کے بعد میں مشرقی پاکستان بھی جاؤں گا اور وہاں جا کر مختلف سیاسی کارکنوں، دانش وروں اور دوسرے لوگوں سے ملوں گا۔ حالات کا جائزہ لوں گا۔ اور پھر پارٹی کی تنظیم قائم کی جائے گی۔ ملکی سالمیت کے لئے میں مشرقی پاکستان میں بھی پارٹی کی تنظیم کو ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے لئے مجھے بہت سے پیغامات بھی ملے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی خاص دقت نہیں ہوگی۔"

گاڑی رائس کینال کی پٹڑی طے کر کے روہڑی پہنچ کر پختہ سڑک پر چڑھنے والی تھی۔ نعروں کے شور نے ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ ایک ہجوم استقبال کے لئے جمع تھا۔ بھٹو صاحب کو خیر پور جانا تھا اور مجھے یہاں سے کراچی کے لئے گاڑی پکڑنا تھی۔ میں نے سیٹ خالی کی اور سکھر سے قومی اسمبلی کے منتخب امیدوار علی حسن منگی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

ایک ایک عہد پورا ہوگا

یہ روہڑی ہے رات کے سوا گیارہ بجے ہیں۔ تیز گام انتظار میں ہے۔ ریلوے پُل پر سے لوگوں کا ہجوم گاڑی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آوازیں آرہی ہیں۔ ''جئے بھٹو۔ سدا جئے۔'' سکھر کے عبدالحلیم پیرزادہ رؤف جوہر اور دوسرے ساتھی بھٹو صاحب کو لئے آرہے ہیں۔ اسٹیشن پر میر رسول بخش تالپور، میر اعجاز علی تالپور۔ میر محبوب علی مگسی۔ مخدوم طالب المولیٰ۔ بیرسٹر کمال اظفر استقبال کے لئے موجود ہیں۔ حیدرآباد سے سوار ہونے والے بعض ہم سفر سو بھی رہے ہیں۔ اس لئے وہ اس سردی میں پلیٹ فارم پر نہیں آسکے۔ ''کاروان مساوات'' آگے بڑھ رہا ہے۔ منزل پنجاب ہے۔ سندھ والے پنجاب جارہے ہیں۔ پنجاب کا شکریہ ادا کرنے۔ جس نے ''تلوار'' کو بلند کردیا ہے۔ میر رسول بخش تالپور، سردار نور محمد لُنڈ، میر محبوب علی مگسی، عبداللطیف بیٹھے ہوئے سندھ کی سیاست پر باتیں کررہے ہیں۔ باقی لوگ کمروں میں تقسیم ہوچکے ہیں۔ بدیع الحسن زیدی صاحب اکیلے سونے کے عادی ہیں۔ اس لئے ایک کوچ پر انہوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ میر اعجاز علی تالپور، میر ممتاز علی تالپور، ایک کمرے میں۔ مخدوم صاحب ایک کمرے میں۔ رات بھیگنے لگی ہے۔ سندھ پنجاب کے تذکرے کرتا سوجاتا ہے۔ پھر سندھ اپنے آپ کو پنجاب میں پاتا ہے۔

انتہائی سخت جاڑے میں ملتان کینٹ پر لوگ کھیسوں کی بکل مارے اسٹیشن پر بھٹو کی جھلک دیکھنے کے لئے آپہنچے ہیں۔ بھٹو انہیں دیکھ رہا ہے، اور وہ اسے ''بھٹو جیوے۔ صدر تھیوے۔'' یہ اُن کے دل کی آواز ہے۔ ''ساڈا بھٹو آگیا۔ ساڈا شیر آگیا۔'' لوگوں کو جنگ

ستمبر، تاشقند، ایوب خان کی آمریت اور جانے کیا کچھ یاد آرہا ہے۔ گاڑی چل پڑی ہے۔ تیز گام میں سویا ہوا سندھ جاگ اٹھا ہے۔ کیونکہ سونے کا ہنگام گزر گیا ہے۔ پنجاب آگیا ہے۔ ملتان کے میدانوں، قصبوں میں سے گزرتی گاڑی خانیوال کی طرف چل رہی ہے۔ کوریڈور میں راؤ اشفاق احمد خاں، محمود بابر اور شیخ اکبر نظر آرہے ہیں۔ ملتان میں پیپلز پارٹی کے جیالے کارکن اور رہنما خانیوال ریلوے اسٹیشن پر سر ہی سر نظر آرہے ہیں۔ لوگ بھٹو کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ریلوے پل، دیواروں پر چڑھ گئے ہیں۔

بھٹو کہہ رہا ہے۔ ''یہ میری نہیں آپ کی کامیابی ہے۔ عوام کی جیت ہے۔ آپ نے ہم پر اعتماد کیا۔ میں اس کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں اور یہ یقین دلانے آیا ہوں کہ ہم نے جو وعدے کئے تھے۔ ان میں سے ایک ایک پورا کیا جائے گا۔ ہم عوام سے منافقت نہیں کریں گے۔''

پل پر لوگ کھڑے ہیں اور لوگوں کے نیچے سے تیز گام گزر رہی ہے۔ خانیوال سے بہت سے کارکن رہنما اور ارکان اسمبلی ساتھ ہو لئے ہیں۔ ساہیوال ابھی دور ہے۔ یہ لوگ ساہیوال تک ساتھ چل رہے ہیں۔ پنجاب کے کارکن میر رسول بخش تالپور اور مخدوم زماں طالب المولیٰ کی تلاش میں ہیں۔ بھٹو صاحب کے بعد وہ اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے ان بزرگوں سے ملتے ہیں۔ نوجوان کارکن معراج محمد خاں اور طارق عزیز کو پوچھتے ہیں۔ پلیٹ فارم پر آواز لگتی ہے، طارق عزیز، طارق عزیز، مگر یہ لوگ ابھی حیدر آباد میں ہیں۔ ساہیوال کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ مسلسل آٹو گراف لئے جا رہے ہیں۔ ''الفتح'' والی رنگین تصویریں لوگ لا رہے ہیں اور بھٹو صاحب سے دستخط لے رہے ہیں۔ ساہیوال آگیا۔ اسٹیشن پر انسانوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک سیلاب ہے۔ انسان لہروں کی طرح ہل رہے ہیں۔ گاڑی غلط جگہ رک گئی ہے۔ بھٹو صاحب آخری بوگی میں بیٹھے ہیں۔ ڈبہ اسٹیشن کے دروازے کے عین سامنے رکا ہے۔ جگہ بالکل تنگ ہے۔ لوگ بھٹو کو دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ بے حد شور مچ رہا ہے۔ بھٹو صاحب شکریہ ادا کرنے ساہیوال کے عوام کو خراجِ تحسین

پیش کرنے کے بعد پھر اپنے کمرے میں لوٹ آئے ہیں، لیکن تمام لوگ دیکھ نہیں سکے ہیں۔ اس سے انہوں نے شیشوں پر ٹکریں مارنی شروع کردی ہیں۔ بعض نوجوان رو بھی رہے ہیں۔ بھٹو صاحب پھر دوبارہ دروازے پر چلے گئے ہیں۔ لوگوں کے سلام کا جواب دینے لگے ہیں۔

نعروں، دعاؤں اور سروں میں سے گزرتی ٹرین آگے بڑھ رہی ہے۔ اوکاڑہ ٹرین نہیں رکتی لیکن اسٹیشن سے خاصی دور مکانات کے قریب ٹرین خود بخود رک گئی یا رکوادی گئی۔ ایک دم پٹری کے قریب بے شمار افراد جمع ہوگئے ہیں۔ شہر خالی ہورہا ہے۔ لوگ ٹرین کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ یہ لوگ ٹرین روکنی بھی جانتے ہیں۔ بار بار ویکیوم نکال کر ٹرین روک لیتے ہیں۔ اب ہر اسٹیشن پر لوگ ٹرین روک رہے ہیں۔ کہیں ریلوے کے عملے سے بات کرکے، کہیں اپنی تکنیک استعمال کرکے تاکہ اس عوامی رہنما کی جھلک سے محروم نہ رہیں۔ کوٹ رادھا کشن پر تو مجمع اور بھی زیادہ ہے۔ یہاں بھی ٹرین زبردستی رکوائی گئی ہے۔ مسٹر بھٹو عوام کا شکریہ ادا کرنے گیٹ پر آگئے ہیں۔ وہ اسے عوام کی کامیابی قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ پیپلز پارٹی عوام کی پارٹی ہے۔ اسے عوام نے بنایا ہے اور عوام نے ہی اب یہ عزت بخشی ہے۔

گاڑی اسی طرح رکتی اور سندھ کو پنجاب کے جوش اور جذبے کے مناظر دکھاتی لاہور کے قریب ہورہی ہے۔ لاہور کی حدود میں داخل ہوتے ہی ریلوے پٹری کے دونوں طرف بڑے جوشیلے مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں۔ کہیں بچوں کے گروہ پیپلز پارٹی کے جھنڈے لئے کھڑے ہیں۔ کہیں برقع پوش خواتین اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے موجود ہیں۔ عقیدتوں اور محبتوں میں سے گزرتے ہم لاہور اسٹیشن نہیں محبت اور پیار کے سنگم پر پہنچ گئے ہیں۔ سر ہیں، چہرے ہیں، آنکھیں، ہاتھ ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ ایک سجا ہوا ٹرک پلیٹ فارم پر موجود ہے۔ گاڑی سے ٹرک تک پہنچنے میں آدھ گھنٹہ لگ گیا اور جب ٹرک پر کھڑے ہوکر بھٹو ہاتھ ہلانے لگے تو کوٹ کی آستین میں سے قمیض کی آستین لٹک رہی تھی۔ شاید یہاں

www.bhutto.org

تک پہنچتے پہنچتے کف لنک اور کف ہجوم کی نذر ہو گئے۔ عقیدتوں، محبتوں اور دعاؤں کا سیلاب لاہور ریلوے اسٹیشن دو موریہ پُل، موچی دروازہ، سرکلر روڈ، بھاٹی گیٹ، اپر مال۔ شاہراہ قائداعظم سے بہتا اسمبلی ہال کی طرف بڑھا۔ سندھ والے پنجاب کی عقیدت اور محبت دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے۔ "جئے پنجاب جئے لاہور" سائیکل تھے۔ اسکوٹر تھے۔ کاریں تھیں۔ ٹرک تھے اور سر تھے۔ ایک سر اجلوس کا دیکھ سکتے تھے۔ مگر دوسرا دیکھنا محال تھا۔ لاہور بھٹو پر پھول بن کر گر رہا تھا۔ فرش بن کر بچھ رہا تھا۔ خوشبو بن کر لپٹ رہا تھا۔ کیا عقیدتیں تھیں، کیا محبتیں تھیں۔ بالکونیوں، چھتوں سے دعائیں اتر رہی تھیں۔ سڑکوں پر عقیدت کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ سندھ اور پنجاب گلے مل رہے تھے۔ پیپلز پارٹی کے پروگرام نے سندھ اور پنجاب کو ایک کر دیا ہے۔ وطن دشمن اور متعصب لوگ ایک عرصے تک سندھ میں پنجاب کے خلاف نفرت پھیلاتے رہے۔ لیکن ان کی تمام سازشوں کو عوام نے ناکام بنا دیا۔ آج پنجاب سندھ کا خیر مقدم کر رہا ہے۔ سندھ کا دل پنجاب کی یہ عقیدت دیکھ کر بے قابو ہوا جا رہا ہے۔

اسمبلی ہال کے ساتھ بھٹو نے عوام سے کہا آپ کی جیت ہوئی اور میری شکست کیونکہ آپ نے جو کچھ دیا ہے۔ میں نہیں لوٹا سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ پیپلز پارٹی کو ووٹ کس نے دیا ہے۔" پیپلز پارٹی کو ان لوگوں نے ووٹ دیے ہیں جن کے جسم پر پھٹے کپڑے ہیں۔ جن کی مائیں رات کو انتظار کرتی ہیں کہ آج ان کا بیٹا کچھ کما کر لائے تو گھر میں کچھ پکے۔ جن کو ایک روز کا کھانا ملتا ہے تو دوسرے وقت کا یقین نہیں ہوتا۔ ہمارا ساتھ عوام نے اس لئے دیا ہے کہ ہم ان کے دل کی بات کرتے تھے۔ ان کے مصائب کی بات کرتے تھے۔ عوام نے ہم پر اس لئے اعتماد کیا ہے کہ ہم معاشی نظام لانا چاہتے ہیں۔ اور لالے بھارت سے اس وقت تک مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ جب تک بنیادی مسئلے حل نہیں ہو جاتے۔ تقریر بڑے مزے کی ہے۔ اہم ہے۔ بھٹو صاحب خود بھی کہہ رہے ہیں کہ آج مجھے مزا آ رہا ہے۔ بڑا اچھا موڈ ہے۔ میں تقریر اور کروں گا۔ تقریر جاری ہے۔ لوگ سن رہے ہیں۔

www.bhutto.org

پھر یہاں سے جلوس بھٹو صاحب کے اپنے حلقے میں چلا گیا ہے۔ جہاں اور دو تین گھنٹے یہی عالم رہا۔ ہم اُدھر نہیں جا سکے۔ اگلے روز انٹرنیشنل ہوٹل میں استقبالیہ تھا۔ استقبالیہ کیا تھا جلسہ عام ہی بن گیا تھا۔ یہاں لوگوں نے سرمایہ داروں، زمینداروں کی زیادتیوں کی شکایتیں کیں۔ جس پر بھٹو صاحب نے کہا ''میں سرمایہ داروں، زمینداروں کو Warn کرتا ہوں کہ اگر انہوں نے یہ حرکتیں بند نہ کیں۔ تو جو نیشنلائزیشن ہم نے کل کرنی ہے آج کریں گے اور جو زمین کی حد سو پچاس یا ایک سو پچاس ایکڑ رکھی ہے۔ ہم بیس ایکڑ بھی نہیں رہنے دیں گے۔'' دستور کے بارے میں بھی انہوں نے کہہ دیا کہ کسی ایک صوبے کی منظوری سے بننے والا آئین قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے بغیر کوئی مرکزی حکومت چل سکتی ہے اور نہ کوئی دستور بن سکتا ہے۔''

www.bhutto.org

منزل کی بشارت

ہم صبح سویرے ٹھٹھہ انسپکشن ہاؤس میں پہنچ گئے ہیں۔ وہاں پورے سندھ کی پیپلز پارٹی جمع تھی۔ مخدوم زمان طالب المولیٰ۔ میر رسول بخش تالپور۔ میر علی احمد تالپور۔ جام صادق علی۔ صادق علی میمن۔ محمد خان سومرو۔ قمر الزماں شاہ۔ پیر غلام رسول شاہ جیلانی۔ کراچی سے معراج محمد خان۔ طارق عزیز۔ عبدالحفیظ پیرزادہ۔ قاسم پٹیل۔ سوداگر درویش۔ جاموٹ ولی محمد۔ عبداللہ بلوچ۔ ستار گبول۔ محمد علی گبول، جانا کراچی تھا۔ بھٹو صاحب تیار تھے۔ کراچی چلنے لگے تو صادق علی میمن کہنے لگے۔ ساکرو وغیرہ کے لوگ بھی بھٹو صاحب کے منتظر ہیں۔ یہاں بھٹو صاحب امیدوار تھے۔ اس لئے وہاں جانا ضروری ہے۔ بھٹو صاحب کو کراچی کی فکر تھی اور جلدی آنے کا وعدہ کر کے اِدھر چل پڑے۔

ہم نے سوچا کہ ہم گھارو جا کر رکیں اور وہاں سے قافلے کے ساتھ ہولیں گے۔ گاڑی بیرسٹر کمال اظفر کی تھی۔ سٹیئرنگ پر امان اللہ تھے۔ باقی ہمارے ساتھ رفیق احمد میاں اور حمید بھابھا بھی تھے۔ اور بہت سی گاڑیاں بھی گھارو پہنچ چکی تھیں، جو بھٹو صاحب کی منتظر تھیں۔ اتنے میں گاڑیوں کا ایک قافلہ "جیئے بھٹو" کے نعرے لگاتا گزرا۔ اس میں بیگم بھٹو، ڈاکٹر شمیم زین الدین، دوسری خواتین، بھٹو صاحب کے صاحب زادے مرتضیٰ بھٹو اور اُن کے "انقلابی" ساتھی تھے۔ ہمیں فوراً احساس ہوا کہ یہ لوگ سیدھے ٹھٹھہ پہنچ جائیں گے۔ اور بھٹو صاحب کا قافلہ ساکرو سے دوسری سڑک کے ذریعے ادھر پہنچے گا۔ اس لئے ان کے پیچھے گاڑی دوڑائی اور انہیں چھٹے ساتویں میل پر جالیا۔ یہ لوگ ساکرو کی طرف چلے گئے۔ وہاں

سے بھٹو صاحب کے قافلے کے ساتھ لوٹے۔ کراچی 12 بجے پہنچنا تھا۔ مگر گھارو قافلہ پونے ایک بجے کے قریب آیا۔ اس لئے یہاں بھٹو صاحب بغیر کچھ کہے، آگے بڑھ گئے۔ تاکہ کراچی وقت پر پہنچ سکیں۔ یہی حال راستے میں دوسری جگہوں پر بھی رہا۔ لانڈھی سے آگے چند منٹ کے لئے یہ قافلہ رکا۔ کیونکہ چند بچیاں انہیں ہار پہنانا چاہتی تھیں۔ ذرا آگے بڑھے تو میر مرتضیٰ بھٹو کی گاڑی کا ایک ٹائر پنکچر ہو گیا۔ اس میں طارق عزیز اور معراج محمد خان بھی تھے۔ مرتضیٰ بھٹو تو فوراً کوٹ قمیض اتار کر ٹائر بدلنے میں لگ گئے۔ ہم نے معراج اور طارق کو اٹھا لیا تاکہ وہ جلوس سے لیٹ نہ ہو جائیں بھٹو صاحب ملیر میں رکے، شکریہ ادا کیا۔

ہم میٹروپول کے چوراہے میں پہنچے تو ایک اژدھام نظر آیا۔ سر ہی سر تھے۔ ہماری گاڑی عقیدت مندوں میں گھر گئی۔ معراج اور طارق عزیز لوگوں کی نگاہوں کا مرکز تھے۔ بڑا لمبا چکر کاٹ کر ہم ٹرک تک پہنچ سکے۔ ٹرک میں سوار ہونا بھی خاصا مشکل تھا۔ گبول کے رضا کار اصولوں کے سخت پابند ہیں۔ گبول مائیک سنبھالے تھے۔ ساتھ میں حنیف سولجر بیٹھے تھے۔ راجہ لیاقت اور سید امداد حسین شاہ ممبر صوبائی اسمبلی۔ بھٹو صاحب پہنچے تو وکٹوریہ روڈ، برنس روڈ اور چوراہوں میں ٹھہرا انسانوں کا سیلاب لہریں لینے لگا۔ ٹرک رینگنے لگا۔ سیلاب بھی بہنے لگا۔ میں پہلے ٹرک میں نیچے بیٹھا تھا۔ جہاں سے سیلاب کی ہلچل بڑی عجیب لگتی تھی۔ ہم لوگوں کو دیکھ سکتے تھے۔ لوگ ہمیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ نعرے گونج رہے تھے۔

"مزدوروں کا لیڈر بھٹو ہے۔"

"کسانوں کا لیڈر بھٹو ہے۔"

"عوام کا لیڈر بھٹو ہے۔"

"مزدور کا نعرہ ہے ____ پاکستان ہمارا ہے۔"

"دور ہٹو سرمایہ دارو ____ پاکستان ہمارا ہے۔"

لیکن ایک نعرہ سب سے زیادہ جوش کے ساتھ بلند ہوتا تھا۔ وہ تھا۔

www.bhutto.org

کٹ گئی گردن جھک گیا بازو
ہائے ترازو، ہائے ترازو

اس سیلاب کی حرکت دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ٹرک سے نیچے اتر کر میں بھی اس سیلاب کا حصہ بن گیا۔ٹرک پر سید سعید حسن، احمد علی سومرو۔این۔ڈی خان بھی دکھائی دیئے۔باقی سندھ کے تمام لیڈر تھے۔اور لیاری کے کارکن تھے۔ٹرک کے پیچھے پیچھے ایک گاڑی تھی۔جس میں بیگم نصرت بھٹو، ڈاکٹر شمیم زین الدین اور کچھ دوسری خواتین بیٹھی تھیں۔اس گاڑی کو بھی کارکن اپنی حفاظت میں لئے تھے۔مارکیٹوں کی چھتیں، بنکوں کی کھڑکیاں، فلیٹوں کے دریچے، محبت اور عقیدت کے شہر بنے ہوئے تھے۔پھولوں کی پتیاں پھوار بن بن کر گر رہی تھیں۔کہیں کہیں سکے بھی نچھاور ہوتے تھے۔لوگ عقیدت کے ساتھ نعرہ بلند کر رہے تھے۔

"سوکھا روٹی کھایا بھٹو کو لایا۔"

اس جلوس میں رکشے والے تھے۔ریڑھی والے تھے مزدور تھے۔طالب علم تھے۔کلرک تھے۔یہ غریبوں کا جلوس تھا۔مزدور کا جلوس تھا۔وکٹوریہ روڈ، بندر روڈ، کھارادر کی بالکونیوں اور چھتوں سے عقیدتیں نچھاور ہو رہی تھیں۔پھول برس رہے تھے۔لوگوں کی عقیدت کا اور بندر روڈ کا نظارہ کرنے کے لئے میں ٹرک میں سوار ہو گیا۔بھٹو صاحب مسلسل ہاتھ ہلا ہلا کر لوگوں کی عقیدت کا جواب دے رہے ہیں۔یہ دونوں ہاتھ سوا ایک بجے سے ہل رہے ہیں۔تھک چکے ہوں گے۔نہیں آج سوا ایک بجے سے نہیں بلکہ اس وقت سے ہل رہے ہیں جب سے وزارت چھوڑی یہ دونوں ہاتھ بھٹو کے ہاتھ نہیں۔استحصال اور ناانصافی کے خلاف بلند ہونے والے ہاتھ ہیں۔جو صدیوں سے اٹھ رہے ہیں۔ان ہاتھوں کے ساتھ ہی طوفان بھی اٹھتے ہیں۔حشر بھی اٹھتا ہے۔بھٹو صاحب ایک بجے سے اس ٹرک پر کھڑے ہیں اور لوگ ایک بجے سے پیدل چل رہے ہیں۔عوام اور لیڈر میں یہ ہمسفری ہی کسی منزل پر لے جا سکتی ہے اور لوگ بھی اس سڑک پر کھڑے ہیں۔اس سیلاب میں لاکھوں لوگ چل رہے

ہیں۔ آخر تک دیکھیں کون کون ساتھ چلتا ہے۔

پیراڈائز ریگل چوک بندر روڈ جگہ جگہ بھٹو صاحب خطاب کرتے ہوئے عوام کے لیے سراپا تحسین بن رہے ہیں کہ یہ جیت عوام کی جیت ہے۔ انہوں نے ہمارے منشور کو ووٹ دیا ہے۔ اور یہ منشور ہمارے لئے انتہائی مقدس ہے۔ ہم اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کے اصولوں پر کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ پیاس کی شدت کا احساس کرتے ہوئے جلوس پر سنگتروں، مالٹوں اور کینوؤں کی بارش کر رہے ہیں۔ سنگترے اور مالٹے کیچ کرنے میں سوداگر درویش اور جاموٹ ولی محمد زیادہ ماہر نظر آ رہے ہیں ایک مرتبہ بھٹو صاحب نے بھی ایسی کوشش کی۔ لیکن وہ مالٹا بہت دور گرا۔ شکارپوری مارکیٹ سے ایک غریب آدمی نے خاصے مالٹے پھینکے ہیں۔ ایک چھت پر ایک صاحب ایک بندر لئے بیٹھے تھے۔ بھٹو صاحب نے اسے دیکھا تو حفیظ پیرزادہ سے کہنے لگے دیکھو "سومار بیٹھا ہے" اس سے پہلے بہادر یار مارکیٹ پر جماعت اسلامی کا پرچم دیکھ کر انہوں نے کہا تھا کہ "یہ نیشنل کانگریس کا پرچم لہرا رہا ہے۔" یہ جھنڈا سرنگوں تھا۔ شاید قومی اسمبلی کے انتخابات کے بعد سے اسے سرنگوں کر دیا گیا ہے۔ راستے میں جگہ جگہ بجلی کے تار بھی راستہ روکتے تھے۔ سوداگر درویش سب سے پہلے اس خطرے کا احساس دلاتے تھے۔ "بجلی کا تار ہے اپنا آپ سنبھالو" اس بجلی کے تار کے آگے بڑے بڑے سر جھک جاتے تھے۔ یہ بجلی کے تار بار بار خطرات کا احساس دلا رہے تھے۔

کے ایم سی کی عمارت پر کے ایم سی کے ملازمین نے اس جلوس کا والہانہ استقبال کیا۔ بڑی عقیدت سے ہاتھ ہلا ہلا کر انہوں نے ٹرک میں سوار افراد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ بھٹو صاحب نے کے ایم سی کے ملازمین کو یقین دلایا کہ اب کے ایم سی کو سرمایہ داروں کے قبضے میں نہیں جانے دیا جائے گا۔ کے ایم سی کا پہلا کام غریبوں کی خدمت ہوگا۔ ہم کے ایم سی کے ملازمین کا بھی پورا تحفظ کریں گے۔

ڈاؤ میڈیکل کالج کی چھت پر نوجوان ڈاکٹر موجود تھے۔ انہوں نے نعرے لگا لگا کر بھٹو صاحب اور معراج محمد خان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ بھٹو صاحب نے ہاتھ لہرا کر ان کے

www.bhutto.org

نعروں کا جواب دیا اور معراج سے کہا ''وزارت سے الگ ہونے کے بعد میں نے سب سے پہلا ایڈریس یہیں کیا تھا۔'' میمن مسجد کے قریب انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ایک طرف میمن مسجد ہے۔ خدا کا گھر..... دوسری طرف یہ سود خور کا اڈہ ہے۔ جس طرح یہ مسجد خدا کی ملکیت ہے اسی طرح یہ بنک عوام کی ملکیت ہے۔ حبیب صاحب میرے دوست ہیں۔ ساتھ پڑھتے رہے ہیں لیکن یہاں دوستی کا سوال نہیں ہے۔ اصولوں کا سوال ہے۔ ہم سب بینکوں کو قومی ملکیت میں لیں گے۔'' حبیب بنک کے ملازموں اور یونین کو انہوں نے پورے تحفظ کا یقین دلایا۔ جلوس بندر روڈ، میری ویدر ٹاور سے مڑتا کھارادر کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں بمبئی کی طرف کے حضرات رہتے ہیں۔ فلیٹوں سے بچے، مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور بھائی مجسم عقیدت بنے کھڑے تھے۔ اسمٰعیلی حضرات اپنی روایات کے مطابق جلوس پر چاول نچھاور کر رہے ہیں۔ ان کے ہاں عقیدت اور فتح کی علامت چاول ہیں۔ اس موڑ پر بھٹو صاحب نے اسمٰعیلی حضرات کے تعاون کا شکریہ ادا کیا۔

یہ سیلاب ککری گراؤنڈ تک جا پہنچا۔ جہاں بھٹو صاحب کے علاوہ میر رسول بخش تالپور، میر احمد علی تالپور، جے۔ اے۔ رحیم۔ معراج محمد خان، طارق عزیز، عبدالحفیظ پیرزادہ، اکبر خان، ستار گبول، عبدالوحید عرشی، رفیق احمد میاں، کمال اظفر، عبداللہ بلوچ، امداد حسین شاہ، حنیف سولجر، قاسم پٹیل نے بھی خطاب کیا۔ بھٹو صاحب نے اپنی پارٹی کے کامیاب کارکنوں سے کہا کہ وہ وزارتوں کے خواب نہ دیکھیں۔ ممکن ہے انہیں لیاری میں جھاڑو تک دینا پڑے۔ وہ اگر وزیر بنے بھی تو پہلے سے وزیر نہ ہوں گے۔ جو کمروں میں بیٹھتے ہیں اور سیکرٹری ان کے پاس فائلیں لے کر پہنچ جاتے ہیں اور وہ صرف دستخط کرتے ہیں۔ اب انہیں دستخط نہیں کرنا ہوں گے۔ تھانوں میں جا کر دیکھنا ہوگا۔ کیا ہو رہا ہے۔ گلیوں میں جانا پڑے گا۔ جھونپڑوں میں جانا پڑے گا۔ انہیں عوام کا خادم بن کر رہنا پڑے گا۔ انہوں نے بتایا کہ ''جب انہوں نے عوامی تحریک شروع کی تو ان کے ساتھ صرف چند لوگ تھے۔ میر رسول بخش تالپور، ڈاکٹر مبشر، مصطفیٰ کھر، شیر پاؤ، معراج محمد خان۔ اس وقت ہمارے دوست ہمیں

www.bhutto.org

ملتے ہوئے گھبراتے تھے۔ راستہ بدل جایا کرتے تھے۔ ہم جس ہوٹل میں ٹھہرتے وہاں سے ہمارے دوست کمرے چھوڑ کر چلے جاتے۔ لاہور کنونشن ہوا تو لوگوں نے مذاق اڑایا کیوں معراج محمد خان۔ اس وقت لوگ کہتے تھے کہ یہ کیا کر سکیں گے۔"

"دوستو! خدا کی قسم، میں ایمان سے کہہ رہا ہوں کہ اب مجھے Sense of Fulfilment ہونے لگی ہے۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں آزمائش میں سرخرو ہو رہا ہوں۔ جب میں وزارت چھوڑ کر لاڑکانہ تک آیا تھا۔ اس وقت یہ کیفیت نہیں تھی۔ اب مجھے منزل کی بشارت ہو رہی ہے۔ اب آپ کو وعدے یاد دلانے نہیں پڑیں گے۔ بلکہ میں آپ کو یاد دلایا کروں گا کہ میں نے یہ وعدے کئے تھے جو اَب پورے ہو رہے ہیں۔"

کہنے لگے "مغربی اور مشرقی پاکستان کو صرف سوشلسٹ نظام متحد رکھ سکتا ہے۔ ہم نے مشرقی پاکستان کے کرب کا احساس آج سے چار برس پہلے کیا تھا۔ ہماری پارٹی واحد پارٹی ہے جس نے مشرقی پاکستان کے مسائل کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ مشرقی پاکستانی بھائی ہمارا منشور پڑھیں۔"

عقیدتوں اور محبتوں کا یہ سیلاب شام کے ساڑھے سات بجے تک بہتا رہا اور پھر واپسی شروع ہوئی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ ٹرک ٹاور کے قریب پُل پر سے گزرتا کوئنز روڈ پر گیا۔ جہاں سے ذوالفقار علی بھٹو صاحب اور باقی رہنما کاروں میں سوار ہو کر رخصت ہو گئے۔ باقی لوگوں کو اس ٹرک نے اپنے اپنے مقامات پر پہنچا دیا۔

70۔ کلفٹن

یہ 70 کلفٹن ہے
سر شاہنواز بھٹو۔
ذوالفقار علی بھٹو۔

پیتل کی یہ دو تختیاں اور کھلا دروازہ۔ کاروں، جیپوں، ٹیکسیوں، رکشوں سے اترتے لوگ۔ لان میں شامیانہ نصب ہے۔ کرسیاں دھری ہیں۔ بچے، بوڑھے، عورتیں، جوان پیپلز پارٹی کے کارکن، لیڈر، ایم۔ پی۔ اے، ایم این اے۔ آج کل یہاں بہت رونق ہے اور اسی 1970ء کے شروع میں، درمیان میں یہاں ایک دو چہروں کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا، البتہ باہر سڑک کے درمیان میں گھاس کے ٹکڑوں پر 'فدویان کرام' (سی آئی ڈی والے) ہوتے تھے۔ اب بے شمار لوگ ہار لے کر آئے ہیں۔ ان میں وہ حضرات بھی ہیں جن کے اس بنگلہ کے مکین کے خلاف لمبے چوڑے بیانات چھپتے تھے۔ وہ بیگمات بھی ہیں۔ جو انتخابات سے ایک روز پہلے تک اس پارٹی کے خلاف بیانات اگلتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ دروازہ سب کے لئے کھلا ہے۔ دسمبر 1969ء میں بھی کھلا تھا۔ دسمبر 1970ء میں بھی کھلا ہے۔ وقت وقت کی بات ہے۔ جلوس جلسوں کے بعد یہاں لوگ ذرا قریب سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔ ہار ڈالنے والے تو ہیں ہی لیکن یہاں مسائل بھی ہیں۔ انتخابات کے ہنگامے ختم ہو چکے۔ کام کا وقت آ گیا ہے۔ غریب اور مظلوم عوام۔ مختلف طبقوں کے لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر آ رہے ہیں۔ مسائل وہی ہیں لیکن اب اس گھر سے امید ہو چلی

ہے کہ مسائل حل ہوسکیں گے۔

یہ ایک بزرگ جانے کہاں سے آئے ہیں۔ان کے چہرے پر پڑی جھریاں برسوں کی داستان سناتی ہیں۔یہ پھٹے پرانے میلے کپڑوں میں لپٹا جسم صرف ایک شخص کا نہیں۔اس ملک کے کروڑوں افراد کا ہے بڑے میاں کو حج کی آرزو ہے۔صاحب اگر خط لکھ دے تو یہ کام ہوسکتا ہے۔ان بڑے میاں نے یہیں کوٹھی کے ایک کونے میں ڈیرہ جمالیا ہے۔تین چار روز بعد وہ بڑے میاں ملتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا کام ہوگیا ہے۔اور وہ اب اپنے اس مقدس مشن پر چلے جائیں گے۔

یہ لیاری کی خواتین ہیں۔وہ ہار ڈالنے آئی ہیں۔لیاری مظلوم عوام کی مظلومیت اور بے کسی کا مظہر بھی اور مظلوموں کی بیداری اور بے باکی کا ثبوت بھی وہ بلند آواز سے بول اٹھی ہیں۔"جیئے بھٹو" یہ ہارون خاندان کی اجارہ داری کو ختم کرنے والی ہستیاں ہیں۔لیاری کی عظیم مائیں، عظیم بہنیں، لیاری عوامی طاقت کا سرچشمہ۔

یہ لوگ جانے کہاں کہاں سے آئے ہیں۔دیہات سے، شہر کے حصوں سے، یہ بیروزگار نوجوان ہیں۔تعلیم جانے کیسے مکمل کی۔اب ملازمت نہیں مل رہی ہے۔یہ داؤد ملز یونین کے مزدور ہیں۔داؤد مل جہاں مزدوروں پر نہ جانے کیا کیا ظلم ڈھائے گئے۔جہاں کے مزدور لیڈر آج کل جیل کی سلاخوں کے پیچھے اپنی جدوجہد کے مرحلے طے کررہے ہیں۔ان کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔ایک سیٹھ کے خلاف ہزاروں مزدوروں کی نمائندگی کی۔جب انہیں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر فوجی عدالت میں لایا گیا تو عدالت کے درودیوار چیخ اٹھے۔آسمان کی آنکھ بھر آئی اور آس پاس کھڑے لوگ رو اٹھے کہ مزدور رہنماؤں کے ساتھ اس ملک میں وہ سلوک کیا جارہا ہے جو قتل اور ڈاکے کے سنگین جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔یہ سلوک اس وقت کیا جارہا ہے جب عوام کی اکثریت ان نمائندوں پر اعتماد کا اظہار کرکے منتخب کرچکی ہے۔جو مزدوروں، کسانوں کے حقوق کا علم اٹھا کر نکلے ہیں۔یہ لوگ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں

پہننے والے عزیز الحسن کے ساتھی ہیں۔ یہ لوگ احساس دلا رہے ہیں کہ ابھی منزل بہت دور ہے۔ راستہ بہت کٹھن ہے۔

یہ صحافیوں کا وفد ہے۔ ان صحافیوں کا جنہیں ''جنگ''، ''مشرق''۔ پی پی آئی سے اس جرم میں نکال دیا گیا تھا کہ وہ حق کی بات کرتے تھے۔ عبوری امداد مانگتے تھے۔ جنگ کے اجارہ دار سرمایہ دار میر خلیل الرحمان۔ مشرق کی مزدور دشمن انتظامیہ، پی پی آئی کے فکس اپ کے مستحق معظم علی کی سازش کے شکار 31 صحافیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے انجمن صحافیان کراچی کے سیکرٹری مسٹر ظفر رضوی ایک میمورنڈم پیش کر رہے ہیں۔ جس میں اس سنگین واردات کی تفصیل ہے جس کے تحت 31 خاندانوں کو بیروزگار کر دیا گیا تھا۔ اور ان کا جرم وہی تھا جو اور عوام دوست طاقتوں کا جرم تھا۔ بھٹو صاحب یقین دلا رہے ہیں کہ مجھے اس میمورنڈم کے ایک ایک حرف سے اتفاق ہے۔ میں نے ہمیشہ صحافیوں کے حقوق کی حمایت کی ہے اور جن جن اداروں سے صحافیوں کو برطرف کیا گیا ہے۔ ہماری پارٹی نے ہمیشہ مطالبہ کیا ہے کہ انہیں ملازمتوں پر بحال کیا جائے۔ یہ لوگ ''فکس اپ'' کے لفظ سے بہت ہچکچاتے ہیں لیکن سینکڑوں صحافیوں کو ملازمتوں پر واپس نہیں لیتے۔ عوامی حکومت قائم ہوگی، تو پی پی آئی اور ٹرسٹ کے معاملات کی تحقیقات کروائی جائے۔

یہ کراچی یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کا وفد ہے۔ کراچی یونیورسٹی کے معاملات سب کے سامنے ہیں۔ یہاں کے وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی۔ عوام دشمن طاقتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ طلبہ کے داخلوں، طالب علم یونینوں کے انتخابات، اساتذہ کی تقرری اور برطرفی میں ہمیشہ وہ ایک خاص نظریے اور خاص سیاسی جماعت کی ہدایات کی پابندی کرتے ہیں۔ کراچی یونیورسٹی کو انہوں نے ''ظل سبحانی'' بنا رکھا ہے۔ ایوب خان کی حاشیہ برادری کے بعد وہ مولانا مودودی کی حاشیہ برداری کرتے رہے۔ اب پھر وہ اساتذہ کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ وہ اساتذہ جو عوام دوست طاقتوں کے ساتھ رہے ہیں اب ان کے عتاب کا شکار ہیں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ان کارخانہ داروں اور

زمینداروں کی صف میں کھڑے ہیں جو اپنے کارکنوں اور مزارعوں کو اس جرم میں نکال رہے ہیں کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کو بھٹو کو تلوار کو، عوامی منشور کو ووٹ دیا تھا۔ کراچی یونیورسٹی کے ستر اساتذہ کا بھی یہی قصور ہے۔ کراچی یونیورسٹی کی دیواریں، برآمدے اور کمرے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی سازشوں کی داستانیں سنا رہے ہیں۔ اساتذہ جو قوم کی تعمیر کرتے ہیں۔ ایک عجیب کرب کا شکار ہیں۔ کراچی یونیورسٹی سے موشے دایان کا سایہ کب چھٹے گا؟

یہ کارکن حضرات ہیں۔ پیپلز پارٹی کے کارکن جو جانے کس کس علاقے سے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی پارٹی کے لئے دن رات کام کیا۔ اب انہیں ان کے اداروں کے مالکان ملازمتوں سے الگ کر رہے ہیں کیونکہ یہ ایک بہت بڑا جرم تھا۔ ایک عوامی سیاسی پارٹی کا ساتھ دینا۔ ان میں کسان بھی ہیں۔ کلرک بھی، مزدور بھی.....

یہاں معراج محمد خاں بھی موجود ہیں، طارق عزیز بھی، میر رسول بخش تالپور بھی، میر علی احمد تالپور بھی، ایم این اے حضرات عبدالحفیظ پیرزادہ، غلام مصطفیٰ جتوئی، حاکم علی زرداری، ایم پی اے حضرات قاسم پٹیل، عبداللہ بلوچ، سید امداد حسین شاہ، سید سعید حسن، احمد علی سومرو، ولی محمد جاموٹ اور حنیف سولجر بھاگ دوڑ میں آگے آگے ہیں۔ لوگوں کو خط لکھوا لکھوا کر دے رہے ہیں۔ عبداللہ بلوچ اپنے علاقوں کے لوگوں کے مسائل سن کر ان کے لئے خط لکھوا رہے ہیں۔ روزانہ سینکڑوں خط بے شمار محکموں کے نام لکھے جا رہے ہیں۔

ان خطوط کا کچھ بنے نہ بنے لیکن بھٹو صاحب کو اس طرح ہزاروں لوگوں کو ملنے سے مسائل کا بہت قریب سے جائزہ لینے کا موقع مل رہا ہے۔ یہ خداداد کالونی کا وفد ہے۔ جنہیں بے دخل کیا جا رہا ہے۔ متوسط طبقے اور غریب طبقے کے افراد نہ جانے کیسے اپنے رہنے کے لئے مکان بنا سکے اور اب انہیں بے دخل کیا جا رہا ہے۔ وہ اب کیا کریں۔

یہ کشمیری حضرات کا وفد ہے۔ میر عبدالمنان، مقبول بٹ، میر عبدالقیوم اور دوسرے حضرات۔ کشمیر کے لئے بھٹو صاحب کا موقف شروع سے ہی بہت سخت رہا ہے۔ اب گلگت میں گرفتار ہونے والوں کے لئے ان حضرات کو قانونی حمایت درکار ہے۔ وہ ایک ڈینس

کمیٹی بنا رہے ہیں۔اس میں پی پی پی کی طرف سے دو وکیل چاہتے ہیں۔خورشید حسن میر اور دوسرے میاں محمود علی قصوری کے لئے۔پارٹی کے سربراہ کی طرف سے اجازت مل گئی ہے۔

ہزاروں لوگوں، مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، استادوں کو قریب سے جاننے کے بعد بھٹو صاحب کو بھی مسائل کا اور زیادہ علم ہوا ہے۔اسی لئے لاڑکانہ جاتے جاتے انہوں نے اخبار والوں سے جو بات کی اس میں عوامی مسائل پر بھی شدید کرب کا اظہار کیا۔آسمان سے باتیں کرتی قیمتوں کا مظلوم عوام پر بوجھ۔مزدوروں کسانوں کے ساتھ، کارخانہ داروں اور زمینداروں کا ناروا سلوک۔انہوں نے حکومت پر اپنا فرض پورا کرنے کا زور دیا۔اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر عوام کو ان پریشانیوں سے نجات نہ دلائی گئی تو میں عوامی سیلاب کا بند کھولنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔عوامی سیلاب جسے کوئی نہیں روک سکتا۔

یہ سب غلام ہیں

قاسم حاجی عباس پٹیل رکن صوبائی اسمبلی کے ہاں ڈنر پر پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ارکان۔ کراچی پیپلز پارٹی کے صوبائی اور قومی اسمبلی کے ارکان پیپلز پارٹی کے رہنما مدعو تھے۔ کھانے کی میز پر کینیڈا کی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب نے بھٹو صاحب سے ان کے منشور پر عمل درآمد کے سلسلے میں بات کی اور کہا کہ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اپنے منشور کو عملی جامہ پہنا سکیں گے؟"

بھٹو صاحب نے کہا "پاکستان کے عوام نے مجھے قیادت ہی نہیں اس کے ساتھ ساتھ ایک اعتماد بھی سونپا ہے۔ اس اعتماد نے مجھے اور میری پارٹی کو مغربی پاکستان کی ایک مضبوط ترین پارٹی کے طور پر ابھرنے کا موقع دیا ہے۔ مجھے مکمل یقین ہے کہ میں جو عزائم لے کر چلا تھا۔ انہیں تکمیل تک پہنچا کر رہوں گا۔"

پروفیسر صاحب کہنے لگے۔ "لیکن آپ کے پاس کیا کارکنوں کی اتنی منظم تعداد ہے جو آپ کے مشکل وعدوں کو تکمیل تک پہنچا سکے۔"

بھٹو صاحب کا جواب تھا۔ "میری پارٹی، میرے کارکن، میرے دست و بازو ہیں۔ انہوں نے بہت مشکلیں سہی ہیں۔ ایسے حالات میں پیپلز پارٹی کو منظم کیا۔ جب سر اٹھا کر چلنے کی رسم نہیں تھی۔ (بلند آواز سے) معراج! اِدھر آؤ۔" اور پھر انہوں نے پروفیسر سے معراج کو ملایا اور پھر کہا کہ انہیں پارٹی کے ورکرز کے بارے میں بتاؤ۔" پھر پروفیسر صاحب سے کہنے لگے "آپ جیسے معزز پروفیسر ہی مجھے یہ سمجھایا کرتے تھے کہ ایوب خان کو تخت سے

اتارنا بہت مشکل ہے مسٹر بھٹو! تم یہ خیال چھوڑ دو۔ کچھ نہیں بن سکے گا۔ لیکن عوام نے مجھے طاقت دی۔ خدا نے مدد کی اور میں اپنے کارکنوں کے ساتھ ایوب جیسے آمر کو تخت چھوڑنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ آمریت کی شکست معمولی بات نہ تھی۔ پھر بھٹو صاحب پاکستان میں غربت کا تذکرہ کرنے لگے۔ ''اتنی غربت، اتنا افلاس، اتنی ناداری، اتنی بے بسی۔ دنیا میں کہاں ہوگی۔ یہاں کے سرمایہ دار امریکہ کے سرمایہ داروں کی طرح ہی عیش کرتے ہیں۔ لیکن یہاں کے غریب، کچھ نہ پوچھئے۔ میں نے کیا کیا دیکھا ہے، جھونپڑیاں، پھٹے ہوئے کپڑے، ویران آنکھیں۔'' اس وقت مسٹر بھٹو کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ ''انہی لوگوں نے مجھے ووٹ دیے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان لوگوں نے مجھے مینڈیٹ دیا ہے۔ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ ایسا بہت کم ملکوں میں ہوا ہے کہ بیلٹ کے ذریعے بائیں بازو کی جماعت برسر اقتدار آئی ہو۔ یہ ان غریب اور نادار لوگوں کا سیاسی شعور ہے۔ مجھے لیڈر ان ہی لوگوں نے بنایا ہے۔ میں اُن کے اعتماد کو ہاتھ سے جانے نہیں دوں گا۔''

پروفیسر صاحب نے کہا۔ ''بیوروکریسی کا کیا ہوگا۔ بھٹو صاحب کہنے لگے ''بیوروکریسی! میں بیوروکریسی کا دشمن نہیں ہوں۔ مجھے احساس ہے کہ وہ حکومت کی مشینری کا اہم حصہ ہیں۔ لیکن بیوروکریسی چونکہ عوام دشمن کردار ادا کر رہی ہے۔ اس لئے میں اس کا دشمن ہوں۔ عوام کی طاقت میرے ساتھ ہوگی تو بیوروکریسی میرے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈال سکے گی۔''

پھر میر رسول بخش تالپور، حنیف رامے، مصطفیٰ کھر، معراج محمد خان اور دوسرے رہنماؤں کی طرف اشارہ کر کے بتانے لگے۔ ''یہ سب غلام ہیں۔ انہیں اہرامِ مصر تعمیر کرنا ہیں۔ مگر فراعنہ کے لئے نہیں عوام کے لئے، میری پارٹی سندھ اور پنجاب میں حکومتیں بنائے گی۔ سندھ اور پنجاب وسائل اور مسائل کے سرچشمے ہیں۔ یہ سونے کے انڈے ہیں۔ لیکن جہاں یہاں ساری صنعتیں ہیں وہاں مزدوروں کے مسائل بھی ہیں۔ جہاں بڑی بڑی

زمینداریاں ہیں وہاں پریشان حال مزارع بھی ہیں۔ میں سندھ اور پنجاب کو مثالی خطے بنانے کا عزم کر چکا ہوں۔ میں اپنے کارکنوں اور عوام کی مدد سے ایسا کر کے رہوں گا۔ مجھے مکمل اعتماد ہے۔ مجھے تکمیل کی بشارت ہو رہی ہے۔ میں خدانخواستہ ایسا نہ کر سکا تو پروفیسر تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں سیاست کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گا۔ مجھے یہ احساس ہے کہ یہ پہلا اور آخری موقع ہے۔"

ایک پاکستان کے لیے سفر

مشرقی پاکستان میں 96 گھنٹے کے قیام اور مجیب سے 205 منٹ کی باقاعدہ اور 120 منٹ کی غیر رسمی دریائی ملاقات سے ذوالفقار علی بھٹو نے مغربی پاکستان کے عوام کے دلوں میں مزید محبت پیدا کی اور مشرقی پاکستان کے دلوں میں اپنے لئے محبت کے بیج بو دیئے۔ جب کہ مجیب نے ان مذاکرات میں اپنے موقف سے مشرقی پاکستان کے ایک خاص طبقے کی ''خوشنودی'' حاصل کی۔ عام آدمیوں میں مایوسی پھیلائی متوسط تاجروں کو تشویش میں ڈالا اور مغربی پاکستان میں اپنے لئے نفرت کو مزید تیز کر دیا۔

بھٹو نے ڈھاکہ آنے میں جس فراخدلی اور اناشکنی کا مظاہرہ کیا۔ اسی کا یہاں اپنی بات چیت میں بھی خیال رکھا اور بار بار اس بات پر زور دیا کہ قومی سلامتی کے تقاضوں کی حدود میں جو سمجھوتہ ہو سکے اس کے لئے ہم ہر طرح سے تیار ہیں اور بار بار ''ایک پاکستان'' کی علمبرداری کی۔ ان مذاکرات کو اگر کامیاب نہیں کہا جاسکتا تو مکمل بھی نہیں کہا جاسکتا۔ بھٹو نے بات چیت کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ دوبارہ بھی مذاکرات ہوں۔

بھٹو نے چلنے سے پہلے مشرقی پاکستان کے عوامی مسائل اور مشرقی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے چھ نکات کا جائزہ لے کر۔

(1) پاکستان کی سلامتی۔

(2) مغربی اور مشرقی پاکستان کے عوام کا مفاد۔

(3) دونوں اکثریتی پارٹیوں کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں چند ایسے نکات سیار کئے

گئے تھے جن میں سے بعض پر آسانی سے مفاہمت ہو سکتی تھی۔ پیپلز پارٹی کے ماہرین کی جماعت جو جے اے رحیم، شیخ رشید، حنیف رامے، حفیظ پیرزادہ اور رفیع رضا پر مشتمل تھی۔ اس نے بھی عوامی لیگ کے ماہرین سید نذر الاسلام، خوندکر مشتاق، کیپٹن منصور علی، قمر الزماں، تاج الدین اور ڈاکٹر کمال حسین سے انہی بنیادوں پر بات چیت کی۔ پہلے روز تو ان نکات کا جائزہ لیا گیا جو اختلافات کا باعث ہیں۔ دوسرے روز پیپلز پارٹی کے ماہرین نے بات چیت یہاں سے شروع کی۔ ہم پہلے کوئی اتفاقی نکتہ ڈھونڈ لیں پھر اس کے بعد آگے بڑھیں۔ تجویز پیش کی گئی کہ سوشلزم دونوں پارٹیوں کے منشور میں شامل ہے۔ اس لئے اسے نکتہ آغاز بنا کر سفر شروع کیا جائے۔ دستور میں سوشلسٹ نظام کو جزو لاینفک قرار دیا جائے تو بہت مسائل طے ہو جائیں گے۔ کیونکہ سوشلسٹ نظام میں وفاق تو ناگزیر ہوتا ہے۔ اسی کے تحت نیشنلائزیشن بھی مرکز کا اختیار ہو۔ لیکن عوامی لیگ کے ماہرین نیشنلائزیشن کو مرکز کے اختیار میں دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کہا گیا کہ اگر نیشنلائزیشن مرکز کے بجائے صوبوں کے اختیار میں ہوا تو یہ مشکل لاحق ہوگی۔ مثال کے طور پر حبیب بینک پنجاب میں قومی ملکیت میں آجاتا ہے اور بلوچستان میں نہیں تو حبیب بینک کے مالکان اپنا سارا سرمایہ بلوچستان میں منتقل کر دیں گے۔ یہ ایک عجیب مسئلہ بن کر رہ جائے گا۔ اس طرح سوشلزم عوامی لیگ کے منشور میں ہونے کے باوجود نکتہ آغاز نہ بن سکا۔ وہ نکتہ آغاز صوبائی خودمختاری کو بنانا چاہتے تھے۔ اس طرح ایک بحث مباحثہ خوب ہوا۔ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو خوب سمجھا گیا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ عوامی لیگ نے مفاہمت کی گنجائش نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ ممکن ہے کہ شیخ صاحب عوام سے ڈرتے ہوں کہ وہ چھ نکات پر کسی سمجھوتے کو برداشت نہیں کریں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عوام کو اس بات سے بہت دلچسپی ہے کہ مجیب، بھٹو آپس میں کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں اور غریبوں کا پاکستان ایک رہے۔ مسٹر بھٹو نے انٹر کانٹی نینٹل کے باہر بنگالی بھائیوں سے بات چیت کرتے ہوئے پوچھا کہ وہ ایک پاکستان چاہتے ہیں یا دو۔ انہوں نے ایک پاکستان کا نعرہ لگایا اور ہاتھ اٹھائے۔ ایک

www.bhutto.org

طوفان زدہ علاقے چرفشون میں بھی ہزاروں بنگالی بھائیوں نے ایک پاکستان کا نعرہ لگایا۔ ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ غریبوں کے مسائل حل ہونے چاہئیں۔ دوسرے روز 1134 کانٹی نینٹل میں بات چیت کے دوران دروازے کی درز میں سے مسٹر بھٹو کے یہ الفاظ سنائی دیئے تھے۔ ''اگر آپ اس ضد پر رہے تو شیخ صاحب میں کہے دیتا ہوں کہ آپ بھی تباہ ہو جائیں گے اور میں بھی۔ ہمیں اس ملک کی سلامتی اور اتحاد کے لئے کوئی راہ ڈھونڈنی ہے۔''

شیخ صاحب نے کہا۔ ''میں اپنی پارٹی اور کارکنوں کے بغیر کیسے کر سکتا ہوں۔''

بھٹو نے کہا۔ ''تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں کر سکتا ہوں۔'' اس روز مسٹر بھٹو نے زیادہ بات چیت کی۔ اس سے پہلے دھان منڈی میں شیخ صاحب نے زیادہ دیر تک اپنا نقطۂ نظر پیش کیا تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد رات کے تین بجے تک 1134 کی بتی جلتی رہی۔ دو تین فل اسکیپ کاغذوں پر چند نکات لکھے گئے جو 1134 کی ملاقات میں زیر غور آئے۔ دھان منڈی کی دوسری ملاقات ویسے تیسری ملاقات، کچھ تعطل کا شکار ہو گئی۔ کیونکہ صبح ماہرین کی ملاقات میں بھی تعطل کی کیفیت رہی تھی۔ جن نکات کے باعث بات آگے نہیں بڑھنے پائی تھی۔ مسٹر بھٹو نے اپنی پریس کانفرنس میں ان کی حمایت یا تسلیم کرنے میں معقول مشکل کا ذکر کیا۔ ہمارے نزدیک وہ ایسے نکات ہیں کہ عوام کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ انہوں نے پہلے نکتے یعنی وفاقی پارلیمانی طرزِ حکومت اور چھٹے نکتے ملیشیا فوج کے قیام کو تسلیم کیا۔ باقی 4 نکات یہ ہیں۔

نکتہ نمبر 2۔ وفاقی حکومت صرف دفاع اور محکمہ خارجہ کی ذمہ دار ہوگی۔

نکتہ نمبر 3۔ دونوں صوبوں کے لئے دو علیحدہ علیحدہ کرنسیاں ہوں جو آسانی سے ایک دوسرے سے تبدیل کی جا سکیں۔

نکتہ نمبر 4۔ مالیاتی پالیسی اور ٹیکس لگانے کا حق وفاق بنانے والی ریاستوں کو ہوگا جو ٹیکس وصول کریں گی۔ ان سے وفاق چلانے کے اخراجات کے لئے مرکز کو ایک خاص

تناسب سے رقم ادا کریں گی۔

نکتہ نمبر 5۔ دستور میں اس کا احترام کیا جائے گا کہ وفاق بنانے والی ریاستیں جس قدر زرمبادلہ کمائیں اس کے علیحدہ علیحدہ حسابات رکھے جائیں۔

مشرقی پاکستان کے غریب عوام کو ان نکات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان نکات کا فائدہ صرف مشرقی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ دار کو پہنچ سکتا ہے۔

شیخ مجیب الرحمان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کی پارٹی کا انتہا پسند گروپ جس کی قیادت تاج الدین کر رہے ہیں اب پاکستان پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتا ہے۔ شیخ صاحب اس گروپ کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ قمر الزماں اور ان کے معتدل ساتھی ذرا پیچھے جا رہے ہیں۔ شیخ مجیب الرحمان اس انتہا پسند گروپ کو نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ اس گروپ کا رابطہ بیوروکریسی سے براہ راست ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شیخ صاحب زیر زمین کام کرنے والی عوامی قوتوں سے انتہائی خوفزدہ ہیں۔ کیونکہ ان کی پارٹی کی مزدوروں، کسانوں میں جڑیں نہیں ہیں۔ مزدور تحریک میں شیخ صاحب کا کوئی نام نہیں لیتا۔ شیخ صاحب اپنے انتہا پسند گروپ اور بیوروکریسی کے علاوہ مغربی پاکستان کی شکست خوردہ سیاسی جماعتوں سے بھی امید لگائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بھٹو سے آخری ملاقات کے فوراً بعد پریس کو کہا کہ میں مغربی پاکستان کے دوسرے گروپ لیڈروں سے 'بھی' ملاقات کروں گا۔ اس میں 'بھی' کا لفظ قابل غور ہے۔ شیخ صاحب ولی خاں سے راہ رسم بڑھانا چاہتے ہیں۔

بھٹو صاحب نے تو دروازہ کھلا رکھا اور بات چیت جاری رہنے کا ذکر کیا۔ جب کہ چند منٹ بعد دھان منڈی میں مجیب صاحب نے اعلان کیا کہ ان کی پارٹی نہ صرف مشرقی پاکستان بلکہ پورے پاکستان میں اکثریت میں ہے اس لئے آئین بنا سکتی ہے۔ جس پر بھٹو صاحب نے کہا کہ اگر مفاہمت کے بغیر کوئی دستور بنا تو یہ ایک بنجر اور بے سود کوشش ہوگی۔"

انٹر کانٹی نینٹل 1134 اور 27 دھان منڈی کی یہ گفتگو پاکستان کی تاریخ کا ایک

فیصلہ کن موڑ بھی ہو سکتی تھی۔ تباہی یا اتحاد لیکن بھٹو صاحب کی ڈپلومیسی نے کسی خطرے کو ابھی ٹال دیا ہے۔ شیخ صاحب ڈٹے ہوئے ہیں۔ خبر نہیں یہ عوام کا دباؤ ہے یا کوئی اور۔ ان دنوں بعض صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے ڈھاکے سے کراچی اور کراچی سے ڈھاکے کے چکر بھی لگائے۔ ان میں سے زیادہ تر انٹر کانٹی نینٹل میں ٹھہرے تھے۔ اخبارات کی انتظامیہ کے لوگ، ہارون سعد، میر خلیل الرحمان بھی گھومتے دکھائی دیئے۔ اُدھر شوکت حیات صاحب کی صدر یحییٰ سے ملنے کی خبر آئی۔ اس کے بعد وہ مجیب صاحب سے ملنے آ رہے ہیں۔ مجیب صاحب نے کہہ دیا کہ جو لوگ مجھ سے ملنا چاہیں گے۔ میں ان کا خیر مقدم کروں گا۔ اس کے مقابلے میں بھٹو صاحب نے کہا کہ میں شکست خوردہ سیاسی پارٹیوں کے منتخب ممبروں سے ملوں گا۔ میں یہ شرط نہیں رکھوں گا کہ وہ میرے گھر آئیں بلکہ لاہور میں اپنے ہوٹل سے ٹیکسی لوں گا، اور دولتانہ صاحب کے گھر جاؤں گا۔ پشاور میں قیوم خان اور چارسدہ میں ولی خان سے ملوں گا۔

آخری ملاقات جو غیر رسمی تھی۔ جو دریائے میگھنا کی لہروں پر ہوئی۔ جس کے لئے مجیب اور بھٹو بڑی لانچ ناباک سے اتر کر دوسری لانچ پر چلے گئے۔ جو 2 بجے سے ساڑھے 4 بجے تک جاری رہی اور جس کے بعد مسٹر بھٹو اور مجیب کو اخبار نویسوں کے سوالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ میرے نزدیک وہ زیادہ اہم تھی۔ پہلی تین رسمی ملاقاتوں میں دونوں لیڈروں کو پریس کے باہر کھڑے ہونے کا احساس ہوتا تھا۔ اس لئے وہ تمام تلخ بحث کے باوجود پریس کے لئے مسکراتے تھے۔ لیکن یہاں انہیں پریس کا سامنا نہیں تھا۔ نرائن گنج کے گھاٹ پر جب وہ اس سجی ہوئی لانچ سے نکلے۔ اپنی کاروں کی طرف گئے تو ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور بعد میں بھی ان کا موڈ خوش گوار تھا۔ دونوں لیڈروں کی مذاکرات کے بعد کی گفتگو کا لب و لہجہ اندر کی بات چیت کی غمازی کرتا تھا۔ 1134 کی ملاقات کے چند فقرے اوپر درج کئے گئے ہیں۔ باہر اخبار نویسوں کے سامنے دونوں کی نوک جھونک یا بیت بازی ہوئی۔ اس میں بھی وہی ایک دوسرے کی کاٹ کی کوشش تھی۔ اس آخری ملاقات میں جو

غیر رسمی رہی دونوں کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہیں..... اس وقت جو صورت حال بنتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسمبلی سیشن فروری کے آخری ہفتے میں ہوگا۔ دستور بہر حال عوامی لیگ ہی بنائے گی اور یہ ہوگا بھی چھ نکات کی بنیاد پر ہی۔ لیکن بقول ایک سیاسی مبصر کے کہ جس طرح حالات کے تحت پاکستان کو مغربی بنگال اور مشرقی پنجاب کے بغیر قبول کرنا پڑا تھا۔ تھا یہ پاکستان ہی۔ اسی طرح ہوں گے چھ نکات بھی۔ لیکن اس میں سے بہت سی چیزیں نکل چکی ہوں گی۔

دستور ساز اسمبلی میں پیپلز پارٹی کی پوزیشن بہتر رہے گی کیونکہ ان ارکان میں دستور کے رموز جاننے والے زیادہ تعداد میں ہیں۔ اس کے ساتھ قیوم خان اور جمعیت علمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کے تعاون کا امکان ہے۔ جب کہ ولی نیپ، جمعیت علمائے پاکستان اور کونسل لیگ، مجیب کی حمایت کریں گی۔ عوامی لیگ موجودہ صورت میں چھ نکات سے دست بردار نہیں ہو سکتی اور پیپلز پارٹی ان سے اتفاق نہیں کر سکتی کیونکہ اسے چھ نکات کی بنیاد پر عوام نے منتخب نہیں کیا۔ مجیب صاحب چھ نکات میں در پردہ تبدیلی کر رہے ہیں کیونکہ مشرقی پاکستان کی مالی صورتِ حال بہت ہی خراب ہے۔ اپنے طور پر مشرقی پاکستان کو مسائل حل کرنا بہت دشوار ہے۔ اس طرح مرکز اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی حکومت ہوگی۔ بلوچستان کی حکومت عوامی لیگ کی حمایت کرے گی۔ پیپلز پارٹی کو اپنے وسیع تر پروگرام کی بنا پر مشرقی پاکستان اور بلوچستان میں تنظیم کا موقع ملے گا۔ اسمبلی کے سیشن کے دوران پیپلز پارٹی کے منتخب ارکان اور لیڈروں کو مشرقی پاکستان میں پاؤں جمانے کا موقع مل جائے گا۔ عوام کو پیپلز پارٹی کے پروگرام سے بہت دلچسپی ہے۔ اگر پیپلز پارٹی کے لیڈر سنجیدگی سے اس طرف توجہ دیں تو پیپلز پارٹی کو اس پانچویں صوبے میں بھی مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں عوامی طاقتوں کو ایک پلیٹ فارم دینے کا بیج بو دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ بھٹو کے دورے کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

یہ مسافر ایک اہم مشن پر جا رہے ہیں۔

17 جنوری 1971ء۔ 9 بجے کی ڈھاکہ پرواز۔ ایک یادگار پرواز ہے۔ کراچی ائیر پورٹ پر صبح سے ہی اخبار نویس۔ پیپلز پارٹی کے کارکن اور رہنما جمع ہونے لگے ہیں۔ ہمیں بھی آج بہت جلد جاگنا پڑا ہے۔ الطاف رانا اپنے ''ہتھیاروں'' سمیت ٹیکسی میں صبح سویرے لینے آ پہنچے۔ رختِ سفر بندھ چکا تھا۔ سردیوں کی دھوپ میں لوگ اس تاریخ ساز سفر کے لمحے گن رہے ہیں۔ یہ سابق میجر جنرل اکبر خاں ہیں۔ یہ سیکرٹری جنرل جے اے رحیم ہیں۔ میر اعجاز علی خان تالپور آ رہے ہیں۔ ان کے بعد میر علی احمد تالپور۔ میر رسول بخش تالپور بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ قاسم پٹیل صاحب بھی آ گئے ہیں۔ ان کے ساتھ ابو بھائی ہیں۔ ان کے حلقے کے پیپلز پارٹی کے کارکن انہیں رخصت کرنے آئے ہیں۔ ایک گاڑی رکی ہے۔ اس میں عبد الحفیظ پیرزادہ، مولانا کوثر نیازی بھٹو صاحب کے ساتھ آئے ہیں۔ تاریخ ساز سفر کا لمحہ قریب آ رہا ہے۔ وی آئی پی لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے راستے میں جناب غلام مصطفیٰ جتوئی سے بھی ملاقات ہو گئی ہے۔ وہ بھی ہم سفر ہیں مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ۔ اور ان کے صاحبزادے مخدوم امین فہیم بھی اس پرواز سے جا رہے ہیں۔ یہ انور علی نون ہیں سرگودھا سے رکن قومی اسمبلی۔ ملتان سے نواب صادق حسین قریشی اور ناصر رضوی بھی ساتھ ہیں۔ سید سعید حسن اپنی بیگم کے ہمراہ چل رہے ہیں۔ وی آئی پی لاؤنج میں آئی اے خاں۔ اقبال قریشی نے اے پی پی کے لئے بھٹو صاحب سے تاثرات لینے شروع کر دیے ہیں۔ بھٹو صاحب نے اپنا وہی عزم دہرایا ہے کہ میں افہام و تفہیم کے مشن پر جا رہا ہوں۔ میں ڈھاکے میں پریس کانفرنس سے خطاب کروں گا۔ سب لوگ دعاؤں اور امیدوں کے ساتھ رخصت کر رہے ہیں۔ یہ مغربی پاکستان۔ مشرقی پاکستان سے بات کرنے جا رہا ہے۔ یہ اکثریت کا احترام ہے۔ اس اصول کو مغربی اور مشرقی پاکستان دونوں بازوؤں کے عوام نے منوایا ہے۔ مغربی پاکستان کی بڑائی ہے کہ وہ اس میں کوئی ہیٹی محسوس نہ کرتے ہوئے فراخدلانہ طور پر مشرقی پاکستان سے گلے ملنے جا رہا ہے۔ ''پرواز تیار ہے''

www.bhutto.org

کی آواز آئی ہے۔اس جہاز کو کیپٹن غنی صاحب لے کر جا رہے ہیں۔جو اس مشن کی اہمیت کے باعث خاص طور پر اس پرواز کے لئے مامور کئے گئے ہیں۔مختلف مسافروں کو مختلف نشستیں ملی ہیں۔بھٹو صاحب اپنی نشست سے اٹھ کر اپنے ہم سفروں سے ملنے آئے ہیں۔مولانا کوثر نیازی نے بھٹو صاحب سے ان کے بہنوئی کے اچانک انتقال پر اظہار تعزیت کیا ہے۔بھٹو صاحب رات بھر اس صدمے سے سو نہیں سکے ہیں۔میر علی احمد تالپور بھی ہماری کلاس میں بیٹھے ہیں۔اکانومی کلاس۔شیخ رشید۔مولانا کوثر نیازی۔حیات محمد شیر پاؤ۔اتنے بڑے جہاز میں اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔میاں عارف افتخار بھی نظر آ رہے ہیں۔ایک مسافر اس جہاز میں زیڈ اے سلہری بھی ہیں۔امروز کے زیڈ کے سلہری۔ایوب خان کے زیڈ اے سلہری۔پاکستان ٹائمز کے زیڈ اے سلہری جماعت اسلامی کے شہید الطاف حسین قریشی کے زیڈ اے سلہری۔''زندگی'' کے زیڈ اے سلہری اور اب پھر پاکستان ٹائمز کے زیڈ اے سلہری۔جو آٹھ روز سے کراچی میں مقیم بھٹو صاحب سے ملنے کی کوشش میں تھے۔اور اب جہاز میں ان کے ساتھ بیٹھنے کے جتن میں مصروف کہہ رہے ہیں کہ یہ نہایت اہم مشن ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں ہمارا ڈھاکے کا نمائندہ ''مس رپورٹنگ'' نہ کرے اس لئے میں خود آیا ہوں۔'' اللہ اللہ احساسِ فرض ہو تو ایسا۔

یہ بھی فکس اَپ والوں میں سے ہیں۔جہاز میں بھی لوگ سیاسی موضوعات میں الجھے ہوئے ہیں۔پاکستان کی حدود سے نکلنے کے بعد اب ہم بھارت کے علاقے پر سے پرواز کر رہے ہیں۔میں اس وقت مولانا کوثر نیازی سے انٹرویو کر رہا ہوں۔اناؤنسر بتا رہا ہے کہ ہم جبل پور سے گزر رہے ہیں۔خبر نہیں جبل پور ہم سے کتنے میل نیچے ہے۔زمین اس وقت بادلوں کی اوٹ میں ہے۔بادل روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔شاعری کے زمانے میں یہ بادل بہت اچھے لگتے اور شاید ایک آدھ شعر بھی کہلوا لیتے۔لیکن سیاست اور صحافت کہیں کا نہیں رہنے دیتیں۔شاعرانہ رگ کو پھڑکنے ہی نہیں دیتیں۔ہم اپنے ہی وطن کے ایک ایسے حصے میں جا رہے ہیں جو جغرافیائی طور پر تو ہم سے دور ہے ہی۔لیکن ہمارے کچھ

افسروں، کچھ سرمایہ داروں نے اپنے استحصال اور ظلم وتشدد سے ہمیں ان سے بہت دور کر دیا ہے۔ مسائل اگرچہ دونوں بازوؤں کے ایک سے ہیں۔ عوام بھی ایک سی پریشانیوں میں گرفتار ہیں۔ لیکن استحصال نے اجنبیت کی ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ اس لئے سیاسی مسائل ایک ہونے کے باوجود دونوں بازوؤں میں جیتنے والی سیاسی پارٹیاں مختلف ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کے حساب سے دونوں بازوؤں میں یکسانیت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی سب لوگ پرامید جا رہے ہیں۔ کیونکہ عوام ایک ہیں۔ عوام کے مسائل ایک ہیں۔ ان کا حل ایک ہے۔ مل بیٹھیں گے۔ ملک کی سلامتی سامنے ہوگی۔ مستقبل سامنے ہوگا تو مفاہمت کی راہ نکل ہی آئے گی۔

پیپلز پارٹی کی ہائی کمان۔ مغربی پاکستان کا سیاسی مستقبل، اس جہاز میں ہے۔ راستہ بھارت پر سے گزرتا ہے۔ عوامی لیگ کو ملنے کے لئے بھارت سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ مشکل جانے کب تک رہے۔ جہاز بادلوں کے اوپر سے پرواز کرتا اب کلکتہ پر سے اڑ رہا ہے۔ خنکی بڑھتی جا رہی ہے، ڈھاکہ نزدیک آ رہا ہے۔ ایسے بھیگے موسم میں بہت کم کپتان جہاز اتارتے ہیں لیکن کپتان غنی ایسے موسم میں جہاز اتارنے میں نام رکھتے ہیں۔ جہاز بھیگ رہا ہے۔ بادل جہاز سے اوپر چلے گئے ہیں۔ مشرقی پاکستان دکھائی دینے لگا ہے۔ ڈھاکہ کی جھونپڑیاں اور بنگلے نظر آنے لگے ہیں۔ بوڑھی گنگا بھی لہریں مار رہی ہے۔ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان سے گلے ملنے کو بے تاب ہے۔ تیج گاؤں ایئرپورٹ ہمیں بلا رہی ہے۔

مشرقی پاکستان..... عوامی لیگ کے بنگلہ دیش میں جہاز کی کھڑکی سے پیپلز پارٹی کا سہ رنگا پرچم نظر آ رہا ہے۔ بادل چھائے ہوئے ہیں۔ بھیگا ہوا موسم ایئرپورٹ پر پیپلز پارٹی کے سہ رنگے پرچم۔ کارکنوں کے سروں پر سہ رنگی ٹوپیاں۔ ایئرپورٹ کی بالکونیوں اور چھتوں پر سہ رنگے بینر۔ سر ہی سر دکھائی دے رہے ہیں۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ نہایت خاموشی اور اطمینان سے ایئرپورٹ پر اتریں گے۔ زیادہ سے زیادہ اخبار نویسوں سے

ملاقات ہوگی۔ اور اس کے بعد ہوٹلوں میں چلے جائیں گے۔ ایک ہجوم استقبال کے لئے آیا ہوا ہے۔ مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کا استقبال کر رہا ہے۔ جہاز لینڈ کر چکا ہے۔ الطاف رانا، اپنے کیمرے سمیت کھڑکی پر پہنچ گیا ہے۔ ابھی سیڑھی لگنے میں دیر ہے۔ ائیرپورٹ کی فضا استقبالیہ دھنوں سے گونج رہی ہے۔ بینڈ باجے والے پیپلز پارٹی کی سہ رنگا ٹوپیاں پہنے مغربی پاکستان کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔ بھیگا بھیگا سماں۔ بینڈ کی دھنیں، پیپلز پارٹی کے رنگ، امید افزا ماحول ہے۔ نگاہیں شیخ مجیب الرحمان کو تلاش کر رہی ہیں۔ مغربی پاکستان ان کے دیش میں آیا ہے۔ لیکن وہ نظر نہیں آ رہے۔ فرسٹ کلاس کے دروازے سے ابھی سیڑھی نہیں لگی۔ لیکن ہجوم اس دروازے کی طرف رینگ رہا ہے۔ کھڑکی کھل گئی ہے۔ مغربی پاکستان ہاتھ ہلا کر مشرقی پاکستان کے استقبال کا جواب دے رہا ہے۔ ہجوم نے بھٹو کو گھیر لیا ہے۔ اس ہجوم کے ریلے نے بھٹو کو وی آئی پی لاؤنج میں پہنچا دیا ہے۔ حفاظتی انتظامات پر مامور پولیس ہجوم کے آگے بے بس ہے۔ وی آئی پی میں اخبار نویسوں سے زیادہ عام لوگ گھس گئے ہیں۔ اس قدر رش ہے کہ اس سردی میں وی آئی پی روم کے پنکھے کھولنے پڑے ہیں۔

بھٹو صاحب کہہ رہے ہیں کہ ''میں پاکستان دیش کے سب سے زیادہ آبادی والے صوبے بنگلہ دیش میں مفاہمت کے مشن پر آیا ہوں۔'' وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ''حکومت چلانے کے لئے اکثریت ضروری ہے۔ لیکن دستور سازی میں سب کا تعاون ناگزیر ہے۔ میں اور میرے ساتھی شیخ مجیب الرحمان اور اُن کے ساتھیوں سے ملیں گے اور ایک دوسرے کے مسائل سمجھیں گے۔'' رش زیادہ ہے۔ زیادہ بات چیت سننے میں نہیں آ رہی ہے۔ ادھر ہٹ کے دیکھتے ہیں تو طارق عزیز پریشان حال کھڑے ہیں۔ ان کی جیب کٹ گئی ہے۔ 250 روپے نکل گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی معراج اور اُن کے واپسی کے ٹکٹ بھی چلے گئے ہیں۔ اُدھر رحیم صاحب بھی یہی شکوہ کر رہے ہیں۔ ان کے 700 روپے گئے ہیں۔ اور بھی کچھ لوگوں کے ساتھ یہ واردات ہوئی ہے۔ تفصیلات ابھی معلوم نہیں ہو رہی

ہیں۔ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے آرنلڈ زٹیلن اپنا ٹیپ ریکارڈ گم کرا بیٹھے ہیں۔شکر ہے کہ ٹیپ بالکل صاف تھی ورنہ کسی اور کے ہاتھ Exclusive لگ جاتا۔اتنے میں قمرالزماں، تاج الدین اور نذرالاسلام صاحب آتے دکھائی دیئے۔انہیں شیخ صاحب نے بھٹو صاحب کے خیر مقدم کے لئے بھیجا تھا۔اور یہ خیر سے اب پہنچ رہے ہیں۔استقبال کرنے والوں کے ہجوم نے اس ''سرکاری'' استقبالیہ وفد کو بھٹو صاحب تک نہیں پہنچنے دیا۔رسمی ملاقات ہوئی کیونکہ ابھی اخبارنویس بھٹو صاحب کو نہیں چھوڑ رہے تھے۔یہیں مسٹر معراج محمد خاں دکھائی پڑے۔یہ ایڈوانس پارٹی کے لوگ ہیں۔مصطفیٰ کھر، طاہر محمد خان، ڈاکٹر مبشر، حنیف رامے، طارق عزیز بھی ان کے ساتھ ہی آ گئے تھے۔

وی آئی پی سے نکلے تو گاڑیوں کی دہائی پڑی ہوئی تھی۔قاسم پٹیل صاحب کے مشرقی پاکستانی دوستوں نے کچھ گاڑیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔مشکل آسان ہو رہی تھی۔ہمیں بھی ایک نیلی ٹویوٹا مل گئی۔ہمیں معلوم ہوا کہ قاسم پٹیل صاحب بھی ساڑھے سات ہزار روپیہ گنوا بیٹھے ہیں۔یہ مغربی پاکستان کا سب سے بڑا نقصان تھا جو جیب کٹنے کے سلسلے میں واقع ہوا تھا۔یہیں الطاف رانا سے ملاقات ہوئی جو ہجوم میں تصویریں اتارتے بچھڑ گئے تھے۔وہ بھی اپنا ایکریڈیشن کارڈ اور 450 روپے کٹوا آئے تھے۔ہم نے اپنا سامان وصول کیا۔باہر نکلے تو تیج گاؤں کے ایئرپورٹ پر ''پنجاب'' یاد آ گیا۔مشرقی پاکستانی بھائی بھٹو کی آمد کی خوشی میں بھنگڑا ڈال رہے تھے۔بھنگڑا کراچی میں پشاور میں، کوئٹہ میں، لاہور میں اور اب ڈھاکے میں بھی۔

نیلی ٹویوٹا ہمیں پہلے کانٹی نینٹل لے آئی۔وہاں کچھ حالات سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔اس لئے ہم پریس کلب چلے آئے کہ کچھ شناسا صورتیں ملیں۔یہاں کے جی بھائی سے ملاقات ہوگئی۔اندر ڈائننگ ہال سے فیض محمد صاحب کی آواز آئی۔وہیں سے پتہ چلا کہ عابد زبیری شہ باغ ہوٹل میں ہیں۔ہوٹل میں کمروں کی دقت تھی۔کیونکہ آر۔سی۔ڈی کے نمائندوں کا رش تھا۔حاجیوں کا ہجوم تھا۔مجیب بھٹو ملاقات کی مناسبت سے بہت سے لوگ

آئے ہوئے تھے۔فیض صاحب اپنی پرانی مورس میں ہمیں ساتھ لے گئے اور چلنے لگے تو حسین نقی بھی لاہور سے آتے نظر پڑے۔اتنے میں عابد زبیری بھی آ گئے۔ان کے ساتھ شہ باغ میں آ کر کمرہ سنبھالا۔پھر ''روچی تا'' کی تلاش میں نکلے۔یہاں قاسم پٹیل اپنے ساتھیوں سمیت لنچ کے لئے گئے تھے۔ہمیں بھی دعوت دے گئے تھے۔مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ہم تنہا ہی لنچ کھا کر کانٹی نینٹل لوٹے۔بھٹو مجیب ملاقات کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگے جو 7 بجے ہونا تھی ساڑھے چھ بج رہے تھے۔انٹر کانٹی نینٹل کے برآمدے ایرانی، ترکی، پاکستانی چہروں سے سج رہے تھے۔سیاسی چہرے بھی دکھائی دے رہے تھے۔کچھ پری چہرہ بھی تھے اور کچھ خالص تاجرانہ چہرے بھی۔

ساڑھے چھ بج رہے تھے۔

بھٹو مجیب ملاقات میں آدھ گھنٹہ باقی تھا۔اس سے پہلے بھٹو صاحب کو ایرانی قونصل میں ایرانی وزیر خارجہ اُردشیر زاہدی سے ملنے جانا تھا۔آٹھ دس منٹ بعد بھٹو صاحب نیچے آئے۔اُن کی کالی ڈاج کے پیچھے ہم نے اپنی نیلی ٹویوٹا لگا دی۔دھان منڈی سے گزر کر ہم گلشن پہنچے اور ایرانی قونصل کی طرف مڑنے لگے تو ٹریفک کانسٹیبل نے دوسری طرف سے آنے والی گاڑیوں کو روک کر ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔اچانک بھٹو صاحب کی گاڑی کچھ آگے جا کر رک گئی۔ہماری گاڑی رکی تو سیدھے ہاتھ والی گاڑی میں ایک جانی پہچانی صورت نظر آئی۔یہ شیخ مجیب الرحمان تھے۔انہوں نے بھٹو صاحب کو آتے دیکھ کر گاڑی کو رکوا لیا تھا۔بھٹو صاحب نے بھی انہیں دیکھ لیا۔دونوں رہنما اپنی گاڑیوں سے اتر کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔شیخ مجیب الرحمان بولے۔

''اوہو! مسٹر بھٹو۔السلام علیکم، آپ کیسے ہیں؟''

''شیخ صاحب شکریہ۔''

www.bhutto.org

''مسٹر بھٹو۔ میں تو یہ پارٹی جلد چھوڑ کر گھر جا رہا تھا کہ آپ کا وہاں خیر مقدم کر سکوں۔ مگر اب آپ کیسے وقت پر پہنچ سکیں گے۔''

شیخ صاحب! آپ جانتے ہیں، میں نے آج تک کبھی تاخیر نہیں کی۔ میں ہمیشہ وقت کا پابند رہا ہوں۔ میں یہاں سے پانچ منٹ میں فارغ ہو کر آ رہا ہوں۔''

''آیئے۔ میں آپ کا منتظر رہوں گا۔''

14 فروری 1969ء کے بعد یہ مجیب بھٹو کی پہلی ملاقات تھی جو سرِ راہ ہو گئی۔ اس وقت صحافیوں میں سے میں اور نظام صدیقی موجود تھے۔ فوٹو گرافر الطاف رانا تھے۔ بھٹو مجیب جب بغل گیر ہوئے تو رانا کی فلیش نہ چلی لیکن اس کے بعد اس نے تین چار تصویریں بنالیں۔ جو خصوصی تصاویر تھیں۔ تاریخی بھی اور بہت قیمتی بھی۔ وہ بہت خوش تھے۔ ایرانی قونصل پہنچے تو ایرانی وزیر خارجہ نے بھٹو کا استقبال کیا۔ بھٹو صاحب نے اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا۔ مولانا کوثر نیازی، حنیف رامے، شیر پاؤ، حفیظ پیرزادہ، مصطفیٰ کھر، معراج محمد خاں، طارق عزیز۔ چند منٹ انہوں نے زاہدی صاحب سے بات چیت کی۔ کچھ دوسرے لوگوں سے۔ اس کے بعد باقی لوگوں کو وہیں چھوڑ کر مصطفیٰ کھر کے ساتھ بھٹو صاحب اس تاریخی ملاقات کے لئے چل پڑے۔ جس کے لئے وہ ایک ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے یہاں تک آئے ہیں۔

ڈھاکہ تاریکیوں کا شہر ہے۔ راستوں پر لگی ہوئی روشنیاں بہت مدھم ہیں۔ گاڑیوں کی روشنیاں راستہ دکھاتی ہیں۔ بہت سے موڑ کاٹتے ہم بالآخر دھان منڈی میں پہنچ گئے ہیں۔ گاڑیوں کی قطاریں لگی تھیں۔ صحافیوں کی سیاست دانوں کی گاڑیاں۔ بھٹو کی گاڑی بنگلے میں پہنچی تو شیخ صاحب باہر تشریف لائے۔ وہ پھر بھٹو سے بغل گیر ہوئے۔ یہ دوسرا معانقہ تھا۔ لیکن یہ باقاعدہ ملاقات تھی۔ کیمروں کے فلیش چل رہے تھے۔ ٹی وی کی روشنی آنکھوں کو چندھیا رہی تھی۔ مجیب صاحب بھٹو صاحب کا تعارف اپنے لیڈروں، ارکان اسمبلی سے کروا رہے تھے۔ قمر الزماں، نذر الاسلام، تاج الدین، خوندکر مشتاق احمد اور کچھ

دوسرے لوگ۔اس کے بعد مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کے ڈرائینگ روم میں چلا گیا۔یہاں بھی کیمرہ مینوں نے اپنا کام جاری رکھا۔اس وقت تک دھڑا دھڑ تصویریں بنتی رہیں۔جب تک شیخ صاحب نے نہیں کہا کہ ''بس کافی ہے۔''

سات بج کر آٹھ منٹ ہوگئے۔کمرے کے دروازے بند ہوگئے ہیں۔اب کمرے میں صرف مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان ہے۔مغربی پاکستان مشرقی پاکستان سے ملنے آیا ہے۔

کمرے کے باہر بھی مشرقی اور مغربی پاکستان جمع ہے۔آزاد کے عبداللہ ملک۔سن کے حسین نقی۔مورننگ نیوز کے نظام صدیقی۔مشہور و معروف زیڈ اے سلہری،خاص طور پر مغربی پاکستان سے آئے ہیں۔ڈھاکہ کے ہر اخبار اور ایجنسی کے لوگ موجود ہیں۔منتظر ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔دروازے کی درز میں سے کہیں سے کوئی آواز باہر نہیں آپا رہی۔ویسے آج شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کو اپنا موقف واضح کرنا ہے کہ انہیں ان کی پارٹی اور مشرقی پاکستان کے عوام نے کیا اختیار دیا ہے۔اور ان کے اختیار میں کیا کچھ ہے۔میں مشرقی پاکستان کے صحافی بھائیوں سے اُن کے تاثر تا جاننا چاہ رہا ہوں کہ کیا ہونے والا ہے۔شیخ صاحب مغربی پاکستان کے عوام کا کچھ خیال کریں گے یا نہیں۔کچھ لوگ زیادہ امید میں نہیں ہیں۔دو تین صحافی تو کہتے ہیں کہ چھ نکات سے اِدھر یا اُدھر کچھ نہیں ہوسکتا۔بعض مایوسی کا شکار ہیں۔انہیں خدشہ ہے کہ کہیں کچھ اور ہی نہ ہو جائے۔

آٹھ بج رہے ہیں۔صحافی دروازے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔دو تین منٹ بعد شیشے میں سے خوندکر مشتاق،نذرالاسلام بھی کمرے میں آکر صوفے پر بیٹھتے دکھائی دیتے ہیں۔پھر وہ بات کر کے چلے گئے ہیں۔اب دونوں رہنما اٹھ کر دروازے کی طرف آئے ہیں۔آہٹ پاتے ہی کیمرے،ٹی وی اور صحافی بالکل اٹینشن ہوگئے۔آٹھ بج کر 25 منٹ ہو رہے ہیں۔دروازہ کھلنے سے پہلے شیشے میں سے اِن دونوں کے چہروں پر تھکن دکھائی دے رہی تھی۔مگر دروازہ کھلتے ہی جب فلیش کی روشنیاں ان پر پڑیں تو چہرے مسکراتے

دکھائی دیئے۔ یہ مسکراہٹ شاید پریس کے لئے تھی یا عوام کے لئے تھی کہ وہ ابھی پُر امید رہیں۔ اخبار نویسوں نے بات چیت کے متعلق سوال کیا تو بھٹو صاحب نے کہا۔

''ہم بات چیت جاری رکھ رہے ہیں۔ ابھی میں یہاں ہوں۔ ہم کل بھی بات کریں گے۔''

مجیب صاحب نے بھی کہا۔

''ہم کل بھی بات چیت جاری رکھ رہے ہیں۔ یہ یہاں ہیں اس لئے اُن سے وقتاً فوقتاً بات چیت ہو سکتی ہے۔''

بھٹو نے کہا۔

''میں نے مجیب صاحب کی باتیں سنی ہیں اور چھ نکات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بات چیت کے متعلق ابھی اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

مجیب صاحب نے کہا۔

''ابھی اس کے بارے میں ہم اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔''

اس کے بعد شیخ صاحب بھٹو صاحب کو رخصت کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ مصطفیٰ کھر نے بتایا کہ اپنی گاڑی تو چلی گئی ہے۔ مجیب صاحب نے اپنی گاڑی کے لئے ڈرائیور کو آواز دی۔ اپنے دو آدمیوں کے ہمراہ بھٹو صاحب کو اُن کے ہوٹل کے لئے 'خدا حافظ' کہتے ہوئے رخصت کیا۔ دونوں کے چہرے خوشگوار تاثرات پیش کر رہے تھے۔ اخبار نویس اندازے لگا رہے تھے کہ ابھی بات چیت آگے بڑھنے کے امکانات میں۔ آج کی میٹنگ میں زیادہ دیر شیخ مجیب الرحمان نے بات کی تھی۔ اپنی پالیسی، اختیارات اور مجبوریاں بتائی تھیں۔

اس کے بعد ہم ٹیلی گراف آفس کی طرف بھاگے تاکہ ''مساوات'' کے لئے خبر بھجوا سکیں۔ ڈھاکہ میں ''مساوات'' کے نمائندے شہزاد منظر ساتھ ہیں۔ ٹیلی گراف سے فارغ ہو کر ہمیں کچھ سانس آیا ہے۔ اس وقت نو بج رہے ہیں۔ ہمیں کراچی سے جدا ہوئے

صرف بارہ گھنٹے یعنی ایک دن ہوا ہے۔ مگر لگ یوں رہا ہے کہ صدیاں گزر گئی ہیں۔ ایک طویل ترین دن ختم ہو رہا ہے۔ کراچی سے رخصت۔ پریس سے بات چیت، آپس میں مشورے، سرراہ مجیب صاحب سے ملاقات، ایرانی وزیر خارجہ سے بات چیت۔ شیخ مجیب الرحمٰن سے باقاعدہ مذاکرات۔ ایک دن میں کتنے اہم واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ کتنے فاصلے طے ہو چکے ہیں۔ آج کا ایک ایک منٹ پھیل کر کتنا طویل ہو گیا ہے۔ یہ بارہ گھنٹے گزشتہ 23 سال پر پھیل گئے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ کا طویل ترین دن رات میں ڈھل رہا ہے۔ ڈھاکہ کی رات رات ہی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی خاص جدت نہیں ہے۔

27 جنوری کے طویل ترین دن کے بعد 28 جنوری کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ شہ باغ ہوٹل سے ہمارا رخ انٹرکون کی طرف ہے۔ جہاں مشرق و مغرب کے گلے ملنے کی رسم ادا ہو رہی ہے۔ وہاں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ آج دونوں پارٹیوں کے ماہرین ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی طرف سے سیکرٹری جنرل جے اے رحیم، حنیف رامے رکن مرکزی کمیٹی شیخ رشید پریذیڈنٹ پنجاب۔ عبدالحفیظ پیرزادہ پریذیڈنٹ کراچی زون۔ رفیع رضا رکن آئین کمیٹی گئے ہیں۔ عوامی لیگ کی طرف سے سید نذر الاسلام خوندکر مشتاق۔ کیپٹن منصور علی۔ قمر الزماں۔ تاج الدین اور ڈاکٹر کمال حسین مذاکرات میں بیٹھ رہے ہیں۔ یہ ماہرین اپنے اپنے نکات پیش کر کے جائزہ لیں گے کہ کہاں کہاں اشتراک کی گنجائش نکلتی ہے اور کہاں کہاں افہام و تفہیم ہو سکتی ہے۔ ہم 1134 کانٹی نینٹل پہنچ رہے ہیں۔ یہ انٹر کانٹی نینٹل ڈھاکہ کی سب سے آخری منزل کا آخری کمرہ ہے۔ یہاں کچھ اخبار نویس اور کچھ پیپلز پارٹی کے لیڈر بیٹھے ہیں۔ 1134 اس سے ملحقہ کمرہ ہے۔ وہاں وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری سلطان محمد خاں بھٹو صاحب سے ملنے آئے ہوئے ہیں۔ چند روز پہلے سنگاپور میں سلطان محمد خاں نے کہیں کہہ دیا تھا کہ "پاکستان بائیں بازو کی طرف نہیں جا رہا ہے۔" اس پر بھٹو صاحب نے اخبار نویسوں سے کہا تھا کہ "سیکرٹری وزارت خارجہ کو دوسرے ممالک کے سامنے یہ کہنے کا کوئی اختیار نہیں ہے، اور نہ دوسرے ملکوں کو تسلی

دینا، سیکرٹری وزارت خارجہ کا دردسر ہے۔ ملک کے اندرونی معاملات پر غیر ممالک سے کوئی بات نہیں ہونی چاہئے۔ یہ پاکستان کا خالصتاً داخلی معاملہ ہے کہ پاکستان کس طرف جارہا ہے۔'' یہ ملاقات 11 بج کر 55 منٹ تک جاری رہی۔ آج کچھ غیر ملکی سفیروں سے بھی بھٹو صاحب کی ملاقات سے ہوئی۔ عوامی لیگ والے ان ملاقاتوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ نہ جانے کیوں؟

آج شیخ مجیب الرحمان کو انٹرکانٹی نینٹل آنا تھا۔

بھٹو صاحب نے اپنے ساتھ آنے والے ارکان اسمبلی اور لیڈروں کو مجیب صاحب سے ملوانے کے لئے انٹرکون کے کوریڈور میں قطار میں کھڑا کردیا تھا۔ چار بج کر سترہ منٹ پر بھٹو صاحب پہنچ گئے۔ شاید مجیب صاحب کا فون آچکا تھا کہ وہ چل پڑے ہیں۔ بھٹو صاحب نے فرداً فرداً سب سے باتیں کیں۔ گھڑی دیکھی اور لوگوں سے باتیں کرتے رہے۔ اتنی دیر میں فرانس کے سفیر اپنی بیگم کے ہمراہ آئے۔ وہ انٹرکون میں کسی سے ملنے آئے تھے۔ وہ بھٹو صاحب کو ملے۔ بھٹو صاحب نے مذاقاً کہا کہ دیکھئے میری پارٹی کے لیڈر تمہارے استقبال کے لئے کھڑے ہیں۔ شیخ صاحب ابھی نہیں آئے تھے۔ انٹرکانٹی نینٹل کے باہر کچھ لوگ بھٹو صاحب کو دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے تھے۔ بھٹو اپنے ساتھیوں سے بات کرتے کرتے اچانک ان لوگوں کی طرف چل پڑے اور دیوار کے اس طرف سے کھڑے ہوکر انہوں نے لوگوں کو سلام کیا۔ مزاج پوچھا۔ لوگوں نے کہا ''آپ ایسا کام کریں کہ لوگوں کا کاروبار شروع ہو۔ غریبوں کی بھلائی کے لئے کچھ کریں۔''

بھٹو نے جواب دیا۔ ''انشاء اللہ کریں گے، ہم سوشلزم اسی لئے لارہے ہیں۔'' پھر ان لوگوں سے کہا ''ہم کوشش کررہے ہیں کہ پاکستان ایک رہے، آپ بھی یہی چاہتے ہیں۔'' لوگوں نے باآواز بلند کہا ''ہاں'' بھٹو نے کہا۔ ''ہاتھ اٹھا کر جواب دیں۔'' سب نے ہاتھ

اٹھا کر نعرہ لگایا۔ ''ایک پاکستان'' بھٹو نے پوچھا۔ ''میں اگر ڈھاکہ سے کھڑا ہوں تو کیا آپ مجھے کامیاب کرادیں گے۔'' عوام نے کہا۔ ''کیوں نہیں آپ پورے پاکستان کے لیڈر ہیں۔'' اس کے بعد بھٹو ''جئے بنگلہ'' کا نعرہ لگاتے ہوئے سلام کرتے ہوئے لوٹے۔ 34-4 پر مجیب صاحب تشریف لائے۔ بھٹو صاحب نے فرداً فرداً اپنے لیڈروں سے تعارف کرایا۔ 4-4 پر مجیب اور بھٹو 1134۔ انٹر کانٹی نینٹل میں داخل ہوئے پھر بات چیت 46-4 پر شروع ہوئی۔ میں اور نظام صدیقی دروازے کے آگے دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ بھٹو صاحب کا خادمِ خاص نور محمد بھی وہیں موجود تھا۔ ہم کچھ دروازے کی درز میں سے سننے کی فکر میں تھے۔ لیکن ڈھاکے کے فوٹو گرافروں کی فوجِ ظفر موج کو ہماری یہ ادا پسند نہ آئی۔ انہوں نے کچھ اندر خانے طے کر کے شور مچایا کہ سب رپورٹر نیچے ملیں گے۔ یہاں کوئی بات نہ کرے۔ سب رپورٹر حضرات نیچے تشریف لے جائیں۔ ایک صاحب چادر اوڑھے آئے۔ انہوں نے کہا ''میرے لیڈر کا یہ حکم ہے کہ رپورٹر یہاں بات نہ کریں۔ یہاں صرف ٹی وی والے اور فوٹو گرافر رہیں گے۔'' میں نے کہا ''کون سے لیڈر کا یہ حکم ہے۔'' کہنے لگے۔ ''یہاں صرف ایک ہی لیڈر ہے۔'' میں نے کہا ''یہ حکم غلط ہے۔ صحافی کی حیثیت سے ہمیں یہاں رہنے کا حق حاصل ہے۔'' نظام صدیقی نے زور دیا۔ ''آج تک جرنلسٹوں نے تو لیڈر بنائے ہیں مگر کسی لیڈر نے کوئی جرنلسٹ نہیں بنایا۔ دنیا کے کسی کونے میں کوئی لیڈر جرنلسٹ پر ایسی پابندی نہیں لگا سکتا۔'' پھر میں نے ان صاحب سے یہ بھی کہا کہ ''دھمکی دینے کی کوئی بات نہیں۔ جرنلسٹ تو اپنے فرض کی ادائیگی کے دوران اپنی جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔'' اب ان صاحب کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑا اور وہ بے بس ہو کر چلے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ صاحب خود کو شیخ مجیب کا پرائیویٹ سیکرٹری بتاتے ہیں۔ خیر اس بات چیت میں خاصا وقت گزر گیا لیکن اس دوران میں کبھی کبھی جو آواز اونچی سنائی دی وہ کچھ اس قسم کی تھی۔ یہ الفاظ مربوط نہیں ہیں۔ ویسے اس میں بھٹو صاحب زیادہ تر بولے۔

بھٹو۔ اگر آپ شیخ صاحب چھ نکات پر بضد رہیں گے تو آپ بھی تباہ ہو جائیں گے اور

میں بھی۔ ہمیں ملک کی سلامتی اور اتحاد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جو میرے خیال میں آپ کو بھی اتنا ہی عزیز ہے جتنا کہ مجھے۔"

مجیب۔"ضد کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یہ میری پارٹی کا موقف ہے اور مجھے اس میں تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جب تک میں اپنی پارٹی اور کارکنوں سے بات نہ کرلوں۔"

بھٹو۔"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اپنی پارٹی اور کارکنوں کے بغیر کوئی فیصلہ کرسکتا ہوں۔" شیخ صاحب خدا کے لئے ٹھنڈے دل سے دوبارہ سوچئے اور اس قسم کی حرف زنی نہ کریں۔ ہم دونوں اس وقت دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر ہم واقعی سوشلزم لانا چاہتے ہیں تو ہمیں کہیں نہ کہیں مفاہمت کرنا ہوگی۔ تبھی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

ان کے اندر کا یہ جو لہجہ تھا یہی بعد میں بھی جاری رہا۔ جب 50-5 پر دروازہ کھلا تو دونوں کے چہروں پر پریشانی اور تذبذب کے آثار تھے۔ جب انہوں نے اخبار والوں کے جواب دینے شروع کئے تو ان میں بھی وہی کاٹ تھی۔

مجیب۔"ہم اپنی بات جاری رکھ رہے ہیں۔ ہم نے مسائل پر بات کی ہے۔ لیکن ابھی بہت مسائل ہیں جن پر بات ہوگی۔"

بھٹو۔"کل دھان منڈی میں پانچ بجے شام بات کریں گے۔"

مجیب۔ ہم اپنی پوری کوشش کررہے ہیں کہ ملک کا دستور بنانے کے سلسلے میں جو رکاوٹیں بھی ہیں انہیں دور کرکے آئین سازی کی طرف بڑھ سکیں۔

بھٹو۔ میں 30 جنوری کو واپس جارہا ہوں۔ پھر بھی جب ضروری ہوا یہاں آسکتا ہوں۔ کل ساڑھے 9 بجے میں طوفان زدہ علاقوں میں جارہا ہوں۔

بھٹو (صحافیوں سے) کیا آپ مطمئن ہوگئے۔"

صحافی۔"نہیں"

مجیب۔"خدا کرے، ویسے ہم کچھ حد تک مطمئن ہیں۔"

بھٹو۔"شیخ صاحب مجھ سے زیادہ جوان نظر آرہے ہیں۔"

www.bhutto.org

صحافی۔ ''بھٹو صاحب آپ بھی کل کی نسبت زیادہ شگفتہ دکھائی دے رہے ہیں۔''

بھٹو۔ ''کل اپنے بہنوئی کے انتقال کے باعث میں رات بھر سو نہیں سکا تھا۔ یہ مشن زیادہ اہم تھا۔ اس لئے میں نے اپنا آنا ملتوی نہ کیا۔

اس کے بعد چلنے لگے تو ٹی وی نے درخواست کی کہ ہمارے لئے خاص طور پر کچھ دیر پوز کریں۔ اس پر بھٹو کہنے لگے۔ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ''اداکاری'' کریں۔

مجیب۔ ''دنیا ایک اسٹیج ہے، ہر شخص اداکار ہے۔''

بھٹو۔ ''جن لوگوں نے اچھی اداکاری کی وہ کامیاب ہوئے اور جو اچھی اداکاری نہ کر سکے وہ ناکام رہے۔''

مجیب۔ ''یہ اداکاری نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ عوام نے ہمارے پروگرام کو ووٹ دیا ہے۔ چہروں کو نہیں۔''

بھٹو۔ ''میرا یہی مطلب ہے کہ ذمہ داری عظیم تر ہے۔''

مجیب۔ ''ویسے مسٹر بھٹو مجھ سے زیادہ خوبصورت ہیں۔''

بھٹو۔ ''اگر میں خوبصورت ہوں تو پھر آپ کو کچھ رعایت دینی چاہئے۔''

اس کے بعد دونوں ہنستے ہوئے چل پڑے اور چلتے چلتے شیخ صاحب کہنے لگے۔ ''کل ہمیں زیادہ اہم نکات پر بات کر کے مذاکرات ختم کرنے چاہئیں۔'' مسٹر بھٹو نے اتفاق کیا اور نیچے جا کر انہیں رخصت کر کے آئے۔

انٹر کون ڈھاکہ پاکستان کے مستقبل کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ساری سیاست یہیں سمٹ آئی ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ دار یہیں براجمان ہیں۔ آدم جی۔ ہارون۔ انشورنس کمپنیوں کے مالکان بھیم جی۔ سیٹھی۔ نیشنل بنک آف پاکستان نے بھی اسی مناسبت سے اپنی میٹنگ رکھ لی ہے۔ اس کے تمام تر ڈائریکٹر بھی آئے ہوئے ہیں۔ اور کچھ سیٹھوں نے اپنے نمائندے بھیج رکھے ہیں۔ ولیکا کے صاحبزادے بھی یہیں گھومتے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ سب سونگھتے پھر رہے ہیں کہ اس ملاقات کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا

ہے یا نہیں۔ یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ کچھ سرمایہ دار شیخ صاحب کو مغربی پاکستان آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ انہوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ جب کراچی آئیں گے تو کراچی ائیر پورٹ پر زبردست استقبال کروائیں گے۔ آپ بالکل فکر مند نہ ہوں۔ ہارون، ولیکا، آدم جی سب سرگرم عمل ہیں۔ کچھ "پیغام رساں" تو ڈھاکہ اور کراچی کے درمیان "شٹل کاک" بنے ہوئے ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ "نیشنلائزیشن" مرکز کے اختیار میں نہ آئے اور صوبوں کو ہی بیرونی ممالک سے تجارت کا اختیار حاصل ہو۔

سرمایہ داروں کی ان سازشوں، انتہا پسندوں سے دباؤ کے درمیان بات چیت ہو رہی ہے۔ دونوں جماعتوں کے ماہرین الگ بات کر رہے ہیں۔ اگلے روز صبح ماہرین کو اپنے مذاکرات کے دوسرے دور کا آغاز کرنا ہے اور بھٹو کو طوفان زدہ علاقوں کے دورہ پر جانا ہے۔

آج مسٹر بھٹو کو ہیلی کاپٹر سے طوفان زدہ علاقوں کے دورے پر جانا ہے۔ میں اور الطاف رانا صبح سویرے شہ باغ ہوٹل سے نکل آئے ہیں۔ وقت ساڑھے آٹھ ہے۔ بنگلہ دیش کے وقت کے مطابق 1134 کے مطابق انٹر کانٹی نینٹل کھلا ہے۔ زیڈ اے سلہری۔ زیڈ اے بھٹو کے حضور نہایت مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ پچھلے دو تین روز سے تخلیے کی ملاقات کے لئے کوشش میں ہیں۔ آج صبح صبح وہ ادھر آ نکلے ہیں۔ لیکن بھٹو صاحب نے دروازہ کھلا رکھوا دیا ہے۔ ان سے جو بھی ملنے آرہا ہے۔ اسے اندر آنے دیا جا رہا ہے۔ پھر اتنے لوگ ہو جاتے ہیں کہ زیڈ اے سلہری اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

45-9 پر ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل سے روانہ ہوتے ہیں۔ ڈھاکہ ائیر پورٹ کے ایک بار میں آرمی کا ہیلی کاپٹر موجود ہے۔ آرمی کے ایک افسر مسٹر بھٹو کو ہیلی کاپٹر کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ مسٹر معراج محمد خاں۔ مسٹر مصطفیٰ کھر۔ مخدوم زمان طالب المولیٰ۔ میجر جنرل اکبر خان۔ ڈاکٹر مبشر حسن۔ نواب صادق حسین قریشی۔ محمد حیات خاں

شیر پاؤ ہیں۔

ہم سب نے پیٹیاں کس لی ہیں۔55-9بج رہے ہیں۔ہیلی کاپٹر مشرقی پاکستان کے سبزہ زاروں سے گزرتا ہوا، ہوا کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔اب زمین کہیں کہیں دکھائی دے رہی ہے۔باقی پانی پھیلا ہوا ہے۔گدلا گدلا پانی۔کہیں کہیں ایک آدھ مکان دکھائی دے رہا ہے۔ایک دم ایک چمک سی آنکھوں کو چندھیا جاتی ہے۔یہ وہ چند مکانات ہیں جو طوفان کی تباہیوں کے بعد تعمیر کیے گئے ہیں ان کی ٹین کی نئی چھتیں سورج کی چمک کو واپس پھینکتی ہیں تو ہیلی کاپٹر میں بیٹھے لوگوں کی آنکھیں چندھیانے لگتی ہیں۔بنگال کے طوفان زدہ علاقوں پر سے گزر رہے ہیں۔ان کے چہروں پر گھمبیر اداسی، آنکھوں میں گہرائی ہے۔یہاں کبھی لوگ بستے تھے، مسکراتے تھے، فصلیں لہلہاتی تھیں۔اب پانی ہے، کیچڑ ہے اور زمین بوس مکانات ہیں۔نومبر، دسمبر، جنوری تین مہینے ہو چکے ہیں۔طوفان آئے لیکن زمین پر طوفان کی تباہ کاریاں ابھی تک پڑھی جا سکتی ہیں۔یہ بھرے پرے گاؤں کیا ہوئے۔گلیوں میں کھیلتے بچے کیا ہوئے۔یہ تین چار مکانات، بچھڑنے والے ہزاروں ہم وطنوں کی یاد دلاتے ہیں۔کبھی یہاں بستیاں آباد تھیں۔ہم پاکستان کی سالمیت اور محبت کے دعوے دار اپنے لاکھوں ہم وطنوں کی موت کا افسوس کرنے تین مہینے کے بعد پہنچ رہے ہیں۔جواب نہیں ہماری محبت کا۔ہیلی کاپٹر نیچے اتر رہا ہے۔شہر کے لوگ اس طرف بھاگ رہے ہیں۔خاردار تاروں کے احاطے میں ہیلی کاپٹر اتر گیا ہے۔غریب مزدور کسان بھاگ رہے ہیں۔ہیلی کاپٹر ان کے لئے روز کا معمول بن چکے نہیں۔مگر یہ ہیلی کاپٹر امدادی سامان نہیں لایا ہے۔مغربی پاکستان سے چند ہم وطنوں کو لایا ہے۔

گیارہ بج کر تیس منٹ ہوئے ہیں۔یہ پتوا کھالی ہے۔مسٹر بھٹو ہجوم میں چلے گئے ہیں۔لوگ شکایت کر رہے ہیں کہ انہیں امدادی سامان صحیح طریقے سے نہیں مل رہا ہے اور اگر راشننگ شروع نہ کی گئی تو بہت سے لوگ مر جائیں گے۔بھٹو صاحب نے انہیں تسلی دی کہ ہم نے ہیلی کاپٹر سے دیکھا ہے کہ بہت زیادہ تباہی ہوئی ہے۔میں واپسی پر گورنر سے بات

کروں گا۔اور آپ کی سب باتیں ان تک پہنچاؤں گا۔ پتوا کھالی کے ڈپٹی کمشنر ریلیف کمشنر اور آرمی کے آفیسر ریلیف سنٹر کی طرف لے کر چل رہے ہیں۔اندر کچھ نقشے ہیں جو پتوا کھالی میں امدادی کام کی تفصیلات بتاتے ہیں۔یہاں کچھ چائے کا اہتمام کیا گیا ہے۔میں، معراج محمد خاں اور الطاف رانا باہر عام آدمیوں سے بات کرنے کے لئے نکل آئے ہیں۔ایک صرف دھوتی میں ملبوس ادھیڑ عمر ہم وطن کو ہم نے روکا۔اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔مگر اس کی آنکھوں میں تیرتی اداسیاں ہمارے سب سوالات کا جواب تھیں اردو وہ نہیں جانتا تھا۔ہمارا مختصر سا بنگالی الفاظ کا ذخیرہ جواب دے گیا۔ایک اور طالب علم نظر آئے۔ان سے امداد وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا تو وہاں بھی شکایتوں کا ایک دفتر تھا۔ان کا کہنا تھا کہ علاقے کے چیئرمین اپنے لوگوں کو زیادہ امداد دیتے ہیں۔واپسی پر ہیلی کاپٹر پر جانے سے پہلے انہوں نے پھر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''ہم نے کچھ دیکھا اور تھوڑی بہت واقفیت حاصل کی ہے۔میں ڈھاکے میں جا کر گورنر صاحب سے بات کروں گا۔یہ بہت بڑی مصیبت تھی۔تکلیف تھی۔آپ نے بڑی ہمت اور بہادری سے مقابلہ کیا۔خدا آپ کو خوش رکھے اور ملک سلامت رہے۔آپ کی کوششوں اور دعا ہی سے یہ ملک سلامت رہ سکتا ہے۔ساری قوم کوشش کرے تو ملک سلامت رہے گا۔تین چار آدمیوں کی کوشش سے ملک سلامت نہیں رہ سکتا۔''

بارہ بجے کے قریب ہیلی کاپٹر ہمیں رانگابلی لے گیا۔یہاں تعمیر کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا دکھائی دیا۔معلوم ہوا ہے کہ یہ اس علاقے کا سب سے زیادہ متاثر ہونے والا علاقہ ہے۔یہاں کم از کم 50 فیصد جیتے جاگتے ہم وطن ہلاک ہو گئے۔ملبے کے ڈھیر اس ہلاکت کی داستانیں سنا رہے ہیں۔یہ بزرگ، یہ بچے، یہ نوجوان اس طوفان کی منہ بولتی کہانیاں ہیں۔جو انسانوں کو بہا کر لے گیا۔جو اس صدی کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔یہ ہمارے ہم وطن ہیں۔مگر ہمارے دل ان کے ساتھ نہیں دھڑکتے تھے۔ورنہ یہ طوفان، شہروں اور قصبوں کو تو مٹا لیتا مگر دلوں کے رشتے نہیں مٹا سکتا تھا۔مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان میں گھرا کیچڑ،

دلدل میں سے تنگ سی پگ ڈنڈی پر چل رہا ہے۔ایک پختہ مکان جو طوفان کے مقابلے میں سخت جان واقع ہوا۔اس کی دہلیز پر کھڑے ہو کر مسٹر بھٹو نے اپنے ان بھائیوں سے خطاب کرنا شروع کر دیا ہے۔

"ہم نے اپنی آنکھوں سے اتنا زبردست نقصان دیکھا ہے جو ہمارے زمانے میں اب تک نہیں ہوا۔نومبر میں ہی میرا ارادہ تھا کہ میں یہاں آؤں۔لیکن اس وقت حکومت کی کوشش کے بغیر ہم آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔یہ اتنی بڑی تباہی تھی کہ کسی سیاسی جماعت تو کیا ہماری حکومت کے بس میں بھی نہیں تھا کہ اس کی تلافی کر سکے۔دوسری حکومتوں کو بھی اس سلسلے میں امداد کرنا پڑی۔اب میں آیا ہوں۔مغربی پاکستان کے لوگوں کا محبت کا پیغام پہنچانے۔آپ یہ نہ سوچیں کہ جب آپ پر مصیبت ٹوٹی تھی تو اس وقت مغربی پاکستان کے عوام نے اسے محسوس نہیں کیا تھا۔انہوں نے اس مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھا تھا۔انہیں بڑا دکھ تھا۔ پنجاب، سندھ، بلوچستان کے لوگوں نے جو کچھ بس میں تھا، امداد کی۔ آپ کو مکانوں کی ضرورت ہے۔کپڑے کی ضرورت ہے۔یہ تباہی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔میں گورنر سے آج شام بات کروں گا۔ہم سے جو خدمت ہو سکے گی کریں گے۔اور جب عوامی حکومتیں بنیں گی تو ہم اور بھی زیادہ کوشش کریں گے۔"

یہاں کے لوگوں سے رخصت ہو کر ہیلی کاپٹر ہمیں چور فیشون لے آیا۔یہ بہت بڑا قصبہ نظر آ رہا تھا۔ہیلی کاپٹر کو اترتا دیکھ کر لوگ اس طرف بھاگ رہے تھے۔ہمیں ہیلی کاپٹر سے شہر خالی ہوتا نظر آ رہا ہے۔گلیاں، سڑکیں، کوچے انسانوں کو لے کر دوڑ رہے تھے۔ہیلی کاپٹر کے اترنے تک ہزاروں افراد جمع ہو چکے تھے۔ایک اسکول کی عمارت کے احاطے میں یہاں کے کچھ لیڈروں نے لوگوں کو بٹھا دیا اور بھٹو صاحب نے تقریر شروع کی۔یہ تقریر پہلی

تقریروں کی طرح اردو میں تھی۔ پہلے کی طرح ڈپٹی کمشنر پتوا کھالی اس کا بنگلہ میں ترجمہ کررہے تھے۔لیکن یہ تقریر ترجمے کے بغیر بھی لوگوں کو سمجھ آرہی تھی۔ بھٹو صاحب نے کہا۔

''ہم دوروز سے ڈھاکے میں بات چیت کررہے ہیں۔انتخابات میں کامیاب ہونے کے بعد ہماری یہ بات چیت مستقبل کے لئے ہے۔لیکن میرے نزدیک زیادہ اہم بات آپ سے ملنا تھا۔یہ بہت بڑا حادثہ تھا جو آپ پر ٹوٹا۔اتنی مصیبتیں اور اتنی تکلیفیں۔اب ہم نے جو دورہ کیا ہے وہ اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ بے حد نقصان ہوا ہے۔فصلیں تباہ ہوگئی ہیں۔اتنے لوگ مرگئے ہیں۔اتنی بڑی مصیبت دنیا میں کہیں نہیں آئی۔آپ نے جس بہادری سے حالات کا مقابلہ کیا ہے وہ تاریخ کا ایک انمٹ باب ہے۔غریب لوگ ہی مصیبت کا بہادری سے مقابلہ کرتے ہیں۔23 برس میں ہمارے ساتھ قدرتی ناانصافیاں نہیں ہوئیں انسانوں نے بھی استحصال کیا ہے۔اگر نظام درست ہو تو دنیا کے تمام مطالبات پورے ہوسکتے ہیں اور مسائل کا حل مل سکتا ہے۔میرے بھائیو! پاکستان میں جو غربت ہے دنیا میں کہیں اور ایسی غربت نہیں ہے۔ہماری زمین اچھی ہے۔لوگ محبت بھی کرتے ہیں۔وسائل بھی ہیں۔لوگ بہادر بھی ہیں۔پھر بھی غربت کیوں ہے۔اگر غریب مزدور کسان کے مطالبے پورے ہوں۔بیج ملے۔زمین ملے،حقوق بحال ہوں تو کیوں ان کے بچے خوش نہیں ہوسکتے۔پاکستان پیپلز پارٹی نے 23 برس کا جائزہ لے کر اپنی توجہ خاص طور پر اس طرف دی کہ ملک سے استحصال ختم کیا جائے۔موجودہ نظام تبدیل کرکے انصاف پسند اور سوشلزم کا نظام لائیں۔مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے عوام کو، غریبوں کو کپڑے صحت تعلیم روٹی کا پروگرام دیا۔اس لئے مغربی پاکستان

کے بھائیوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کو کامیاب کیا۔ ہمارے ملک میں یہ پہلا الیکشن تھا۔ جہالت بھی موجود تھی۔ لیکن اس میں عوام کا قصور نہیں تھا۔ حکومت اور نظام کا قصور تھا۔ ہماری پارٹی کے خلاف بہت کوشش کی گئی۔ پریس خلاف تھا۔ بڑے لوگ مخالف تھے۔ مسلمانوں کو عوام دشمنوں نے کافر کا خطاب دیا۔ کیونکہ ہم تو سچے مسلمان ہیں۔ ہم نے کہا کہ یہ کافر اور مسلمان کی جنگ نہیں تھی۔ مظلوم اور ظالم کی جنگ ہے۔ مغربی پاکستان کے جن لوگوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کو کامیاب کیا۔ ہمارا ایک ہی پوائنٹ ہے۔ غربت کو ختم کرنا، ظلم کو ختم کرنا، انصاف کا قیام۔ ہماری کامیابی اگرچہ مغربی پاکستان میں ہوئی ہے لیکن پاکستان ایک ہے۔ ملک ایک ہے۔ ہم نے آپ کی خدمت کرنی ہے۔ پرجوش خدمت۔ ہم یہاں بھی جان کی ایسی ہی بازی لگائیں گے جیسی وہاں لگائیں گے۔ جیسے آپ کو یہاں لوٹا گیا ہے، سرمایہ داروں نے خون چوسا ہے۔ وہاں کے سرمایہ دار بھی غریبوں کا خون چوس رہے ہیں۔ ہمارا مقابلہ بھی ان ہی کے ساتھ ہے۔ ہماری اور آپ کی لڑائی ایک ہے۔ ہم مل کر کامیاب ہوں گے، جو ملک کے دشمن ہیں۔ وہ ہم کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں وہ اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے درمیان تعاون نہ ہو۔ یہ کوشش وہ بڑے لوگ کر رہے ہیں جنہیں خطرہ ہے کہ عوامی حکومت آئے گی تو ان کی اجارہ داریاں خطرے میں پڑیں گی۔ وہ اس وقت ڈھاکے سے کراچی، کراچی سے ڈھاکے کے چکر کاٹ رہے ہیں۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ ان کے ارادے کامیاب نہ ہوں۔ جب تک عوام کی طاقت ہمارے ساتھ ہے ہم ان سب کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تمام طاقتوں کا متحد ہو کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ملک کی سلامتی

میرے ہاتھ میں ہے نہ کسی اور کے ہاتھ میں آپ کے ہاتھ میں ہے۔ تیرہ کروڑ عوام کے ہاتھ میں ہے۔ آپ دنیا کی باتیں سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو قابلیت دی ہے۔ عقل دی ہے۔ غریبوں کو جو آنکھیں اور کان دیے ہیں سرمایہ داروں کو اللہ تعالیٰ نے وہ آنکھیں اور کان نہیں دیے۔ ہمیں عوام پر اعتماد ہے۔ آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں قبول ہوگا۔ ہمیں آپ کی امنگوں اور آزادی کا پورا خیال ہے۔"

ایوب خان نے پاکستان کے غریبوں پر بڑا ظلم کیا تھا۔ ایوب خان کے خلاف جدوجہد کس نے شروع کی۔ کب آغاز کیا۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں عوام کو جو تکلیف پہنچائے گا وہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہوگا۔ ہم پاکستان کو ایک رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک رکھیں گے۔ آپ اگر پاکستان ایک چاہتے ہیں تو ہاتھ اٹھا کر جواب دیں۔ (سب نے ہاتھ اٹھا کر اعلان کیا۔ "ایکا پاکستان") ہاں غریبوں کا پاکستان ایک رہا ہے۔ ایک رہے گا۔ امیروں والا نہیں۔ بھٹو صاحب کی تقریر تالیوں کی گونج میں ختم ہوئی اور انہوں نے "جئے بنگلہ" کا نعرہ لگا کر رخصت چاہی۔

وہاں سے نکل کر قریب کے ایک اسکول میں گئے۔ اِدھر اُدھر لوگوں سے ملے۔ شکایات سنیں یہاں سب لوگ مجسم شکایت بنے ہوئے تھے۔ روٹی، کپڑے اور مکان کا مسئلہ تھا۔ کسی کو دستور یاد تھا نہ کچھ نکات۔ کسی نے چھ نکات کا نام تک نہیں لیا۔ واپسی پر ہیلی کاپٹر پر سوار ہو کر رخصت ہونے لگے تو ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے پولیس سے کہا کہ لوگوں کو ذرا دور ہٹا دیں۔ کہیں کوئی ہیلی کاپٹر کے پنکھے کی زد میں نہ آجائے۔ پولیس نے اپنی روایتی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کو ہٹاتے ہٹاتے ایک شخص کے لاٹھی ماردی۔ اس پر مجمع بپھر گیا اور قریب تھا کہ اس سپاہی کی وردی وغیرہ اتار دی جاتی۔ معراج محمد خاں بیچ میں جا پہنچے اور سپاہیوں کو دھکا دے کر ایک طرف ہٹا دیا اور جس شخص کے لاٹھی لگی تھی۔ اسے گلے لگایا۔ بھٹو صاحب ہیلی کاپٹر سے بولے۔ "معراج! اسے یہاں لاؤ۔" انہوں نے اس شخص کو گلے

لگایا۔ تسلی دی اور پھر اردو میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ جو واقعہ ہوا ہے اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔ یہ زیادتی کی بات ہے۔ عوامی حکومتوں میں لاٹھی گولی نہیں چلے گی۔ میں عوام میں سے ہوں۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ ہم نے بھی لاٹھیوں اور گولیوں کا مقابلہ کیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں ہمارے زخم باقی ہیں۔ لیکن عوامی دور میں اب یہ ظلم اور تشدد نہیں ہوگا۔ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ یہ جو اتفاقیہ یا غلطی سے حادثہ ہوا ہے۔ میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ خدا حافظ۔''

اس تقریر نے لوگوں کے جذبات کا رخ پھیر دیا ہے۔ لوگ ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اور ہیلی کاپٹر اوپر اٹھ رہا ہے۔ اب ہم ڈھاکے جا رہے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ پاکستان کے غریب مزدور کسان طبقے سے تعلق رکھنے والے کہیں بھی ہوں ایک ہی طرح سوچتے ہیں۔ اگر مسٹر بھٹو نے مشرقی پاکستان میں بھی کام کیا ہوتا تو آج کے سیاسی حالات کتنے مختلف ہوتے۔

ہیلی کاپٹر ڈھاکے اتر رہا ہے۔ ہماری نیلی ٹویوٹا کو ابراہیم لئے کھڑا ہے۔ اس نیلی ٹویوٹا نے ہمیں متحرک کر رکھا ہے۔ دو بج رہے ہیں۔ آج پانچ بجے دھان منڈی میں بات ہونا ہے۔ ہماری عدم موجودگی میں ماہرین کی بات ہوئی ہے۔ یہ بات چیت نہایت اہم ہے۔

پانچ بجے دھان منڈی میں پھر وہی ہجوم تھا۔ بھٹو مجیب اندر گفتگو میں مصروف تھے۔ باہر ڈاکٹر مبشر حسن ڈھاکے کے صحافیوں سے ہیلی کاپٹر سے طوفان زدہ علاقوں کے دورے کی بات چیت کر رہے تھے۔ مشرقی پاکستان کے صحافی بھائی اس میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ انہیں اس میں کوئی زیادہ اہم بات محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے طوفان زدہ علاقوں میں مشرقی پاکستانیوں سے بات چیت کی۔ باہر لوگ صبح کی ماہرین کی گفتگو کے بارے میں اظہار خیال کر رہے تھے۔ پتہ یہ چلا کہ صبح کے مذاکرات میں بڑا

www.bhutto.org

شدید تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کا اثر آج کی گفتگو پر ہو۔

آج کی گفتگو خلاف توقع جلد ختم ہو گئی ہے۔ چھ بج کر سات منٹ پر یہ لیڈر باہر نکل آئے ہیں۔ دونوں کے چہرے اترے ہوئے ہیں۔ آج باوجود کوشش کے وہ پریس کے لئے بھی مسکرا نہیں سکے۔ آج اخبار نویسوں سے زیادہ بات بھٹو صاحب کر رہے ہیں کہ آپ کوئی غلط نتائج نکالنے کی کوشش نہ کریں۔ ہمیں ملک کی سلامتی کے متعلق پُر امید رہنا چاہئے۔ میں اب واپس جا کر اپنی پارٹی کے لیڈروں سے بات چیت کروں گا۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ ہمارا کام بہت مشکل ہے۔ پھر بھی امید ہے کہ ہم حل تلاش کر لیں گے۔

مجیب صاحب نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ "ہم کل نہیں مل رہے ہیں۔" لوگوں کا ہجوم زیادہ ہے بھٹو صاحب کو گاڑی تک جانے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔ مجیب صاحب سخت غصے میں ہیں۔ ان کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دے رہی ہے۔ وہ اپنے کارکنوں کو ڈانٹتے ہوئے راستہ بنا رہے ہیں۔ بھٹو صاحب چلے جاتے ہیں تو مجیب صاحب اخبار والوں کو پھر گھیر کر اپنے ڈرائنگ روم میں لے جاتے ہیں اور واضح طور پر بتاتے ہیں کہ ہماری پارٹی چھ نکات کی پابند ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس 15 فروری کو بلایا جائے۔ منتخب ممبروں کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد آئین بنائیں۔ عوامی لیگ کو صرف مشرقی پاکستان میں نہیں پورے پاکستان میں اکثریت حاصل ہے۔ عوامی لیگ صرف بھٹو سے مفاہمت کے لئے نہیں بلکہ سرحد اور بلوچستان کے نمائندوں سے بھی ملنے کو بے تاب ہے۔ جب بھی ممکن ہو گا۔ دوسرے گروپ لیڈروں سے بھی ملاقات کروں گا۔ جنہیں ان کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ویسے ہم اکیلے بھی آئین بنا سکتے ہیں۔"

مجیب صاحب اخبار نویسوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ میں ان کے کمرے میں لگی ہوئی تصاویر دیکھ رہا ہوں۔ ایک تصویر میں مجیب الرحمان چیئرمین ماؤزے تنگ سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی خانہ کعبہ کی تصویر ہے۔ ایک طرف ٹیگور ہیں۔ نذر الاسلام ہیں۔ فضل الحق ہیں۔ ایک طرف شیخ مجیب الرحمان پلٹن میدان میں ایک بہت بڑے جلسۂ عام

www.bhutto.org

سے خطاب کر رہے ہیں۔ ہم باہر نکل آئے ہیں۔ اخبار والے بھٹو صاحب کی تلاش میں انٹر کانٹی نینٹل پہنچے ہیں۔ وہ مجیب صاحب کی پریس کانفرنس پر بھٹو صاحب کے تاثرات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بھٹو صاحب کمرے میں موجود نہیں ہیں۔ وہ شاید گورنر احسن سے بات کرنے گئے ہیں۔ طوفان زدہ علاقوں میں انہوں نے متاثرہ لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُن کی مشکلات سے گورنر کو آگاہ کریں گے۔

اگلے روز لانچ کا سفر ہے۔ یہ تفریحی سفر ہے جس کا انتظام پیپلز پارٹی کے وفد کے لئے کیا گیا ہے۔ شیخ صاحب تشریف لانے والے ہیں۔ صبح کے دس بج رہے ہیں۔ آج ہماری نیلی ٹیوٹا نہیں آئی ہے۔ اس لئے ہمیں دوسروں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ آج کے سفر میں پریس والوں کو نہیں بلایا گیا۔ اس لئے ہمارے میزبان عوامی لیگ والے مجھے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہیں ہیں۔ قاسم پٹیل صاحب کے ایک مشرقی پاکستانی دوست اپنی گاڑی میں مجھے لے کر چلتے ہیں۔ قافلہ جا چکا ہے، ہم صدر گھاٹ پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے لانچ جا چکی ہے۔ مگر اس قافلے کو نرائن گنج کے گھاٹ سے لانچ پر سوار ہونا ہے۔ نواب پور روڈ پر اس وقت ٹریفک کا انتہائی رش ہے۔ ہم انچ انچ سرکتے بڑھ رہے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ لانچ اس وقت تک جا چکی ہوگی۔ لیکن صرف دو منٹ پہلے میں نے لانچ کو جا لیا۔ شیخ صاحب کے پریس سیکرٹری بادشاہ حسین مجھے دیکھتے ہی بولے۔ ''پریس نہیں جائے گا۔'' بھٹو صاحب جو شیخ صاحب کے ساتھ کھڑے تھے، انہوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا۔ ''یہ میرے ساتھ ہیں'' اس سفارش پر مجھے اندر جانے کا ''پاسپورٹ'' مل گیا۔ لانچ پر مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے ممتاز رہنما، پارلیمانی کمیٹی اور کئی ارکانِ اسمبلی تھے۔ دریائے میگھنا کی لہریں اس لانچ کو لئے چل رہی تھیں۔ یہ لانچ ''نابک'' اس وقت پاکستان کا مستقبل اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھی۔ ملک کے دو حصوں کے تمام اہم رہنماؤں کو یوں مل بیٹھنے اور بات کرنے کا موقع مل گیا تھا اور سب مل جل کر آئینی مسائل پر بات کر رہے تھے۔ شیخ مجیب الرحمان پیپلز پارٹی کے لیڈروں میں گھرے بیٹھے ہیں۔ بھٹو

صاحب عوامی لیگی رہنماؤں میں کھڑے ہیں۔ یہاں عوامی لیگ کے تینوں گروپ نظر آرہے ہیں اور اپنے اپنے مزاج کے لوگوں سے مل رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے ایک دانش ور نے پیپلز پارٹی کے ایک لیڈر سے پوچھا کہ آپ مجیب صاحب کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ انہوں نے جو جواب دیا وہ اس دانش ور کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ انہوں نے کہا کہ ''امریکی ایجنٹ''، اس کے بعد اس دانشور کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ رہا۔ اس لانچ پر گفتگو سنتے ہوئے ہمیں یہ بھی احساس ہوا کہ اسمبلی کے طریق کار کے اعتبار سے پیپلز پارٹی کے پاس زیادہ اچھا بولنے والے پارلیمنٹرین موجود ہیں۔ عوامی لیگ کے ارکان اسمبلی میں سے اکثر چھ نکات کے بارے میں جذباتی تو بہت ہیں۔ لیکن ان کے مضمرات پر زیادہ تفصیل سے بات نہیں کر سکتے۔ نا بک ''ایک پاکستان'' کا تصور پیش کر رہی ہے۔ دریائے میگھنا کی لہروں پر نا بک آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ منشی گنج کے قریب آس پاس سے گزرتی کشتیاں لانچ کے قریب آتی ہیں اور بھٹو مجیب زندہ باد کے نعرے بلند کرتی ہیں۔ مشرقی پاکستان کے یہ مظلوم عوام بھٹو مجیب کو ایک دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اس خواہش کا اظہار ہے کہ یہ دونوں رہنما کسی ایک سمجھوتے پر پہنچ جائیں اور اقتدار عوام کو منتقل ہو جائے۔ بگڑتی ہوئی اقتصادی صورتِ حال درست ہو۔ میر علی احمد تالپور لانچ کی چھت پر کھڑے مشرقی پاکستان کے حسن سے متاثر ہو رہے ہیں۔ طارق عزیز اداس ہیں۔ معراج محمد خان لوگوں سے مل رہے ہیں۔ عبدالحفیظ پیرزادہ ڈاکٹر کمال حسین سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ کچھ لوگ الطاف رانا سے تصویریں کھنچوانے میں مصروف ہیں۔ قاسم پٹیل، اورینٹ ایڈورٹائزر کے ہاشمی صاحب۔ عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل قمرالزماں سے بات چیت کر رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے اسٹوڈنٹ لیڈر طفیل احمد، معراج محمد خان سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ لانچ کی تین منزلیں ہیں۔ تینوں منزلوں پر مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کا یہ سفر بڑا نازک ہے۔ دریا کی لہروں پر انحصار ہے۔ لہریں اسی رفتار پر رہیں تو شاید سفر مکمل ہو جائے ورنہ یہ دریا بہت گہرا ہے۔ سازشیں

بھی ہو رہی ہیں۔

لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔ دریا کی ٹھنڈی فضا میں بریانی۔ مرغ گوشت ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ مغربی پاکستان والوں نے بہت کم کھایا ہے۔ اسی اثناء میں ایک دلہن کی طرح سجی ہوئی لانچ ہماری لانچ کے ساتھ آملی ہے۔ سنا ہے یہ سرکاری لانچ ہے۔ شیخ صاحب اور بھٹو صاحب اس لانچ میں منتقل ہو گئے ہیں۔ 2 بج رہے ہیں۔ لانچ قریب آ کر دور چلی گئی ہے۔ مجیب صاحب اپنے دو باڈی گارڈوں کے ساتھ گئے ہیں۔ بھٹو صاحب اکیلے گئے ہیں۔ لانچ آگے چلی جاتی ہے، کبھی قریب آ جاتی ہے۔ نا بک لانچ پر بیٹھے سب لوگوں کی نظریں اس لانچ پر لگی ہیں۔

اس لانچ پر صرف نا بک لانچ والوں کی نہیں۔ دنیا بھر کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ (نظریں اب بھی لگی ہوئی ہیں۔ وہ لوگ اب ایک لانچ پر نہیں۔ دو مختلف لانچوں پر سوار ہیں۔ طوفان میں دونوں لانچیں ہچکولے لے رہی ہیں۔ دل دھڑک رہے ہیں اور.....)

یہ لانچ ہمارے آگے آگے تھی۔ اور اب ستر میل تک آنے کے بعد واپس ڈھاکے کی طرف چل پڑے تھے۔ کسی صاحب نے بتایا کہ ہم رنگ پور آ گئے ہیں۔ الگ ایک چھوٹی سی لانچ میں پنجاب عوامی لیگ کے برکت سلیمی اور حامد سرفراز ہیں۔ وہ ہماری لانچ کا پیچھا کرتے ہیں۔ میگھنا بڑے سکون سے بہہ رہا ہے۔ ماہی گیروں کے "نوکے" نانِ شبینہ کی تلاش میں جال لٹکائے لہروں کے رحم و کرم پر بیٹھے ہیں۔ لانچ کا یہ ستر میل کا سفر پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کے رہنماؤں اور ارکانِ اسمبلی کو کتنے انچ آگے لایا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ میچ ڈرا ہونے کی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ لوگ باتیں کر کر کے تھک چکے ہیں۔ مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات۔ کرنسی ٹیکسیشن، غیر ملکی امداد و غیر ملکی تجارت،

یوں لگتا ہے کہ مشرقی پاکستان کے یہ رہنما مشرقی پاکستان کی طرح مغربی پاکستان کو بھی ایک یونٹ کہتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ملک میں غیر ممالک سے تجارت کرنے والے صرف دو گروپ ہی ہوں گے۔ان کے لئے خارجہ پالیسی کی حدود کافی ہیں۔ان سے یہ عرض بھی کیا جارہا ہے کہ اب تو آپ کو اتنی اکثریت حاصل ہے۔آپ مرکز میں حکومت بنا سکتے ہیں۔ مرکز میں آئیں اور مشرقی پاکستان کے لئے جو کچھ بھی آپ کرنا چاہتے ہیں کریں۔اس طرح پانچ خارجہ پالیسیاں بن جائیں گی۔مگر وہ کہتے ہیں کہ حب الوطنی اور ملک کی سلامتی کا ٹھیکہ صرف مغربی پاکستان نے نہیں اٹھا رکھا ہے۔اب ہمیں اگر اپنے صوبے کے لئے کچھ کرنے کا موقع ملا ہے تو ملک کی سلامتی کیوں خطرے میں پڑنے لگی ہے۔ہم جو قابل عمل خارجہ پالیسی بنائیں گے۔اس کی حدود کے اندر ہی صوبے غیر ملکی تجارت اور غیر ملکی امداد کے سلسلے میں بات چیت کر سکیں گے۔

بھٹو اور مجیب صحن سے اتر کر کیبن میں چلے گئے ہیں کیونکہ خنکی بڑھ گئی ہے۔عوامی لیگ کے نمائندے بظاہر یہ احساس دلا رہے ہیں کہ 23 سال کے مسلسل جبر کے بعد اب انہیں اپنی قسمت خود سنوارنے کا موقع ملا ہے تو اس میں وہ ایک انچ بھی مصالحت نہیں کریں گے۔اس سلسلے میں وہ مغربی پاکستان کے جذبات سے بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں موجود حضرات میں سے صرف عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل قمر الزماں مغربی پاکستان کے کئی مفصل دورے کر چکے ہیں۔انہیں مغربی پاکستان کے لوگوں کے جذبات کا علم ہے۔اس لئے وہ کچھ نرم بھی ہیں۔باقی رہے شیخ صاحب 1969ء میں رہائی کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے گول میز کانفرنس میں گئے۔پھر کراچی میں آئے تو جی ایم سید سے معاہدہ کر گئے۔اس کے بعد پھر 1970ء میں آئے۔ایک جلسہ کر کے گئے۔انہیں ان کے مغربی پاکستانی لیڈروں نے صحیح صورتِ حال سے آگاہ نہیں ہونے دیا۔

عوامی لیگ کا ایک گروپ ترقی پسند گروپ کہلاتا ہے۔وہ پیپلز پارٹی کے ذرا زیادہ ترقی پسند گروپ کی تلاش میں تھا۔ان کی ملاقات ہوئی اور مشرقی و مغربی پاکستان کے مزدوروں

کسانوں کی جدوجہد کی بات ہوئی۔ان لوگوں کا بھی ذکر آیا جو عوامی انقلاب کے لئے کام کررہے ہیں۔پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے ان سے پوچھا کہ مجیب صاحب ان کی جان کے کیوں درپے ہیں۔کیا وہ وطن دشمن ہیں۔اس سلسلے میں عوامی لیگ کے ترقی پسند گروپ کا موقف واضح نہ تھا۔اور وہ زیادہ کھل کر بات نہ کرسکے۔

عوامی لیگ کے طالب علم لیڈر طفیل احمد سے جواب ایم۔این۔اے ہیں۔میری بات ہوئی۔میں نے پوچھا کہ اب طلبہ تحریک کی قیادت کن کے پاس ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔اس کی کیا ضرورت ہے؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ عوامی لیگ نے اقتدار حاصل کرلیا ہے۔فی الحال طلبہ کو اپنے حقوق کے لئے تحریک کی ضرورت نہیں رہی ہے۔اس لئے کسی تنظیم کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ان کا یہ خیال کس حد تک صحیح تھا۔اس کا جواب انہیں خود مل گیا ہوگا۔عوامی لیگ کو حالیہ عوامی تحریک میں پھر طلبہ کی ضرورت پڑی کہ نہیں؟

بہت سے لوگ اس آئینی بحث سے اکتا کر نابک لانچ کے اوپر چڑھ گئے تھے اور مشرقی پاکستان کے حسنِ فطرت سے محظوظ ہورہے تھے۔ہوا بڑی خوشگوار تھی۔سرسبز درختوں ہرے بھرے کھیتوں میں گھرا گدلا گدلا میگھنا اور اس پر ''نوکے'' اور مشرقی پاکستان کے عظیم مانجھی۔ہماری ملاقات ظہیر الدین صاحب سے بھی ہوئی۔جنہوں نے امیر جماعت اسلامی پروفیسر غلام اعظم کو شکست دی تھی۔ان سے تعارف ہوا تو کہنے لگے ہمارا مقابلہ جماعت اسلامی سے تھا۔اس لئے آپ کا ''الفتح'' ہمارے بہت کام آیا۔اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے نام کے بارے میں سرورق پر جو دستاویز شائع ہوئی تھی۔اس کا میں نے بہت پروپیگنڈہ کیا۔پھر وہ بتانے لگے کہ ایک بار پروفیسر غلام اعظم۔انتخابی مہم کے سلسلے میں دریا عبور کرنے کے لئے ایک ناؤ میں بیٹھے تو مانجھیوں نے ان سے کہا کہ آپ ہمارے انتخابی نشان میں بیٹھ کر کیوں الیکشن لڑنے جارہے ہیں۔آپ کو تو اپنے انتخابی نشان (پلڑے) میں بیٹھنا چاہئے۔اسی اثناء میں چائے اور میٹھے کا دور چل پڑا۔اب ڈھاکہ نزدیک آرہا تھا۔پونے چار بج رہے تھے۔نرائن گنج کا گھاٹ بھی دکھائی دینے لگا۔بھٹو صاحب کی لانچ

کنارے سے جا لگی۔ اس سے ذرا آگے ہماری لانچ رکی۔ بھٹو صاحب پہلے لانچ سے نکلتے نظر آئے۔ ان کے چہرے پر کچھ اطمینان تھا۔ پھر مجیب صاحب لانچ کی سیڑھیوں کی طرف جاتے دکھائی دیے انہوں نے جاتے جاتے باآوازِ بلند بنگالی میں کچھ کہا۔ جو ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے فوراً بعد لانچ سے اترنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ دونوں رہنماؤں کو اس وقت پریس کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ اپنی لانچ سے اتر کر گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے تھے۔ دور سے ان کے چہروں پر اطمینان جھلک رہا تھا۔

ہمیں ہاشمی صاحب کی سرخ گاڑی نے ہوٹل پہنچا دیا۔ الطاف رانا پہلے پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ دونوں بہت موڈ میں تھے۔ شیخ صاحب خدا حافظ کہہ کر جانے لگے تو انہیں بھٹو صاحب نے اوپر ساتھ کھینچ لیا کہ آپ اب چائے پی کر جایئے گا۔ 1134 انٹر کانٹی نینٹل میں بڑے بے تکلفانہ موڈ میں چائے پی اور پھر چلنے لگے تو بھٹو صاحب نے ضد کی کہ وہ نیچے تک چھوڑنے جائیں گے۔ اس پر شیخ صاحب نے کہا کہ یہ سلسلہ تو چلتا رہے گا۔ آپ مجھے نیچے چھوڑنے جائیں۔ پھر میں آپ کو اوپر۔ اس میں وقت گزر جائے گا۔ اب آپ بیٹھئے میں چلتا ہوں۔

بعد میں معلوم ہوا کہ کچھ زیادہ نہیں اتنی بات ضرور طے ہوئی کہ بات چیت کے دروازے کھلے رکھے جائیں۔ مجیب صاحب کوشش کریں گے کہ مغربی پاکستان آئیں۔ ممکن ہوا تو بھٹو صاحب دوبارہ مشرقی پاکستان آئیں گے۔ اسمبلی کے لئے تاریخ مقرر کرنے کا جہاں تک مسئلہ تھا۔ بھٹو صاحب جلدی اسمبلی کے اجلاس میں جانے کے حق میں نہیں۔ کیونکہ جس تیاری کے ساتھ اسمبلی میں جانا ہے۔ ابھی وہ نہیں ہوئی۔ لانچ والی ملاقات سے لوگوں کو زیادہ امیدیں وابستہ ہوگئی تھیں۔ کیونکہ اس کے بعد کچھ ماحول خوشگوار رہا تھا۔

آج تھوڑی دیر بعد بھٹو صاحب کی پریس کانفرنس ہونا تھی۔ انٹر کانٹی نینٹل کے ایک گوشے میں۔ پریس کانفرنس کے مقررہ وقت سے پہلے ہی بہت رش ہو چکا تھا۔ مشرقی پاکستانی اور غیر ملکی اور مغربی پاکستان سے آئے ہوئے تمام اخبار نویس سوالات سے مسلح ہو کر

www.bhutto.org

آئے تھے۔اس سے پہلے یہ سب لوگ آپس میں طے کر چکے تھے کہ کس کو کیا سوال پوچھنا ہے اور کس طرح سے مسٹر بھٹو کا گھیراؤ کرنا ہے۔شہزاد منظر ڈھاکے میں مساوات کے نمائندہ خصوصی بتا رہے تھے کہ بھٹو صاحب کی پریس کانفرنس ہمیشہ اتنی پر ہجوم ہوتی ہے۔ایک صاحب کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ شیخ مجیب الرحمان کی طرف سے آتے ہیں۔ان کی ڈیوٹی یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی پریس کانفرنس ٹیپ کر کے شیخ صاحب کو پہنچاتے ہیں۔تا کہ وہ اخبارات سے پہلے ہی پورا متن سن سکیں۔

پریس کانفرنس کے بعد بھٹو صاحب ڈھاکے سے لاہور چلے گئے اور میں اگلے روز ڈھاکے سے کراچی جانے کے لئے رک گیا۔

بلوچستان محروم ہے

میں پانچ سے ساڑھے پانچ بجے صبح تک حبیب بنک نرسری برانچ کے سامنے فاروق میمن کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہ آئے۔ میں نے زیادہ انتظار کو اپنے لئے نقصان دہ سمجھا اور ٹیکسی لے کر ائیر پورٹ چل پڑا۔ چند لمحوں بعد ڈاکٹر مبشر گاڑی سے اترتے دکھائی دیئے۔ دوسری طرف سے 'زمانہ' کے فصیح اقبال بھی اپنی مخصوص مسکراہٹ سمیت آ گئے۔ ابھی ہم بات کر ہی رہے تھے کہ بھٹو صاحب بھی پہنچ گئے۔ ساتھ میں مصطفیٰ کھر تھے۔ کاؤنٹر کی طرف چلے تو جنگ کے کرامت اللہ اور اے پی پی کے اقبال قریشی نظر آئے۔ وہ رات پریس کلب میں گزارنے کے بعد 3 بجے ائیر پورٹ پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے چلتے چلتے بھٹو صاحب سے بات شروع کی تو پیچھے سے آواز آنے لگی۔ ''سر! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔'' یہ مشرق کے علی اختر رضوی تھے۔ وہ بھٹو صاحب پر جتلا رہے تھے کہ وہ ان کے اجلاس کی رپورٹنگ کے لئے ساتھ جا رہے ہیں۔ کرامت اللہ نے اپنے بھاری بھرکم جثے لیکن نہایت دھیمے لہجے میں گلہ کیا کہ ''آپ کچھ رپورٹروں کو ساتھ لے جا رہے ہیں۔'' بھٹو صاحب نے کہا کہ ''نہیں میں کسی کو ساتھ نہیں لے جا رہا۔ سب اپنے طور پر جا رہے ہوں گے۔ میں صرف محمود شام کو لے جا رہا ہوں۔ کیونکہ یہ ہمارے اخبار سے تعلق رکھتے ہیں۔'' اس پر کرامت اللہ قسطوں میں ہنس کر خاموش ہو گئے۔ میں فصیح اقبال اور علی اختر رضوی کاؤنٹر کی طرف چلے گئے۔ بھٹو صاحب وی آئی پی لاؤنج میں۔ وہاں کرامت اللہ، اقبال قریشی ان سے Exclusive story لینے لگے۔

فوکر میں بیٹھ چکے تو حنیف سولجر آتے دکھائی دیے۔انہوں نے کھڑکی میں سے بھٹو صاحب کو الوداع کیا۔جہاز موہن جودڑو لاڑکانہ سے ہوتا بلوچستان کے خشک پہاڑوں پر اڑنے لگا۔لق و دق، ویرانیاں اور کچھ نہیں۔سیمنگلی ائیر پورٹ پر پہنچے تو خنکی کا احساس ہوا۔ائیر پورٹ پر طاہر محمد خاں، امان اللہ گچکی، یوسف مگسی، غوث بخش، رئیسانی، سعید عباس زیدی اور کوئٹہ کے مقامی کارکن اور رہنما بڑی تعداد میں موجود تھے۔کوئٹہ میں یہ نظم وضبط بھی دیکھنے میں آیا کہ استقبال کرنے والے ہجوم کی بجائے کئی لمبی قطاروں میں کھڑے تھے۔بھٹو صاحب نے ایک دو چکر لگا کر سب کے استقبالیہ نعروں کا ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔پھر ائیر پورٹ کے ریستوران میں اخبار نویسوں میں گھر گئے۔

پہلے انہوں نے استقبال کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ ''ہم نے اپنی مرکزی کمیٹی کا اجلاس کوئٹہ میں اسی لئے رکھا ہے کہ ہم بلوچستان کے صوبے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔یہ ایک پسماندہ صوبہ ہے۔ماضی میں اس صوبے کے ساتھ بہت زیادتیاں ہوئی ہیں۔اگر ہماری جدوجہد کامیاب رہے گی۔تو اس صوبے کو بھی یقیناً اس کے پورے حقوق ملیں گے۔پیپلز پارٹی بلوچستان کے غریب عوام کے حقوق کے لئے جدوجہد کرے گی۔بلوچستان کے وسائل پر جن چند لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔انہیں عوام میں تقسیم کیا جائے گا۔اگر بلوچستان کی طاقت بڑھے گی تو عوام کی طاقت بڑھے گی۔'' یہاں پاکستان ٹائمز کے طاہر موجود تھے۔ان کے ہوتے معمولی سا انٹرویو بھی اچھی خاصی پریس کانفرنس بن جاتا ہے۔انہوں نے سوالات کی لائن لگادی۔بھارتی جارحیت سے لے کر پیپلز پارٹی میں انتخابات تک کوئی بات ایسی نہ رہی جو انہوں نے نہ پوچھی ہو۔بھٹو صاحب نے کہا کہ ہم اپنے ملک کی حفاظت کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔پیپلز پارٹی کی طاقت عوام کی طاقت ہے۔عوام کی طاقت سے نہ صرف بھارت بلکہ پوری دنیا کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔بگٹی صاحب کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ہمارے ان سے خاندانی تعلقات ہیں۔سیاسی نوعیت کے تعلقات نہیں ہیں۔نیپ سے معاہدہ کے سلسلے میں انہوں نے کہا کہ سیاست میں

معاہدے اور مصالحت کے امکانات تو رہتے ہیں۔ ہماری جماعت اصولی جماعت ہے۔ ہمارا معاہدہ ہر ایک سے ہوسکتا ہے۔ مگر سرحد کی ایک بوگس جماعت سے ہمارا معاہدہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ کوئٹہ میں ایک فارورڈ بلاک بنایا گیا ہے۔ اس کے بارے میں بھٹو صاحب نے جواب دیا فارورڈ بلاک دائیں بازو کی جماعتوں میں بن سکتے ہیں۔ ایک بائیں بازو کی جماعت میں فارورڈ بلاک کیسے بن سکتا ہے۔ پارٹی میں انتخابات کے بارے میں انہوں نے جواب دیا کہ پارٹی میں انتخابات کے لئے میں بھی بے تاب ہوں۔ لیکن الیکشن وقت پر ہوں گے۔ اس وقت ہم ملک کے بنیادی مسائل کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ بحران گزر جائے تو پارٹی کے الیکشن بھی ہوں گے۔ سمینگلی ایئرپورٹ سے کوئٹہ چھ سات میل دور ہے۔ استقبال کے لئے آنے والے ٹرکوں، بسوں سے واپس جا رہے تھے۔ مہمان کاروں میں، فصیح اقبال کوئٹہ کے بھی ہیں کراچی کے، ہمارے ساتھ دقت یہی ہے کہ وہ جہاں ہوں میزبان بن جاتے ہیں۔ یہاں بھی میزبان کے فرائض انجام دیتے ہوئے انہوں نے مجھے اور علی اختر رضوی کو لفٹ دی۔ بھٹو صاحب لورڈز ہوٹل میں ٹھہرے، کھر صاحب، مولانا کوثر نیازی، ڈاکٹر مبشر حسن، شیر پاؤ، عبدالحفیظ پیرزادہ رفیع رضا اور رحیم صاحب بھی وہیں تھے۔ میر رسول بخش تالپور، مخدوم زماں طالب المولیٰ، نواب زاہد علی خاں، مسعود زاہدی، قاسم چودھری، کمال حسین رضوی، تاج محمد لنگاہ، جسٹس فیض اللہ، خان حبیب اللہ، شیر محمد خاں، میاں محمود علی قصوری، شیخ رشید، افضل وٹو، سردار محمد اسلم بلدیہ ہاؤس میں۔ ہم بھی بلدیہ ہاؤس میں چلے گئے۔ حنیف رامے صاحب کے عزیز یہاں رہتے ہیں۔ معراج محمد خاں سڑک کے ذریعے اپنے اہل وعیال سمیت آئے تھے۔ یہاں اپنے بھائی کے ہاں ٹھہرے۔ میٹنگ 12 بجے شروع ہوئی۔ علی منزل میں میٹنگ 4 بجے تک جاری رہی۔ بریفنگ کے لئے وقت رات کا رکھا گیا۔ میٹنگ ہال کے باہر امداد حسین بلوچ کوئٹہ کے ایک اہم کارکن ہماری رہنمائی کے لئے موجود تھے۔ کوئٹہ کے کارکن بڑے منظم انقلابی اور پرجوش ہیں۔

4 بجے میٹنگ کے شرکاء دوپہر کے کھانے کے لئے فرح ریسٹورنٹ میں گئے۔ یہ

www.bhutto.org

ریسٹورنٹ کراچی کے کیفے گرینڈ سے ملتا جلتا ہے۔خوبصورت، پرسکون دوسرا اجلاس ساڑھے پانچ بجے کے قریب شروع ہوا۔اتنے عرصہ میں الطاف رانا کے ساتھ شہر میں گھومتا رہا۔مختصر سا شہر ہے ایک چکر میں طے ہو جاتا ہے۔''گوشہ ادب'' میں جھانک لیا۔مارکیٹیں دیکھ لیں۔خان عبدالصمد اچکزئی کا سادہ سا مکان بھی دیکھا۔ملاقات نہ ہو سکی۔

9 بجے کے قریب علی منزل کے ایک بیڈروم میں مولانا کوثر نیازی سیکرٹری اطلاعات نے میٹنگ کے متعلق اخبارات کو بریفنگ دی۔انہوں نے بتایا کہ 127 ارکان میں سے صرف ایک جناب خورشید حسن میر کسی مصروفیت کی بناء پر نہ آ سکے۔باقی سب ارکان شامل تھے۔کچھ خصوصی مدعوئین بھی تھے۔ان میں پیپلز پارٹی کی دستوری کمیٹی کے رکن رفیع رضا۔بلوچستان پیپلز پارٹی کے صدر امان اللہ خان گچکی۔صوبہ سرحد سے خان حبیب اللہ، مشرقی پاکستان سے قاسم چودھری اور کمال حسین رضوی شامل تھے۔

مولانا کوثر نیازی نے بتایا کہ آج کے اجلاس میں ملکی صورتِ حال کا جائزہ لیا گیا۔ بلوچستان، سرحد اور مشرقی پاکستان کے حالات زیر بحث آئے۔تنظیمی مسائل پر بھی بات ہوئی۔بلوچستان کے سلسلے میں بات چیت میں اس کی پس ماندگی خاص طور پر زیرِ غور آئی۔قبائلی نظام میں جو جبر و تشدد ہوتا ہے۔اس پر بات ہوئی۔یہاں پارٹی کی تنظیم پھیلانے کے مختلف طریقوں پر غور کیا گیا۔سنٹرل کمیٹی نے چیئرمین کے اس اعلان کی توثیق کی کہ پیپلز پارٹی ضمنی انتخابات میں حصہ لے گی۔ضمنی انتخابات میں حصہ لینے کا لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی۔اس کے چیئرمین جے اے رحیم تھے۔باقی ارکان میں میاں محمود علی قصوری، حیات محمد شیر پاؤ، مصطفیٰ کھر، مولانا کوثر نیازی، معراج محمد خان اور ڈاکٹر مبشر، قاسم چودھری اور کمال حسین رضوی شامل تھے۔اس سب کمیٹی کا اجلاس اس رات گیارہ بجے ہوا اور اگلے روز انہوں نے اپنی سفارشات پیش کیں۔

مولانا کوثر نیازی نے بتایا کہ آج کے اجلاس میں خان عبدالصمد اچکزئی کا خط بھی پڑھا جو انہوں نے چیئرمین کو لکھا ہے۔اس میں انہوں نے یہ پیشکش کی کہ وہ اپنے نقطہ نظر کی

وضاحت سنٹرل کمیٹی کے سامنے کرنے کو تیار ہیں۔ سنٹرل کمیٹی کی طرف سے عبدالصمد اچکزئی صاحب کو اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی دعوت کل دے دی گئی ہے۔

اس میٹنگ میں صدر یحییٰ اور چیئرمین بھٹو کے مذاکرات بھی زیرِ غور آئے۔

رات کو نواب غوث بخش رئیسانی کی طرف سے عشائیہ تھا۔ شہر سے خاصی دوران کی وسیع و عریض کوٹھی ہے۔ پانی بلوچستان میں بہت کم ہے۔ اس لئے کوٹھی میں دھول اڑ رہی تھی۔ ہمیں فصیح اقبال صاحب نے بھی اس کھانے کے لئے خاص طور پر دعوت دی تھی۔ کھانے کے بعد کوئٹے کی خنکی کا سامنا کرتے ہوئے بلدیہ ہاؤس لوٹ آئے۔ صبح اٹھے تو پی پی آئی کے فاروق معین بھی صبح کی فلائٹ سے آملے۔

آج سنٹرل کمیٹی کا اجلاس حاجی فتح خان مرحوم کے شوروم کے اوپر منعقد ہو رہا تھا۔ درمیانی وقفے میں ہم گوشۂ ادب گئے۔ عابد بخاری سے ملاقات ہوئی پھر واپسی پر سنٹرل کمیٹی کے اجلاس کے اختتام پر مولانا کوثر نیازی اخبار نویسوں سے ملنے نیچے اترے۔ انہوں نے بتایا کہ ابھی کوئی خاص بات بتانے کے لئے نہیں ہے۔ رات کو 8 اور 9 کے درمیان بریفنگ ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ اگر مشرقی پاکستان جانے والے وفد کے نام طے ہو گئے ہوں تو وہی بتا دیجئے۔ انہوں نے بتایا کہ ہاں وہ نام لے لیجئے۔ اس وفد کے لیڈر میاں محمود علی قصوری ہیں۔ اس میں ڈاکٹر مبشر، مولانا کوثر نیازی، ملک معراج خالد، معراج محمد خان، عبدالحفیظ کاردار، ملک محمد اختر، طارق عزیز اور کمال اظفر شامل ہیں۔ یہ وفد 10 اکتوبر سے 25 اکتوبر تک مشرقی پاکستان میں قیام کرے گا اور انتخابی مہم میں حصہ لے گا۔ آج بھٹو صاحب اور ان کے چند ساتھیوں کا دوپہر کا کھانا سردار اکبر بگٹی کے ہاں تھا۔ ہم شہر میں گھومنے چلے گئے۔ کوئٹہ میں غیر قانونی طور پر درآمد شدہ یعنی اسمگلنگ کا مال، عام بازاروں میں بکتا ہے۔ ملک کے دوسرے حصوں سے آنے والے اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر دھڑا دھڑ خریدتے ہیں۔ ان دنوں بھی بازاروں میں بہت رش تھا۔ افغانستان اور ایران سے چھپ چھپا کر جان جوکھوں میں ڈال کر لایا ہوا مال دکانوں میں سجا ہوا ہے۔ اس کے لئے بھی جیب بہت بھاری ہونی

www.bhutto.org

چاہئے۔ پیسہ اپنے پاس ہو تو کراچی میں بھی یہ چیزیں مل جاتی ہیں۔ تلاش کی بات ہے۔ اپنے ملک میں تو سب کچھ چلتا ہے۔

شام کی میٹنگ کے بعد معلوم ہوا کہ چیئرمین بھٹو کل صبح یعنی 25 کو نہیں جا رہے ہیں۔ کیونکہ آج مرکزی کمیٹی کا اجلاس خاصا طویل ہو گیا اور بھٹو صاحب کارکنوں سے خطاب نہ کر سکے اس لئے وہ ایک روز کے لئے ٹھہر گئے ہیں۔ اس میٹنگ میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ دسمبر میں اسمبلی کا اجلاس بلایا جانا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو جمہوریت کبھی بحال نہ ہو سکے گی۔ اس اجلاس میں زیادہ تر ان فیصلوں کی توثیق کی گئی ہے جو اب تک پارٹی نے مختلف سطح پر کئے تھے۔

اسی رات بلوچستان کے محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر مرزا حامد علی بیگ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ لاہور میں جب میں ہفت روزہ ''قندیل'' میں تھا۔ ان دنوں بیگ صاحب مغربی پاکستان پروٹوکول کے بادشاہ تھے۔ اس وقت ان سے مختلف تقریبات میں ملاقاتیں رہتی تھیں۔

اگلی صبح معلوم ہوا کہ بھٹو صاحب، خان آف قلات سے ملاقات کے لئے قلات تشریف لے گئے ہیں۔ شام کو واپس آئیں گے اور کارکنوں سے خطاب کریں گے۔

ہم نے فرصت غنیمت جانی اور خان عبدالصمد اچکزئی سے ملاقات کے لئے چلے گئے۔ ان کا گھر نہایت سادہ ہے۔ ان کے ہاں ڈرائنگ روم نہیں بلکہ بیٹھک ہے۔ وہی ان کا بیڈ روم بھی ہے، مطالعہ گاہ بھی اور میٹنگ روم بھی، ان کے کچھ عقیدت مند بھی اندر بیٹھے تھے۔

اچکزئی صاحب کے ہاں سے لوٹے تو میں مشرق کے علی اختر رضوی، پی پی آئی کے فاروق معین اور الطاف رانا سردار اکبر بگٹی کی طرف چل پڑے۔ ان سے گیارہ بجے کا وقت طے تھا۔ مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے ہم بگٹی صاحب کے مکان پر پہنچے، وہ اسی وقت Swil379 سے اتر رہے تھے۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ گلی میں ہی کھلتا تھا۔ ایک چاق و چوبند بلوچی نے دروازہ کھولا۔ ہم اندر جا بیٹھے۔ سردار صاحب نے گھنٹی بجائی۔ ایک قبائلی

گولی کی طرح تیزی سے آیا۔ حکم سنا، چلا گیا۔ جب بھی گھنٹی بجتی تھی۔ گھنٹی کی آواز ختم ہونے سے پہلے یہ بلوچی اپنی گھیر دار شلوار بڑی پگڑی اور گھنی داڑھی کے ساتھ آموجود ہوتا تھا۔ ہم نے اس ملاقات میں سردار صاحب سے جی بھر کے باتیں کیں اور سردار صاحب نے بھی کسی تکلف کے بغیر ہماری سنی اور اپنی کہی۔ لیکن یہ آپس کا شریفانہ معاہدہ تھا کہ یہ سب باتیں آف دی ریکارڈ ہیں۔ اس لئے ہم نے اسے اپنے تک ہی رکھا۔ نہ ان میں مرچ مصالحہ لگایا۔ مگر ہمارے ایک ساتھی جو ویسے ہم سے سینئر بھی ہیں۔ آف دی ریکارڈ کا مطلب بھی انہیں آتا ہوگا مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے پاس سے بھی مرچ مصالحہ لگایا۔ آف دی ریکارڈ کو آن دی ریکارڈ لے آئے۔ پریس ٹرسٹ پہلے ہی خاصا بدنام ہے انہیں تمغۂ حسن کارکردگی مل گیا ہو۔ ویسے تو بظاہر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ خیر ہم ایک گھنٹہ تک نواب صاحب سے بات چیت کر کے اٹھے اور بلدیہ ہاؤس کی راہ لی۔ بگٹی صاحب کے گھر سے لے کر بلدیہ ہاؤس تک بلوچستان کی زندگی کے مختلف رنگ نظر آجاتے ہیں۔ تانگے، رکشے، مزدور بچے، مضافات سے رزق کی تلاش میں آئے ہوئے غیور بلوچی۔ کوئٹہ میں اسمگلنگ کے بازاروں کے علاوہ تمام جگہوں پر ویرانی کا احساس ہوتا ہے۔ کوئٹہ میں پہلی بار آیا تھا۔ میں نے اس کے متعلق کافی حسین تصور قائم کر رکھا تھا۔ لیکن یہاں تو غربت پھوٹ پھوٹ پڑتی ہے۔ بازاروں میں بڑا نفیس غیر ملکی کپڑا بکتا ہے لیکن یہ بلوچستان کے کسی جسم پر دکھائی نہیں دیتا اور جانے آرائش وزیبائش کا کیا کیا سامان ان بازاروں میں بکھرا پڑا ہے۔ لیکن بلوچستان کے چہرے ان سے پاک ہیں۔ بلوچستان کے بنجر پہاڑوں کی طرح چہروں سے بھی ویرانی ٹپکتی ہے اور بلدیہ ہاؤس آگیا۔ جہاں چیکو بابو اور غفور بہت سی کہانیاں اپنے چہروں پر لئے موجود ہیں۔ دنیا آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ یہ یہیں موجود ہیں۔ بلوچستان کی بہاریں بھی دیکھتے ہیں اور کپکپاتی سردی بھی۔ جب برف گرتی ہے اور کوئٹہ میں پھر وہی لوگ رہ جاتے ہیں جو یہاں برسوں سے رہتے ہیں۔ جنہوں نے اس سنگلاخ زمین پر جنم لیا تھا۔ دوپہر گزر گئی ہے۔ سہ پہر اپنے ساتھ خنکی لئے آرہی ہے۔ حاجی فتح خان کے شوروم پر کارکن جمع ہو رہے

www.bhutto.org

ہیں۔ کوئٹہ میں رہتے ہیں بلوچی، پٹھان، مہاجر، پنجابی اور کوئٹہ کے علاوہ بلوچستان کے دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے کارکن۔ ان کے لباس مختلف ہیں۔ آنکھوں سے ایک سی مایوسی ٹپکتی ہے۔ چہرے پر ایک سا عزم ہے۔ یہ اس پستی ہوئی قوم کے فرد ہیں جو 23 برس سے پس رہی ہے۔ بلوچستان کے پیپلز پارٹی کے رہنما صدر امان اللہ گچکی، سیکرٹری ذکاء اللہ لودھی، سعید عباس زیدی خازن، حاجی اشرف، قاضی فیض الحق، امداد حسین بلوچ سب تشریف رکھتے ہیں۔ امان اللہ گچکی نے مائیک پر آکر معراج محمد خان کو خراج تحسین پیش کر کے ان سے تقریر کی درخواست کی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ معراج محمد خان نے کوئٹہ میں ہی پرورش پائی اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ وہ کوئٹہ والوں کے لئے نئے نہیں ہیں۔ کوئٹہ والوں کو فخر ہے کہ معراج محمد خان جیسا جیالا رہنما اس شہر سے تعلق رکھتا ہے۔ معراج محمد خان نے تقریر شروع کی تو بھٹو صاحب بھی تشریف لے آئے۔ کارکنوں نے تالیاں بجا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ حاجی اشرف کے بچے بھٹو صاحب سے ملنے کے لئے بے تاب تھے۔ انہوں نے بھٹو صاحب سے ہاتھ ملایا۔ باقی بچے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔ ایک بچی نے جانے سے انکار کر دیا اور وہ آخر تک بھٹو صاحب کے ساتھ اس طرح کھڑی رہی جیسے باڈی گارڈ کھڑے ہوتے ہیں۔ معراج محمد خان کی تقریر جاری تھی۔

"بھٹو صاحب کا دل جب بھی دھڑکے گا۔ عوام خواہ پنجاب کے ہوں، سندھ کے، بلوچستان کے، سرحد کے یا بنگال کے بھٹو صاحب کے نزدیک سب ایک ہیں۔ بلوچستان میں اگر جمہوری آزادی نہ دی گئی تو ہم اس کے لئے ابھی اسی طرح جدوجہد کریں گے جس طرح دوسرے علاقوں کے لئے کر رہے ہیں۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے ہمیں بہر حال نجات حاصل کرنی ہے۔ ہماری جمہوریت کا مقصد اقتصادی آزادی ہے۔ ہم ملک کے کسی حصے کو علیحدہ نہیں ہونے دیں گے۔ اس ملک کو اگر متحد رکھا جا سکتا ہے تو صرف سوشلزم کی بنیاد پر رکھا جا سکتا ہے۔ ہماری جدوجہد اقتصادی جدوجہد ہے۔ ہمارے عوام کو لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعے کچھ نہیں دیا گیا۔ صرف کالے انگریز پیدا کئے گئے ہیں۔

دیہات میں روشن خیالی نہیں پھیلی اور جب تک دیہات میں شعور پیدا نہ ہو ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ قوم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہ کیا ظلم ہے کہ زمین کے بیٹوں کو زمین سے نکالا جا رہا ہے، زمین تمہاری ماں ہے۔ لوگو! اسے غاصبوں سے چھینو۔ تحمل اور برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ ملک کی سلامتی کا مطلب بارہ کروڑ کی سلامتی ہے۔ بارہ کروڑ افراد سلامت ہیں تو ملک بھی سلامت ہے۔ ملک کی سلامتی کا عوام کی سلامتی کے علاوہ کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔"

معراج محمد خان کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو نے سرحد کے صدر جناب حیات محمد شیر پاؤ کو کارکنوں سے خطاب کی دعوت دی مگر ان کی طبیعت درست نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے مائیک کے سامنے آ کر معذرت کی اور کہا کہ میں پھر کسی وقت آپ سے خطاب کروں گا۔ اس کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کارکنوں سے تاریخی خطاب کیا۔

بھٹو کا کارکنوں سے خطاب :

"میں جون کی بارہ کو یہاں آیا تھا اور ایک عبوری کمیٹی بنائی تھی۔ عبوری عبوری کا لفظ ہم نے اتنا سنا ہے کہ اب پاکستان ہی عبوری بن گیا۔ عبوری زیادہ عرصے کے لئے نہیں ہوتی۔ اسی طرح عبوری حکومت بھی پانچ چھ ہفتے سے زیادہ کے لئے نہیں ہوتی۔ اب دو ماہ بعد اس عبوری کمیٹی کے بجائے میں یہاں مکمل کمیٹی بنا رہا ہوں۔ اسی طرح ہم عبوری حکومت کی بجائے مکمل حکومت چاہتے ہیں۔ جب ایک پارٹی کہتی ہے کہ اس کا کام عبوری حکومت سے نہیں چل سکتا۔ عبوری کی بجائے مکمل اور ٹھوس حکومت ہونی چاہئے۔ ہماری جماعت نے شروع سے لے کر اب تک عوام کی خدمت کی ہے۔ کسی خوف اور اندیشے کے تحت یہ پارٹی اپنے موقف اور مقصد سے نہیں ہٹی۔ پاکستان کی تاریخ میں کئی جماعتیں بنیں۔ یہاں میں قائداعظم کا ذکر نہیں کر رہا ہوں وہ تو اس وطن کے بانی تھے۔ قائداعظم کے بعد سیاست خراب ہوتی گئی اور جب میں سیاسیات کا ذکر کرتا ہوں تو میں قائداعظم اور نہ قائد ملت دونوں میں سے کسی بزرگ رہنما کا ذکر نہیں کرتا۔ انہوں نے اپنے دور میں پاکستان کو مثالی

ملک بنانے کی جدوجہد کی۔ پھر بعد میں مسلم لیگ تین حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایسی تقسیم ہوگئی کہ کوششوں کے باوجود متحد نہیں ہوسکی۔ میں تو کہتا ہوں کہ متحد ہونے دو۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ تین لاشیں ایک کفن میں اکٹھی کی جارہی ہیں۔ یہ وہ مسلم لیگ نہیں ہے جو قائداعظم کی مسلم لیگ تھی۔ اگر قائداعظم کی مسلم لیگ ہوتی تو یہ ملک کی خدمت کرتی۔ اب صرف مسلم لیگ کا نام رہ گیا ہے۔ نہ قائداعظم کا منشور ہے اور نہ وہ پروگرام ہے۔ پھر مسلم لیگ سے ہی عوامی لیگ بنی، مسلم لیگ سے ری پبلکن، پھر مسلم لیگ، پھر ایک مسلم لیگ، دوسری مسلم لیگ، تیسری مسلم لیگ، پی ڈی پی پھر جسٹس پارٹی پھر تحریک استقلال۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی عوامی پارٹی نہیں تھی۔ قائداعظم نے عوام کو متحرک کیا تو عوام کو ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس طریقے سے ہماری ترقی ہوسکتی تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ساتھ دیا۔ عوام کی حمایت حاصل ہوئی کیونکہ انہوں نے عوام کی بات کی تھی۔ بعد میں ان جماعتوں نے عوام کو بالکل نظرانداز کردیا اور محلاتی سازشیں چلائیں۔ یہ کبھی نہ سوچا کہ عوام کیا چاہتے ہیں۔ اسمبلیوں میں تقریریں بڑی زوردار ہوئیں۔ اردو، انگریزی، بنگالی میں لاجواب تقریریں۔ گھروں میں بیٹھ کر انہوں نے کبھی ایک نقشہ بنایا۔ کبھی دوسرا نقشہ۔ ایشیا کی سیاست میں کتنے موڑ آئے۔ دنیا کی سیاست میں کتنے انقلاب آئے لیکن انہوں نے کوئی خیال نہ کیا۔ اپنی لالچ میں محدود رہے۔ کوشش تک نہ کی کہ اپنے سے باہر نکل سکیں۔ انہوں نے ملک کو قرض میں ڈبودیا۔ ملک بھر میں بے چینی اور تعصب پیدا کیا۔ اپنی حکومت چلانے کے لئے لوگوں کو آپس میں لڑوایا۔ انہوں نے اپنی سیاست انگریزوں سے سیکھی تھی۔ انگریز عوام کو لڑواتے تھے کہ کسی طرح اپنی حکومت برقرار رکھ سکیں۔ وہ پاکستان کی حکومت نہیں تھی غیر کی حکومت تھی۔ انہوں نے سوچا حکومت برقرار رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ان ملکی آقاؤں نے بھی اپنی معیشت اور اپنی اقتصادیات کے مسائل کی طرف عوام کی توجہ نہ ہونے دی۔ مختلف قوموں کو آپس میں لڑایا۔ مہاجر ہر ملک میں گئے ہیں لیکن پانچ چھ برس بعد وہ اس ملک کے مقامی شہری بن گئے۔ ہمارے ملک میں اس مسئلے کا کوئی حل تلاش نہیں

www.bhutto.org

کیا۔ ملک کی سالمیت کا مسئلہ ابھی تک درپیش ہے۔ انصاف ہوتا تو یہ مسئلہ ختم ہو جاتا۔ اس مسئلے کو جان بوجھ کر اس لئے حل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ لوگ اپنی حکومت چلانا چاہتے تھے۔ انہوں نے چھوٹی چھوٹی چالاکیوں سے کام لیا۔ بلوچی، پٹھان کو آپس میں لڑایا۔ پٹھان اور پنجابی کو لڑایا۔ الگ الگ سازشیں کروائیں۔ یہ سب پاکستانی کہلواتے ہیں۔ مسلمان کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ تفریق رہتی ہے۔ وہ صاحب! یہ صاحب یہ مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ بلوچستان کے مسائل حل ہو سکتے تھے۔ اگر بلوچستان کے وسائل کو بلوچستان پر ہی استعمال کیا جاتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بلوچستان کو اور بھی وسائل مل گئے تو ان کو بھی ہپ کر کے ہضم کر جائیں گے۔ یہ سؤر کے بچے یہ لوگ جہازوں میں اڑ کر سیدھے کراچی سے ان مقامات پر پہنچیں گے اور ان پر قبضہ کر لیں گے۔ پہلے بھی ایسا ہی ہوا ہے بلوچستان سے فلورائڈ نکلا، جاپان میں تو یہ فلورائڈ پانچ پونڈ میں مل جاتا ہے لیکن کسی غریب بلوچی کے بیمار بچے کو فلورائڈ پانچ روپے میں بھی نہیں مل سکتا۔ حالانکہ فلورائڈ اس کی زمین سے نکلتا ہے۔

کسی قوم کے وسائل اگر اس طرح لوٹے جائیں گے تو ملک غریب ہی رہ جائے گا۔ یہاں بلوچستان سے سوئی گیس نکلی تھی تو اس سے سوئی کے غریبوں کو کیا ملا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا۔

اب پاکستان کو کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ اب بڑی ترقی ہوگی۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اس سے کیا مل رہا ہے۔ سوئی سے غریبوں کو کیا مل رہا ہے۔ سوئی یہاں سے کراچی، لاہور، اسلام آباد تک جا پہنچی۔ مگر سوئی کے غریبوں کو معلوم نہیں کہ سوئی نے کیا چیز دی مجھے معلوم ہے کہ ہمارے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ سندھ کے سیاستدان اپنے مکانوں میں کیا سازشیں کر رہے ہیں۔ رات دن سازشیں ہو رہی ہیں کہ ہم پیپلز پارٹی کو ناکام بنا دیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہم ناکام رہے تو آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔ اخبارات ہمارے خلاف لکھ رہے ہیں۔ آپس میں نفرت پھیلا رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ سب لوگ ہر جگہ خوشی سے فخر سے رہ سکتے ہیں۔ ملک سب کا ہے۔ پاکستان سب کے لئے بنا ہے۔ جو اسلام اور سوشلزم کا

قائل ہے۔اس کا ذہن ان صوبائی تعصبات کی طرف جا ہی نہیں سکتا۔اے غریبوں کے بچو! خبردار رہو۔یہ سازش پیپلز پارٹی کے خلاف نہیں ہے آپ کے خلاف ہے۔میں تو کہتا ہوں کہ اگر پیپلز پارٹی ناکام ہوگیا تو کیا سرمایہ داروں کی حکومت آجائے گی۔نہیں ہرگز نہیں۔ آپ تاریخ کو پیچھے نہیں لے جاسکتے۔آپ کو شکست نہیں دی جاسکتی۔اب عوام سرمایہ داروں کو نہیں آنے دیں گے۔پیپلز پارٹی کی حکومت اگر نہ بنی تو یہی فوجی حکومت چلے گی۔یہی مارشل لاء زون اے بی سی ڈی۔ہنسو تو کوڑے، کھانسی آئے تو چار ماہ، میں نے 11 ستمبر کو مزار قائداعظم پر قائد کو خراج تحسین پیش کیا۔تقریر کی اجازت نہیں تھی۔پاکستان کی آزادی کا کیا مطلب ہے۔لاکھوں انسانوں نے قربانیاں دیں۔عصمتوں پر حملے ہوئے۔مہاجروں کا قافلہ 60 میل لمبا تھا۔یہ سب قربانیاں کس لئے تھیں۔اس لئے کہ یہاں ایک منصفانہ نظام ہوگا۔اسلام کے اصولوں پر غریبوں کا پاکستان بنے گا۔جہاں آزادی حاصل ہوگی۔ اقتصادی آزادی۔استحصال سے آزادی۔پیپلز پارٹی کا بھی یہی موقف ہے۔پنجاب میں بھی ہمارے خلاف سازشیں ہورہی ہیں۔آپ خود اخباروں میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔مختار رانا میرے خلاف کیسے ہوسکتا ہے وہ تو میرا بھائی ہے وہ غریب نیا سیاستدان ہے۔وہ واقف نہیں ہے سرمایہ داروں کی سازشوں سے، پیپلز پارٹی عوام سے کبھی غداری نہیں کرے گی۔میں تو اس دن کی نسبت موت کو پسند کروں گا۔جس دن میں عوام سے غداری کروں گا۔میں کون سی چیز ہوں جو اقتدار سے پہلے اپنے منشور پر میں عملدرآمد کرسکوں۔جب ماؤزے تنگ جیسی عظیم شخصیت اقتدار سے پہلے منشور پر عملدرآمد نہ کرسکی۔ہمیں خیرات کے اڈے تو نہیں بنانے ہیں۔یہ سازشیں ہیں سرمایہ داروں کی، سرکاری ملازموں اور سرمایہ داروں کے پٹھوؤں کی۔

یہ کراچی کا انگریزی اخبار ہے کسی سرمایہ دار کا۔جس میں لکھا ہے کہ سردار اکبر بگٹی کے کھانے کے بعد میں نے کہا کہ کوئی سیاسی معاہدہ نہیں کیا۔کون اخباری نمائندہ مجھ سے ملا۔ میری ایئرپورٹ کے بعد کسی اخباری نمائندے سے ملاقات نہیں ہوئی۔میں زبردست

احتجاج کرتا ہوں۔ میرے ساتھ یہ سلوک کئی برس سے کیا جارہا ہے۔ ہمارے غریب عوام پہلے ہی الجھن میں ہیں۔ انہیں اور الجھن میں نہ ڈالو۔ میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں کہوں گا۔ جو چاہوں گا۔ آپ نے تین سال سے میرے ساتھ اس قسم کا ظلم کیا ہے۔ پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد، مشرقی پاکستان ہر جگہ میرے خلاف سازشیں ہورہی ہیں۔ جب بحران ختم ہوجائے گا تو تاریخ فیصلہ کرے گی کہ ہم نے کوئی ایسا قدم مشرقی پاکستان یا مغربی پاکستان کے خلاف نہیں اٹھایا۔ وقت بتائے گا کہ ہم نے کتنی کوشش کی۔ کیا ہم جمہوریت نہیں چاہتے تھے۔ ہم نے تو الیکشن جیتی تھی۔ ہم جانتے تھے کہ اگر ہم ناکام رہے تو مارشل لاء جاری رہے گا۔ ہم چاہتے تھے کہ تشدد ختم ہو۔ کچھ لینے دینے کے ساتھ عوامی حکومت آئے۔ ہمارے خلاف پروپیگنڈہ بہت ہوا ہے

آخر پیپلز پارٹی نے کون سا گناہ کیا ہے۔ ہم نے عوامی لیگ کو تار بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تار کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم جنوری میں گئے۔ ہم نے بات چیت کی اور کہا کہ ہمیں دوسرے لوگوں سے بات چیت کے لئے ایک مہینہ چاہئے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ صرف چھ نکات اور کچھ نہیں۔ 29 ستمبر کو مشرقی پاکستان کے بارے میں ایک کتاب شائع کررہا ہوں جو جون میں لکھی تھی۔ اس کے بعد اہم واقعات رونما ہوئے ہیں۔ 19 اگست کو روس بھارت معاہدہ ہوا۔ وائٹ پیپر شائع ہوا ان پر میں کچھ کہتا تو بات ختم نہ ہوتی۔ میرا اپنا جو نقطۂ نظر ہے۔ میں اس میں پیش کروں گا۔ اس کا ترجمہ اردو، سندھی اور بنگالی میں بھی ہوگا۔ ہاں میں یہ یہاں بھی بتاؤں کہ سرحد میں ہمارے خلاف سازشیں ہورہی ہیں وہ کامیاب نہیں ہوسکتے۔ مل جاؤ، اکٹھے ہوجاؤ۔ ہم مقابلہ کریں گے۔ ہمیں تو مزا آتا ہے مقابلہ کرنے میں۔ مزار قائد پر میں نے کہا تھا کہ اور میرے قائد نے پاکستان کیا اس مقصد کے لئے بنایا تھا کہ 13 برس تک فوج رہے۔ آپ نے پاکستان کے بارے میں کیا سوچا تھا۔ اب میرا فرض نہیں ہے تو کس کا فرض ہے اور اگر کسی میں جرأت ہے تو آؤ۔ کان میں کہتے ہیں "بڑے تنگ آگئے ہیں فوجی حکومت سے، جانے کب جائے گی۔" شکست خوردہ لوگو، تم کون ہو مشورہ دینے

والے لاہور میں بیٹھ کر۔ میں مشورہ کروں گا تو عوام سے کروں گا۔ کہتے ہیں آپ جمہوری طریقے سے اسے حاصل کریں۔ ہم نے تو شروع سے جمہوری طریقے سے کوشش کی۔ ایک انقلاب کا طریقہ تھا، ایک انتخاب کا۔ ہم نے ایوب کے خلاف انقلابی تحریک چلائی کامیاب ہوئے، انتخاب لڑے کامیاب ہوئے۔ مگر غریب پرور، اقتدار عوام کو پھر بھی نہ ملا۔ ہم بڑی شرافت سے اقتدار مانگ رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں ہم بیٹھے ہیں، کون اٹھا سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جمہوری طریق سے معاملہ ہو جاء۔ ہم نے مارچ سے ستمبر تک صرف مذاکرات کئے ہیں۔ اب نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ خزانے میں کچھ نہیں رہا۔ بین الاقوامی طور پر ہمارا نام ختم ہو گیا ہے۔ دنیا میں حکومتوں کا رواج ہے کہ چھوٹا سا فیصلہ ہو تو وہ بھی پارلیمنٹ میں لے جاتے ہیں۔ امریکہ، جرمنی، فرانس۔ جرمنی میں حال ہی میں ایک نوجوان نے جرمنی کے منتخب چانسلر جو وزیراعظم کے برابر ہوتا ہے اس کے چانٹا مار دیا۔ یہ چانسلر تھا، منتخب چانسلر اس لئے عزت کے قابل ہے۔ چانٹا مارنے والے کو سزا ملنی چاہئے تھی۔ لیکن یہ منتخب چانسلر تھا۔ عوام نے اسے منتخب کیا تھا۔ اس لئے اس نے عوام کا احترام کیا معاف کر دیا۔ یہاں ایک سپاہی کے خلاف کچھ ہو جائے تو ڈنڈا چل جاتا ہے۔ تمام بڑے ملکوں میں پارلیمنٹ کا احترام کیا جاتا ہے۔ سیاست میں نہ صرف صحیح فیصلہ بلکہ پارلیمنٹ میں بتانا پڑتا ہے کہ فیصلہ کیسے، کیوں کیا گیا۔ یہاں تو ریڈیو فیصلے سناتا ہے۔ ایک خبر، دوسری خبر ٹھکا ٹھک آتی رہتی ہے۔ ہمیں بتاؤ تو سہی، آگاہ کرو۔ ہم حکومت میں دخل نہیں دیتے۔ لاحول ولاقوۃ۔ کچھ بتاؤ تو سہی، قوم چکر میں پڑی رہتی ہے۔ سیکرٹری اطلاعات چار لائنیں انگریزی میں نہیں لکھ سکتے کیسے چلے گی وزارت اطلاعات۔ کہتے ہیں کیوں پوچھتے ہو۔ ہم تو نیک نیتی سے پوچھ رہے ہیں۔ ایک نشست والا کیوں پوچھتا ہے اور اس کی بات بھی مان لی جاتی ہے۔ پوچھنا ہر ایک شہری کا حق ہے۔ میں کہتا ہوں چلو اکثریت کو گولی مار دو۔ اس چپلی کباب کو حکومت دے دو۔ بھٹو تو خادم ہے۔ غلام ہے عوام کا، میں تو معمولی انسان ہوں۔ ہماری جدوجہد جاری ہے۔ اسمبلی کے اندر بھی اسمبلی کے باہر بھی۔ اسمبلی کے باہر زیادہ جاری

ہے۔ اندر 300 بیٹھے ہیں تو باہر 12 کروڑ ہیں۔ اگر نمائندے غلط بات کریں گے تو ہم سب سے انتقام لے سکتے ہیں۔ میرا ایک پاؤں اندر ہے اور ایک پاؤں باہر ہے ہم آپ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ چالبازی نہیں ہے۔ وقت آئے گا تو میں مقابلہ نہیں کروں گا انصاف مقابلہ کرے گا۔ وقت کا تقاضا مقابلہ کرے گا۔ عوام کے ساتھ جو ظلم ہو رہا ہے وہ مقابلہ کرے گا۔ یہ بہادروں کی قوم ہے چوہوں کی قوم نہیں ہے۔ اس میں اپنے مطالبوں اور حقوق کے لئے استحصال کے خلاف مقابلہ کرنے کی اہلیت ہے۔ میں جانتا ہوں۔ دیکھو لاہور میں کیا ہوا۔ یعقوب مسیح کا واقعہ، وہ میرا ورکر تھا۔ میں اس علاقے سے منتخب ہوا ہوں۔ مت پوچھو میرے دل پر کیا بیتی، اسے سب کالا کہتے تھے، کالا وہ نہیں تھا کالے وہ ہیں جو دستور لکھ رہے ہیں۔ کیا حشر ہوا اس پولیس اسٹیشن کا۔ ہمیں آزمائش میں نہ ڈالو ہم نے تو کال بھی نہیں دی تھی۔ یہ نہ کہو کہ ہم اس طاقت کو بھی ختم کر دیں گے۔ پیپلز پارٹی کی طاقت پاکستان کی طاقت ہے جس سے بھارت بھی ڈرتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا یہاں لاشیں رہ جائیں گی، جو ملک کی خدمت کریں گی۔ کون سے انجکشن لگاؤ گے نصر اللہ خان کو جس سے وہ حرکت میں آئے گا۔ ہمیں احترام ہے صدر یحییٰ کے وعدوں کا، وہ کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت دیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس سال کے آخر تک اسمبلی آجائے گی۔ نیا سال جمہوریت کا دور ہونا چاہئے۔ اگر نہ ہوا تو ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ ایک برس انتظار کیا ہے۔ الیکشن کے بعد مسائل الجھتے جا رہے ہیں۔ غیور بلوچو، غیور پاکستانیو! بھٹو ایئر کنڈیشنڈ جیل میں نہیں جائے گا۔ میں باہر رہوں گا۔ پہلی گولی کھاؤں گا۔ ہم پاکستان کو تقسیم کرنے کیلئے اور علیحدگی کے لئے نہیں لڑ رہے ہیں۔ ہمیں مجبور کیا گیا تو ہم خالی ہاتھ لڑیں گے۔ سچ ہمارا ساتھ دے گا۔ صداقت ہمارا ساتھ دے گی۔ حق ہمارا ساتھ دے گا۔ یہ جدوجہد جائز جدوجہد ہے۔ جائز جدوجہد کو طاقت نہیں کچھ سکتی۔ طاقت سے صرف ناجائز جدوجہد کو کچلا جا سکتا ہے

غریبوں کے بچو! قائداعظم کا پاکستان جمہوریت کے لئے بنا تھا۔ میں خبردار کرتا ہوں کہ اگر جنوری میں اقتدار منتقل نہ ہوا اور مارچ اپریل تک بات چلی گئی تو بھول جاؤ جمہوریت کو،

جمہوریت کبھی نہیں آئے گی۔ پھر پاکستان کو اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے۔ بارشیں شروع ہو گئیں اور اب کے بجٹ عوامی حکومت نے نہ بنایا تو جمہوریت ختم، پھر یا غلاموں کی طرح لیٹ جاؤ۔ نہیں تو کہو کہ اس زندگی سے موت بہتر ہے ۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی!

خبردار اے نوجوانو! مزدوروں اور مزدوروں کے بچو؟ کسانوں اور کسانوں کے بچو! تم پر کافی ظلم ہو چکا ہے۔ آپ فیصلہ کر چکے کہ حکومت کس نے کرنی ہے۔ ڈٹے رہو کل تمہاری ہے آپ کو زنجیریں توڑنی ہیں۔ آپ کی تکلیفیں دور نہ ہو سکیں تو کم از کم آپ کے بچوں کے بیٹوں کی تکلیفیں تو دور ہو جائیں گی۔"

بھٹو صاحب نے یہ تقریر ختم کی تو کسانوں اور مزدوروں کے چہرے تمتما رہے تھے اور آنکھوں میں عزم کی چمک تھی۔

بھٹو صاحب نے رات کو آغا علی بلیدی کے عشائیے میں شرکت کی۔ اس میں پیپلز پارٹی کے مقامی رہنماؤں کے علاوہ عبدالصمد اچکزئی اور یحییٰ بختیار بھی شامل تھے۔ اگلی صبح بھٹو صاحب کراچی کے لئے تشریف لے آئے۔ ہم وہاں ایک روز کے لئے مزید ٹھہرے۔

کوئٹہ کی صبح بہت خشک ہوتی ہے اور خنک بھی۔

صبح سویرے بھٹو صاحب کراچی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہم بھی آج کوئٹہ سے باہر نکلنے اور بلوچستان دیکھنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ مرزا حامد علی بیگ اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر ہمارے ساتھ چلنے کا وعدہ کر رہے تھے۔ صبح وہ اپنی سبز بل مین سمیت بلدیہ ہاؤس آ پہنچے۔ میں، الطاف رانا اور فاروق معین ان کے ساتھ ہو لئے۔ راستے میں پی آئی اے سے کل کے لئے اپنی سیٹیں پکی کراتے ہم کوئٹہ سے باہر نکلے۔ کوئٹہ کی آبادی ختم ہوتے ہی

پھر لق ودق صحرا اور خشک پہاڑ اپنی ویرانیوں اور تنہائیوں میں کھو جانے کی دعوت دینے لگے۔ ایک انجانا سا احساس، شاید فنا کا احساس پیدا ہو رہا تھا۔ درمیان میں بلوچستان یونیورسٹی بھی پڑی۔ بلوچستان کو 23 برس میں پہلی بار یونیورسٹی ملی ہے۔ آہستہ آہستہ تکمیل کی راہیں طے کر رہی ہے۔ یونیورسٹی کی مختلف تعمیرات بالکل ایسے لگتی ہیں جیسے صحرا میں خیمے تنے ہوں۔ سبزہ ہے نہ رونق ہے۔ نہ دوسری یونیورسٹیوں کی طرح آنچلوں کی بہار۔ کبھی یہاں صحرا تھا۔ آج یہاں علم کے سرچشمے ہیں۔ کل یہاں رونقیں ہوں گی۔ یونیورسٹی سے معاً آگے چیک پوسٹ ہے۔ یہ سڑک کراچی تک جا رہی ہے۔ قلات تقریباً 90 میل دور ہے۔ کراچی قریباً 600 میل۔ یہ سڑک ابھی ساری کی ساری پکی نہیں بن سکی۔ لیکن قلات تک بڑی اچھی ہے۔ کار فراٹے بھرتی چلتی ہے۔ دونوں طرف دور دور تک سبزے کا کوئی نشان نہیں۔ البتہ سوکھے، بنجر اور گونگے پہاڑ کھڑے ہیں۔ کسی صاحب نے بتایا کہ یہ کوہ مردار کا سلسلہ کہلاتے ہیں۔ یہ کسی مردہ تہذیب کا ملبہ معلوم ہوتے ہیں۔ کھنڈر، حزا بے جہاں سے کسی احمد فراز کو وفا کے موتی ملنے کی امید نہیں ہو سکتی ہے۔ ان پہاڑوں سے کچھ نہیں اگتا۔ نہ ان پہاڑوں کے دامن میں کچھ ہے۔ ان صحراؤں کو پہاڑوں کی وادیاں ضرور کہا جا سکتا ہے مگر یہ پربتوں کی شہزادیاں نہیں ہیں اور یہ کسی فلم کی ہیروئن سے نہیں پوچھتی ہیں کہ وہ کب دلہن بنے گی؟ ان وادیوں سے دوشیزائیں نہیں گزرتیں، محنت کش اور بہادر بلوچی اپنے اونٹوں کی نکیل تھامے گزرتے ہیں۔ انہیں رزق کی تلاش ہوتی ہے۔ ان کے اونٹوں پر خشک جھاڑیاں ہوتی ہیں۔ اونٹوں پر خاندان سوار ہوتا ہے۔ ساتھ ایک کتا چلتا ہے جو ان کا محافظ کہلاتا ہے۔ یہ قافلہ ہی ان بلوچیوں کی کل کائنات ہے۔ ان کا کوئی گھر نہیں ہے۔ شہر میں جا کر ان جھاڑیوں کو فروخت کر دیں گے اور اس کے بدلے میں کچھ دنوں کا راشن لے کر کسی اور جگہ رزق ڈھونڈنے چلے جائیں گے۔ ان وادیوں سے یہ قافلے گزرتے ہیں یا ان وادیوں نے ان ملیشیا پوش مزدوروں کو دیکھا ہے جو کدال لئے ان صحراؤں میں سے بل کھاتی سڑک تیار کرتے ہیں۔ یہ وادیاں بلوچیوں کو گھوڑوں پر جاتے دیکھتی تھیں اور کبھی اونٹوں پر۔

www.bhutto.org

اب یہ وادیاں سرداروں کو، جاگیرداروں کو کاروں میں گزرتے دیکھتی ہیں۔ پہلے ان وادیوں سے ان لوگوں کا قریبی رشتہ ہوتا تھا۔ اب تو وہ نظر ڈالے بغیر ہی ان سے گزر جاتے ہیں۔ لیکن غریب بلوچی کا اب بھی ان وادیوں اور اپنی زمینوں سے وہی رشتہ ہے۔ وہ اب بھی اونٹ پر گزرتا ہے تو ان وادیوں کو اپنی آنکھوں میں اتارتا جاتا ہے۔ اس کا رشتہ نہیں ٹوٹا۔ ان وادیوں نے ہی تو اس کو جنم دیا اور اس کو پالا۔ وہ اپنی ماں کو کیسے بھلا سکتا ہے۔

ہل مین بھاگ رہی تھی اور راستے میں محنت کش سڑک کو اور وسیع کر رہے تھے۔ کدال کی چوٹ صحرا کو سڑک میں تبدیل کر رہی تھی۔ ہمیں پہلے مستونگ جانا تھا۔ قلات ڈویژن کے کمشنر کے ساتھ ہماری چائے تھی۔ مستونگ میں اس علاقے کا ایک جشن ہو رہا تھا۔ آج اس جشن کا آخری دن تھا۔ جشن، جشن میں فرق ہوتا ہے۔ یہ جشن شہنشاہیت ایران تو نہیں تھا۔ یہ تو اس علاقہ کے غریبوں کا میلہ تھا جہاں غریبوں نے گیت گائے۔ اپنی مصنوعات اور کھانے پینے کی چیزیں فروخت کیں۔ اپنے علاقے کی فلمیں دیکھیں اور بس۔

یہاں سب مکان کچے ہیں۔ مٹی کے انسان، مٹی کے مکان۔ انسان نظر آجائے تو غنیمت ہے۔ ڈھاکے میں کرفیو کی گھڑیاں قریب آتیں تو جو ویرانی چھانے لگتی تھی۔ وہی یہاں دکھائی دیتی ہے مگر یہاں تو ویرانی زندگی کا ایک جزو بن گئی ہے۔ ہم بڑے شہروں کی رونقوں کے عادی۔ بلوچستان کے لوگ ویرانیوں کے عادی۔ وہ ویرانیوں سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔ ہم ان ہی ویرانوں سے ہوتے مستونگ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مستونگ میں اس وقت قلات کے کمشنر جناب ارشاد صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ ہمیں چائے پینا ہے۔ ریسٹ ہاؤس میں کمشنر صاحب نے ہمارا استقبال کیا۔ سادہ سے لباس میں سادہ سے آدمی۔ ہم ان کے دفتر میں آکر بیٹھ گئے۔ وہ اگرچہ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں لیکن بلوچستان میں بڑے لمبے عرصے سے ہیں اور بلوچستان کے مسائل سے اچھی طرح واقف ہیں۔ پہلے تو وہ ہم سے کراچی کے بارے میں اس طرح پوچھتے رہے کہ ہم جیسے کسی دوسری دنیا سے آئے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہم نے تو اپنے آپ کو بلوچستان کی خشک زندگی میں

سمولیا ہے۔ آپ بڑے شہروں کے لوگ تو جانے ہمارے علاقے کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ لیکن یہاں سرکاری نوکری کرنا یہاں زندگی گزارنا اپنی نوعیت کا واحد تجربہ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ بلوچستان کا سب سے بڑا مسئلہ ذرائع مواصلات کا ہے۔ سڑک کی سہولت بہت کم علاقوں میں حاصل ہے۔ زیادہ تر علاقوں میں اونٹ اور اس سے زیادہ علاقوں میں صرف پیدل چلنا ذریعۂ سفر بن سکتا ہے۔ وہ بتانے لگے کہ انتخابات کے دنوں میں بعض علاقوں سے نتائج تین روز بعد حاصل کئے جاسکتے۔ ووٹروں کا پولنگ اسٹیشن تک پہنچنا تو بذات خود ایک مسئلہ تھا۔ نتائج کی سنئے کہ پولنگ اسٹیشن جہاں ووٹ گنے جارہے تھے وہاں ساتھ ہی ایک شخص اونٹ پر تیار بیٹھا تھا۔ نتیجہ تیار ہوتے ہی اس کے حوالے کیا گیا اور یہ اونٹ جس فاصلے تک چل سکتا تھا۔ اس کے بعد پھر ایک اونٹ سوار تیار کھڑا تھا۔ وہ اس اونٹ سوار سے کاغذات وصول کر کے اگلے اونٹ سوار تک پہنچاتا تھا۔ پھر اس کے بعد یہ نتیجہ ایک ایسے موڑ پر پہنچتا تھا جہاں سے جیپ میسر تھی۔ اس طرح چار پانچ مراحل طے کر کے نتیجہ ڈویژن کے صدر مقام تک پہنچتا تھا۔ اسی لئے بلوچستان کے نتائج موصول ہونے میں تاخیر ہوئی۔

کمشنر صاحب کہنے لگے کہ آپ بڑے شہروں کے رہنے والے صحافی کسی وقت بیس تیس روز کے لئے آئیں تو آپ کو بلوچستان کی حقیقی زندگی دکھائیں کہ یہاں آپ کے ہم وطن کتنی کٹھن زندگی گزارتے ہیں۔ انہیں کن کن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے ایک دو علاقوں کے بارے میں بتایا کہ وہاں کے لوگ اکثر سندھ اور دوسرے علاقوں میں رزق کی تلاش میں چلے جاتے ہیں۔ پینے کا پانی بھی یہاں بہت کم لوگوں کو میسر ہے۔ کنواں کھودنے پر بھی پانی جلد نہیں نکلتا۔ اس لئے روزگار بھی نہیں ہے۔ لوگوں کا اثاثہ صرف بھیڑ بکریاں ہیں۔

بیس پچیس روز کے لئے آیئے اور اپنے ان ہموطنوں کے درمیان زندگی کے کچھ لمحے گزاریئے ہم آپ کو خاران کسی قافلے کے ساتھ کردیں گے جو رزق کی تلاش میں کسی

دوسرے علاقے میں جارہا ہوگا۔ اس قافلے کے ساتھ دو تین سفر کیجئے، آپ کو اندازہ ہوگا زندگی کیا ہے۔ کہیں راستے میں کام مل گیا۔ محنت مزدوری کرلی۔ معاوضہ پالیا۔ پھر آگے چل کر اس سے راشن خرید لیا۔ پھر چل پڑے یہاں صرف آج کی روٹی پاس ہوتی ہے کل کی فکر نہیں ہوتی۔

ارشاد صاحب نہایت پیار بھرے لہجے میں یہ باتیں سنا رہے تھے۔ میں نے وعدہ کرلیا کہ جب بھی آپ بلائیں ہم چلنے کو تیار ہیں۔ وہ بتا رہے تھے کہ بلوچستان کی زمینیں اتنی وسیع ہیں اور بنجر سپاٹ پانی کی دقت ہے اس لئے آبادی کم ہے۔ صنعتوں کا نام ونشان نہیں ہے۔ اب ادھر گوادر کے قریب ماہی گیری کی صنعت قائم کی جارہی ہے۔ امید ہے بلوچستان کے بہت سے لوگوں کے لئے روزگار فراہم ہوجائے گا۔

میں نے کہا کہ ایک سیاستدان نے کہا ہے کہ گوادر کے بارہ ہزار افراد کے لئے بارہ لاکھ روپے خرچ کر کے پانی کا انتظام کیا جارہا ہے۔ لیکن لاکھوں افراد کے لئے پانی پر ہزاروں روپے خرچ نہیں کئے جارہے۔

اس پر کمشنر صاحب کہنے لگے۔ اس علاقے میں پانی نزدیک سے دستیاب ہے۔ پھر یہاں صنعتی علاقہ بنایا جارہا ہے۔ یہاں اگر صنعتی ترقی ہوگی تو پورے بلوچستان میں اس کے اثرات پھیلیں گے۔ دوسرے علاقوں میں بھی آہستہ آہستہ پانی کی فراہمی کے انتظامات کئے جائیں گے۔ فی الحال تو مواصلات کے ذرائع پر زیادہ توجہ دی جارہی ہے تاکہ بعد میں ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانی ہو اور مشینری کی نقل وحرکت بھی آسانی سے ہوسکے۔ اب کراچی سے کوئٹہ کے درمیان سڑک کافی حد تک بہترین حالت میں ہے۔ ابھی کچھ حصہ باقی ہے۔ بلوچستان میں چند ایک قصبے ہیں جہاں ابھی شہری سہولتیں بھی نہیں ہیں۔ قلات ڈویژن کے صدر مقام خضدار میں سینما گھر بھی نہیں ہے۔ یوں لوگوں کو تفریح کا سامان بھی میسر نہیں ہے۔

اتنے میں چائے آگئی، بسکٹ اور بہت کچھ۔ چائے پی۔ دوپہر کا کھانا قلات میں

www.bhutto.org

خان آف قلات کے ہاں تھا۔ منزل دور تھی۔ 60 میل کے قریب۔ دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ ویرانیاں منہ پھاڑ رہی تھیں۔ ہم نے کمشنر صاحب سے اجازت لی اور پھر بیگ صاحب کی ہل مین کراچی قلات روڈ پر 80 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگنے لگی۔ پھر وہی ویرانیاں، بنجر پہاڑ، وہی دور دور یہ کو کدالیں اٹھائے مزدور اور کہیں کہیں اونٹوں پر سوار قافلے۔ ہم قلات کی طرف بڑھ رہے تھے۔

خان صاحب سے ملاقات ہوئی تو ہم قلات وغیرہ کے بارے میں مختلف باتیں پوچھنے لگے۔

''بھٹو صاحب سے آپ کی کیا بات ہوئی۔'' ہم نے خان صاحب کو بھٹو صاحب سے بات چیت کے سلسلے میں مطمئن پایا۔ وہ بھٹو کی قیادت کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے اور کہا کہ میں ان سے مل کر بے حد مطمئن ہوں۔ میں نے ان کے بارے میں سنا تھا کہ وہ بے حد جذباتی ہیں۔ لیکن میں نے ان سے بات چیت کی تو ان کو بے حد مدبر، زیرک اور دیانتدار پایا۔ وہ باتیں سچی کرتا ہے۔ اگر اسے موقع ملا تو وہ یقیناً اس ملک کو آگے لے جائے گا۔ انہوں نے بھٹو صاحب کی اس بات کو بالکل صحیح قرار دیا کہ باہر پاکستان کا وقار بہت مجروح ہو رہا ہے۔ انہوں نے یقین ظاہر کیا کہ صدر یحییٰ منتخب عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کر دیں گے۔ کیونکہ وہ اس سلسلے میں مخلص ہیں۔ خان صاحب نے کہا کہ ہم بلوچ لوگ کسی کا ساتھ انتہائی سوچ سمجھ کر دیتے ہیں اور جب ساتھ دیتے ہیں تو پھر آخری دم تک اور اپنے تمام تر خلوص اور بھرپور طاقت کے ساتھ۔ خان صاحب سے پھر ہم نے قائداعظم کے بارے میں کچھ پوچھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیا بات ہے اس عظیم رہنما کی۔ قائد اس ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے تھے جس میں آپ نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ قائد مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ قائد کو بلوچوں کی بہت قدر تھی۔ خان صاحب نے کہا کہ یہ بلوچوں کی بہادری کے سبب ہی تھا کہ ہم نے برصغیر اور دوسری طرف روس جیسی مملکتوں کے درمیان 300 برس تک قلات پر حکمرانی کی اور ریاست کی وحدت کو سلامت رکھا۔

www.bhutto.org

آخر میں ہم خان صاحب سے اجازت لے کر اٹھے تو انہوں نے کہا کہ دعا کیجئے کہ ملک سلامت رہے تو سب کچھ ہے۔ ہم جب قلات سے باہر نکلے تو شام کے سائے پھیل رہے تھے اور دس بارہ میل آگے نکلنے پر اندھیرے نے پورے راستے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جیسے ستم کی طویل رات نے پاکستان کے عوام کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے۔ پچاس ساٹھ میل نکل کر چند مدھم روشنیاں دکھائی دیں۔ امید کی کرنیں، ایسی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ان روشنیوں کے بعد ہم تو اپنی منزل مقصود کوئٹہ پہنچ گئے۔ لیکن امید کی روشنیاں جو پاکستان کی تاریخ کے سفر میں دکھائی دے رہی ہیں۔ انہوں نے ہمیں اپنی منزل مقصود پر اب تک نہیں پہنچایا۔

اگلے روز ہم جہاز سے کراچی روانہ ہو گئے۔ یہ سفر فاروق معین کے لئے تو نہایت خوشگوار تھا کہ انہیں ایک اچھا ہمسفر مل گیا۔ ہم تو وہی محروم رہے۔ ازلی، ابدی محروم۔

www.bhutto.org

دما دم مست قلندر

یہ سفر بہت پہلے شروع ہوا تھا۔ اس کی جھلکیاں آپ بھی دیکھ چکے ہیں۔ دسمبر 1970ء میں اس کا ایک مرحلہ ختم ہوا اور پھر مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان پہنچا۔ امیدوں آرزوؤں کے ساتھ، گولیوں کے ساتھ نہیں۔ مارچ 1971ء کا مہینہ ہماری تاریخ کا سب سے المناک مہینہ جس سے پاکستانی کے ہاتھوں پاکستانی کے قتل کی بنا پڑی۔ یہ خون اب تک بہہ رہا ہے۔ لاکھوں ہم وطن، ہم وطنوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ کون شہید ہوا، کون ہلاک! کسے علوم۔ کس نے وطن کے لئے جان دی۔ کس نے اصولوں پر جان کی بازی لگائی۔ ابھی کوئی نہیں جانتا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اپنے لاکھوں بیٹوں سے محروم ہو گیا۔ بستیاں تاراج ہو گئیں۔ نفرت کی دیوار کھڑی ہو گئی۔ آج آٹھ مہینے گزرنے کے بعد بھی ہم اپنے زخموں کو بھر نہیں سکے۔ نوکر شاہی اور غیر نمائندہ حکومت نے اپنی نااہلی کی بناء پر ہمیں بیرون ملک بھی رسوا کر دیا۔ ہمارے دشمن نے ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پراپیگنڈے کی مہم تیز کر دی ہے۔

اس سفر کا راستہ بھول بھلیوں میں ڈھل گیا ہے۔ سفر جاری ہے۔ اب بھی وہی امید ہے وہی آس ہے۔ راستہ پہلے سے زیادہ خطرناک ہو گیا ہے۔

خیبر سے کراچی تک لوگوں کو بیدار کرنے والی آواز اب بھی گرج رہی ہے۔ گونج رہی ہے۔ کراچی میں یہ آواز 14 مارچ 1971ء اور پھر 11 ستمبر 1971ء کے بعد پہلی بار گونجی۔ مسٹر بھٹو 23 اکتوبر کو کراچی سے قاہرہ روانہ ہوئے۔ یہ سفر 23 اکتوبر سے جاری ہوا۔ اس

سفر کے مقامات مختلف تھے، روٹ مختلف تھے مگر منزل ایک تھی۔ قاہرہ، جنیوا، پیرس، روم، کراچی، پنڈی، پیکنگ، پنڈی، جہلم، لالہ موسیٰ، گجرات، لاہور، ساہیوال، ملتان، بہاولپور، رحیم یار خان، نواب شاہ، حیدرآباد، کراچی۔ یہ سفر کتنا طویل ہے۔ کون جانے کب تک جاری رہے گا۔ پنڈی سے لاہور۔ پھر لاہور سے حیدرآباد تک پنجاب اور سندھ کے غریب عوام اس شخصیت کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے جوق در جوق پہنچے۔ وہ ہمہ تن نظارہ تھے، ہمہ تن گوش تھے۔ پہلے انہوں نے اسے الیکشن کے دوران چاہا تھا۔ پھر الیکشن کے بعد جب وہ فاتح بن کر شہر شہر شکریے کے لئے گیا تو پھر لوگوں نے اس کا استقبال کیا۔ اس کے بعد وہ ایک ایسے دورے سے واپس آرہا تھا جس سے پاکستان کے کروڑوں عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ایک دوست ملک، ایک اصولی ملک کے دورے سے۔ جس نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کے عوام کا ساتھ دیا۔ اس عظیم دوست ملک سے بات چیت کے بعد مسٹر بھٹو لوٹے تو ہر شہر میں پاکستان کی لاکھوں آنکھیں ہمہ تن دیدار بن گئیں۔ بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں عقیدت محبت لے کر پہنچیں۔ پاکستان کی امیدیں اور آرزوئیں اب اس شخصیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ الیکشن کو ایک سال گزر گیا۔ ابھی تک عوامی حکومت نہیں بن سکی ہے۔ حالات خراب ہوتے جارہے ہیں۔ لیکن بھٹو کی بات سننے والے اور دیکھنے کے لئے آنے والے بتارہے ہیں کہ ابھی ان میں ہمت ہے۔ اور انہیں کوئی آواز دینے والا ہو تو یقیناً گلیوں سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ خواہ انہیں اپنے اندرونی دشمنوں کے لئے بلایا جائے یا بیرونی دشمنوں کے مقابلے کے لئے آواز دی جائے۔

میں حیدرآباد کے اسٹیشن پر صبح چھ بجے پہنچا تو معلوم ہوا کہ گاڑی تین گھنٹے لیٹ ہے۔ لوگ جمع ہورہے تھے۔ غریب ہاری، طالب علم چین کے پرچم اٹھائے ہوئے، نوجوان بھٹو کی تصویریں لئے ہوئے۔ گاڑی 10 بجے آرہی تھی۔ بعد میں اعلان ہوا کہ 9 بجے آرہی ہے۔ اسٹیشن عوام سے پُر تھا۔ گاڑی پہنچی۔ ہجوم اس ڈبے کی طرف بہنے لگا جس میں بھٹو بیٹھے تھے۔ انہوں نے آکر ہاتھ ہلا کر اپنا خیر مقدم کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور مختصر سی تقریر کی۔

www.bhutto.org

یہاں سے میر رسول بخش تالپور، سندھ پیپلز پارٹی کے صدر بھی ساتھ ہو لئے۔ گاڑی پھر کوٹری جا رکی۔ یہاں بھی ہجوم کا وہی عالم تھا۔ سندھی بھی تھے، مہاجر بھی۔ سب ایک ساتھ تھے۔ ان کے ایک نعرے تھے، ایک آواز تھی۔ کوٹری میں گاڑی زیادہ دیر رکی۔ اس لئے تقریر بھی ذرا طویل ہوگئی۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ مسٹر دولتانہ بھی اسی گاڑی سے سفر کر رہے ہیں۔ فاروق معین، نجم الحسن اور الطاف رانا ڈبے کی طرف گئے جس ڈبے میں وہ بیٹھے تھے اس پر ''لیڈیز کمپارٹمنٹ'' لکھا ہوا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ہم مستورات سے بات تو نہیں کرنے آئے تھے۔ ہم انہی قدموں پر لوٹ آئے۔ کوٹری کے بعد گاڑی آہستہ آہستہ چلتی رہی کیونکہ کئی جگہ سے پٹڑی بن رہی ہے۔ یہ گزشتہ کئی برس سے بن رہی ہے اور جانے کب تک بنتی رہے۔ اب جنگ شاہی آ گیا ہے۔ یہاں بھی عوام کا ہجوم ہے لوگ مسٹر بھٹو کو سننا چاہتے ہیں مگر مائیک ہجوم کی وجہ سے بھٹو صاحب تک نہیں پہنچ سکا۔ ٹرین چل پڑی ہے۔ بھٹو صاحب یہ وعدہ کر کے کہ ہم 14 تاریخ کو آئیں گے ڈبے میں چلے آئے۔ مگر گاڑی تھوڑی دور جا کر رک گئی۔ مائیک والے جیپ سمیت پلیٹ فارم پر آ گئے ہیں۔ بھٹو صاحب کو پھر ڈبے سے نکل کر خطاب کرنا پڑا ہے۔ ہاری خوش ہیں۔ طالب علموں کی آنکھیں چمک رہی ہیں۔ اب کراچی آئے گا۔ راستے میں کوئی اسٹیشن نہیں ہے۔ لانڈھی پر گاڑی رکی اور پھر چل پڑی۔ میں سوچ رہا ہوں کہ دولتانہ صاحب کو کینٹ اسٹیشن پر بڑی بوکھلاہٹ ہوگی۔ بھٹو کا استقبال اور عوام کی ہمت دیکھ کر انہیں کچھ ہو نہ جائے۔ ممکن ہے کہ وہ پہلے ہی کسی اسٹیشن پر اتر جائیں۔ ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ گاڑی اچانک ڈرگ روڈ کے اسٹیشن سے پہلے ہی رک گئی ہے۔ جانے کیا بات ہے۔ ارے وہ دولتانہ کھسک گئے۔ چلو رانا! جلدی تصویر، تصویر۔ رانا بھاگا اور ایک مال گاڑی کے نیچے سے گزر کر دولتانہ کے سامنے پہنچ گیا۔ کچھ لوگ شور مچا رہے ہیں۔ ''چوہا جا رہا ہے۔ چوہا جا رہا ہے۔'' بھٹو صاحب نے بھی کھڑکی سے اس لیڈر کو جاتے دیکھا اور کہا یہ بھی لیڈر ہیں جو عوام سے ڈرتے ہیں۔

بہر حال دولتانہ صاحب نے اپنی عافیت اسی میں جانی اور ڈرگ روڈ پر کھڑے ہو کر

www.bhutto.org

ٹیکسی کا انتظار کرنے لگے۔ گاڑی چل پڑی۔ ہم دولتانہ، الطاف رانا اور سن کے فوٹو گرافر حسن بوزئی کو وہیں چھوڑ آئے۔ گاڑی کینٹ اسٹیشن پر پہنچ رہی تھی۔ نعرے سنائی دے رہے تھے۔ اسٹیشن پر توقع سے کم ہجوم تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہجوم کو باہر ہی روک دیا گیا تھا۔ پیپلز گارڈ اور پولیس نے ٹرک تک راستہ بنا رکھا تھا۔ پہلی بار ایسا باقاعدہ انتظام ہوا ہے۔ ہم بھاگ کر ٹرک میں بیٹھ گئے۔ پھر جلوس روانہ ہوا اور ایمپریس مارکیٹ اور وکٹوریہ روڈ سے گزر کر فوارے والے چوک پر ختم ہوا۔ یہاں جناب بھٹو نے جلوس سے خطاب کیا۔ ان کی تقریر کے اہم اقتباسات یہ ہیں۔

☆ بھارت نے مشرقی پاکستان میں تباہی کے منصوبے بنائے لیکن عوام کے اتحاد نے انہیں ناکام بنا دیا۔ بھارت شاید ہمیں کمزور سمجھتا ہے۔ جگ جیون رام کہتا ہے کہ ''ہم آئیں گے پاکستان کے شہروں پر قبضہ کریں گے'' میں پوچھتا ہوں۔ ''جگ جیون رام کس شہر پر قبضہ کرلو گے اور کیسے کرلو گے اب اگر بھارت نے جنگ کی تو یہ فوجوں کی جنگ نہیں ہوگی اس میں عوام بھی شریک ہوں گے۔ کوئی ہمارے شہروں پر قبضہ نہیں کرسکتا۔

☆ اب اگر جنگ ہوئی تو برصغیر کی تقدیر کا آخری فیصلہ ہوگا۔

☆ اندرا گاندھی کہتی پھر رہی ہے کہ ہم چین سے خالی ہاتھ واپس آئے ہیں۔ میں کیوں بتاؤں کہ میں ناکام آیا یا کامیاب، جو باتیں ہمارے مفاد میں ہیں ہم ان کا برملا اظہار نہیں کریں گے۔ سارے پتے میز پر نہیں پھینک دیئے جاتے۔

☆ برصغیر کا فیصلہ برصغیر کی زمین پر ہی ہوگا۔ ماسکو، وی آنا یا پیرس میں نہیں۔

☆ اندرا گاندھی نے کہا ہے کہ وہ پاکستان کی غیر سیاسی حکومت سے کیسے بات چیت کرے تو میں اس سے کہتا ہوں کہ ایک یا دو مہینے میں عوامی حکومت قائم ہو جائے گی پھر اگر بات کرو تو ہم بات بھی کرلیں گے۔ اگر لڑائی چاہو گے تو لڑیں گے بھی۔ ہم نے یہ ملک بڑی قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے اور ہم کسی صورت میں بھی کسی کی

غلامی برداشت نہیں کر سکتے۔ بھارت کی غلامی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اندرا گاندھی کے لئے بہتر ہے کہ ہتھیار رکھ کر بات کرے۔ اب اگر جنگ ہوئی تو برصغیر کی تقدیر کا آخری فیصلہ ہوگا۔

☆ اندرا گاندھی پروپیگنڈہ کر رہی ہے کہ پاکستان کو چین سے کچھ نہیں ملا اور میں خالی ہاتھ آیا ہوں۔ ہاں درست ہے خالی ہاتھ آئے اور اندرا گاندھی کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں لیکن زنجیروں سے۔ اس نے روس سے معاہدہ کر کے زنجیریں پہن لی ہیں۔ اسے پتہ نہیں یہ کتنا خطرناک کام ہے۔ ہم نے بھی بڑی طاقتوں سے معاہدے کئے تھے اب اندرا کو بھی معاہدوں کا پتہ چلے گا۔

☆ چین سے ہماری دوستی تاریخی دوستی ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے معاہدوں یا مشترکہ اعلانوں کی ضرورت نہیں۔ چین ہمارے ساتھ ہے۔ سچ، حق اور انصاف ہمارے ساتھ ہے۔ چین کا بنیادی اصول ہے کہ دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ ہماری پارٹی نے بھی یہ اصول اپنا رکھا ہے۔ یہ اصول بنڈونگ کے پانچ اصولوں میں ایک اہم اصول ہے۔

☆ پیپلز پارٹی کا بنیادی اصول عوام سے رابطہ رکھنا ہے اور ہم نے بدستور عوام سے رابطہ رکھا ہے۔ کیونکہ عوام سے رابطہ کے بغیر ملک میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ جن سیاسی جماعتوں نے عوام سے رابطہ نہیں رکھا۔ عوام نے انہیں مسترد کر دیا اور پیپلز پارٹی کو ووٹ دیئے۔ جن لوگوں نے شکست کھائی۔ آج وہ کہتے ہیں کہ پیپلز پارٹی کی اکثریت صرف دو صوبوں میں ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا پاکستان میں بیس صوبے ہیں اور کیا ان کی اکثریت دس صوبوں میں ہے۔

☆ اب چھ شکست خوردہ سیاسی جماعتیں اتحاد کر رہی ہیں۔ سبحان اللہ! ہم بھی تو متحد ہو رہے ہیں۔ لیکن ہمارا اتحاد اور ہے۔ ہم کسانوں، مزدوروں، طالب علموں، دانشوروں، صحافیوں، غریب سرکاری ملازموں اور چھوٹے دکانداروں سے اتحاد

کررہے ہیں۔ چھ پارٹیوں کا اتحاد کاغذی ہے وہ عید پر عوام کو اس اتحاد کا تحفہ دیں گی۔ ہمارا اتحاد کارخانوں، اسکولوں، کھیتوں اور بازاروں میں ہے۔ ہماری سیاست عوام کی سیاست ہے۔ ہم محلاتی سازشیں نہیں کرتے۔ ہم براہ راست عوام سے رابطہ رکھتے ہیں۔

☆ ستمبر 65ء کی جنگ کے بعد بڑے بڑے ہیرو میدان میں آئے۔ ہر ایک کہتا تھا میں نے جنگ جیتی۔ اب کہاں ہیں وہ صاحبان۔ اب پھر خطرہ ہے اگر وہ 65ء کے ہیرو تھے تو آج بھی نظر آئیں۔ اب بھی ملک کی حالت نازک ہے۔ مشرقی پاکستان کے حالات پیچیدہ ہیں۔

☆ جب انتخابات ختم ہوئے تو ہم نے مارچ کے بعد مطالبہ کیا کہ اقتدار عوام کے نمائندوں کو منتقل کیا جائے۔ کیونکہ سیاسی مسائل اور سیاسی بحران کا حل عوام کے نمائندے ہی نکال سکتے ہیں۔ جناب بھٹو نے کہا شکست خوردہ جماعتوں نے پیپلز پارٹی پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگایا۔ یہی جماعتیں کہہ رہی ہیں کہ اقتدار صدر کے پروگرام سے پہلے ہی منتقل کردیا جائے۔ ہم نہیں سمجھتے ان کی سیاست کی کیا منطق اور کیا اصول ہے۔ انہوں نے کہا اب تو حکومت کو بھی احساس ہوگیا ہے کہ کافی دیر ہوچکی ہے۔ اس لئے سارے کام جلدی جلدی کئے جارہے ہیں۔ 27 دسمبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس ہوگا اور فوراً بعد حکومت قائم کردی جائے گی۔ کیونکہ تین یا چار افراد سے اتنی بڑی حکومت نہیں چل سکتی۔

☆ میں بتادینا چاہتا ہوں کہ اگر ہمیں اقتدار مل بھی گیا تو ہمارے سر پر کوئی تاج نہیں سج جائے گا۔ ملک کا خزانہ خالی ہے۔ اقتصادی بحران ناگزیر ہے۔ ہمیں دن رات کام کرنا ہوگا اور محنت کرنی ہوگی۔

☆ پیپلز پارٹی ان جماعتوں کے ساتھ کسی حکومت میں شریک نہیں ہوگی جو شکست خوردہ جماعتوں کی حکومت ہوگی۔ میں پھر اعلان کرتا ہوں کہ ایسی حکومت کو عوام کے تعاون

سے ہم چالیس دن کے اندر ختم کر دیں گے۔ ہماری جیت عوام کی جیت ہے۔ عوام کی حکومت ضرور بنے گی۔ فوری طور پر نہ سہی چالیس دن کے بعد تو بنے گی۔ ہم برطرفیاں اور بے دخلیاں ختم کر دیں گے۔

☆ اس وقت سازش ہو رہی ہے کہ اگر پیپلز پارٹی کی حکومت بنائی گئی تو سندھ میں سندھی اور مہاجر کا جھگڑا کھڑا کر دیا جائے گا۔ بھائیو خدا کے لئے اس سازش کا شکار نہ ہونا۔ آپس میں نہ لڑنا۔ غریب سندھی اور غریب مہاجر سب بھائی بھائی ہیں۔ دونوں کے مسائل ایک جیسے ہیں۔

☆ ہمیں صرف عوام کی ہمدردی اور تعاون کی ضرورت ہے۔ ہم نے اندرونی بحران اور بیرونی مسائل کا سامنا کرنا ہے۔ اگر ہماری نیت ٹھیک رہی اور لالچ کا شکار نہ ہوئے تو انشاء اللہ پاکستان کو مثالی ملک بنائیں گے اور صحیح معنوں میں سب سے بڑا اسلامی ملک بنائیں گے کہ دنیا دیکھے تو کہے، ''یہ ہے پاکستان''۔ میں جب دوسرے ملکوں میں جاتا ہوں وہاں کی ترقی اور خوشحالی دیکھتا ہوں تو مجھے دکھ ہوتا ہے کہ پاکستان میں ایسا کیوں نہیں۔ یہاں غریب مر رہے ہیں۔ مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ میں پچھلے دنوں چھ برس کے بعد چین گیا تو میں نے وہاں پہلے سے بھی زیادہ ترقی اور خوشحالی دیکھی۔ وہاں کے بچے صحت مند ہیں اور ہر بچہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ انشاء اللہ ہم بھی پاکستان میں ترقی اور خوشحالی لائیں گے۔

☆ انتخابات مکمل ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر عوامی حکومت ابھی تک نہیں بنی ہے۔ مگر یہ حکومت بہت جلد قائم ہوگی۔ یہ ہمارا حق ہے کسی کا تحفہ اور عنایت نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر پیپلز پارٹی کی حکومت بن گئی تو آپ دیکھیں گے کہ ہم عوام کی کس طرح خدمت کرتے ہیں کیونکہ ہماری طاقت عوام کی طاقت ہوگی۔

☆ غریبوں، مزدوروں، ہاریوں اور طلباء پر بہت زیادتیاں ہوگی ہیں۔ ان کی مشکلات بڑھ رہی ہیں۔ عوامی حکومت ان تمام مصائب کا خاتمہ کرے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ

ہمارے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی سازشیں شروع کر دی گئی ہیں۔

☆ حکومت بنانا اور اس کی ذمہ داری اٹھانا ہمارا فرض ہے اور ہم اسے حاصل کر کے رہیں گے۔ یہ عوام کا فیصلہ ہے پیپلز پارٹی شکست خوردہ سیاستدانوں کے ساتھ کسی حکومت میں شریک نہیں ہوگی اور شکست خوردہ سیاستدانوں کی کوئی حکومت بنائی گئی تو پھر ایسی ہر حکومت چالیس دن سے زیادہ نہیں چلے گی۔ ہم اسے ہلا کر رکھ دیں گے۔

☆ ہم جنگ نہیں چاہتے مگر بھارت کی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ پاکستان کے حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا یہی سنہری موقع ہے۔ لیکن ہم ایک بہادر قوم ہیں اور اگر جنگ ہوئی تو یہ فوجوں کے درمیان نہیں عوام کی جنگ ہوگی اور اگر برصغیر کے حالات خراب ہوئے تو ہوسکتا ہے کہ پوری دنیا کے حالات خراب ہو جائیں۔ جناب بھٹو نے بھارت کو متنبہ کیا کہ پاکستان تنہا نہیں۔ اس کے دوست اور حمایتی موجود ہیں۔

☆ سندھ میں سندھیوں اور مہاجروں میں فسادات کی آگ بھڑکانے کی سازشیں کی جارہی ہیں لیکن میں کہہ سکتا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ غریب سندھی اور مہاجر آپس میں نہیں لڑیں گے۔ ایسی چیزوں کو ختم کرنے کیلئے ہمیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

☆ ہم جب سے سیاست میں آئے ہیں ہماری یہی کوشش رہی ہے کہ غریبوں کی خدمت کی جائے۔ ہم نے ملک بھر میں سیاسی بیداری پیدا کی۔ غریب لوگوں کو ان کے حقوق کا شعور دلانے کے لئے جدوجہد کی اور سیاست میں ایک نئے باب کا آغاز کیا کہ اس ملک کی پچھلی سیاست میں عوام اور ملک کو سرے سے نظر انداز کیا جاتا تھا۔ اس ملک میں نیا سیاسی شعور پیدا کرنے میں پیپلز پارٹی کا بھی تھوڑا حصہ ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہم نے الیکشن بھی ان ہی بنیادوں پر لڑا۔ اور اس لئے ہمیں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ لیکن انتخابات کے نتائج سامنے آئے ایک سال گزر گیا مگر عوام کی حکومت ابھی تک نہیں بن سکی۔ تاہم اب صدر صاحب نے 27 دسمبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر کے اچھا اقدام کیا۔

پیکنگ میں تین روز

صدر صاحب کے ساتھ جانا تھا اس لئے پاسپورٹ کی تکمیل کا مرحلہ دو گھنٹے میں طے ہوگیا۔ کراچی سے پنڈی کے لئے روانہ ہوئے تو اس طیارے میں وی آئی پیوں کی بھرمار تھی۔ صدر صاحب نے کہا کہ گورنر اور وزیر عام کلاس سے سفر کریں، اس وقت سے پی آئی اے کے ایسے طیارے بھی دیکھنے میں آئے جن میں فرسٹ کلاس کا تکلف ہی نہیں۔ اس طیارے میں گورنر سندھ، وزیر مواصلات، وزیر خوراک و زراعت، وزیر ثقافتی امور بھٹو صاحب کے صاحبزادے اور صاحبزادی نظر آرہے تھے۔ پیکنگ جانے والے صحافی احمد علی خاں، اصحاب نقوی، ایم اے زبیری، شیخ علی احمد اور ان کے علاوہ خان آف قلات، مخدوم طالب المولیٰ بھی تھے۔ یہ بھی پیکنگ جارہے تھے۔ دو روز ہمیں انٹر کانٹی نینٹل میں ٹھہرایا گیا۔ ویزہ وغیرہ کے مراحل طے ہونے تھے اور چین جانے سے پہلے ڈائریکٹر ایکسٹرنل پبلسٹی کی طرف سے بریفنگ بھی ہونا تھی۔ مقبول بھٹی صاحب ڈائریکٹر ایکسٹرنل پبلسٹی نے چین کی تاریخ کی ابجد..... پھر پاکستان اور چین کے مابین تعلقات کے مختلف مراحل ہمیں درجہ بدرجہ بتائے۔ اگرچہ ہم یہ سب کچھ پہلے ہی جانتے تھے مگر از سر نو یادداشت تازہ ہوگئی۔ کچھ شاپنگ کے سلسلے میں بھی گر کی باتیں بتائیں۔ کام کی بات بھول گئے، وہ موسم تھا یاد دلانے پر انہوں نے کہا کہ وہ وہاں انتہائی سخت سردی ہے۔ برف پڑ رہی ہے۔ اس لئے سردی سے حفاظت کا مکمل سامان لے کر چلیں۔ میں یہ سامان کراچی سے ہی لے کر چلا تھا۔ شیخ علی محمد نے پنڈی سے اس کا اہتمام کیا تھا اپنے دوست منصور قیصر آگئے تھے اس لئے پنڈی میں اجنبیت کا

www.bhutto.org

احساس نہ ہونے پایا۔ کراچی سے پنڈی میں دو دن کا رکنا اچھا رہا۔ کیونکہ پیکنگ کی سردی کا تعارف یہاں ہو گیا۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اتوار سہ پہر تک ہوٹل میں ہی رہے، اطلاع ملی کہ صدر صاحب ایک پریس کانفرنس کر رہے ہیں اس کے لئے تیار ہو رہے تھے کہ ریڈیو سے فوجی دھنیں آنا شروع ہو گئیں، ہم حیران کہ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے، پنڈی کے کئی صحافی حضرات بھی موجود تھے وہ بھی پریشان ہو گئے پھر شام کے پانچ بج گئے اور خبروں کے بجائے کہا گیا۔ ''اہم اعلان کا انتظار کیجئے'' اور حواس باختہ ہوئے کہ کیا ہو گیا۔ پھر پاکستان کے دولت مشترکہ سے نکل جانے کا اعلان سنا تو کچھ حواس بحال ہوئے، پریس کانفرنس میں بھی کامن ویلتھ کے سلسلے میں ہی بات چیت ہوئی۔

اگلی صبح یعنی 31 جنوری کی صبح کو ہمیں ساڑھے پانچ بجے ایئرپورٹ پہنچ جانے کے لئے کہا گیا تھا۔ پونے پانچ بجے ہمارے میزبان انفارمیشن آفیسر علی احمد ہمیں لینے آ گئے۔ بوندا باندی میں ایئرپورٹ پہنچے، پاسپورٹ پر ''پاکستان چھوڑنے'' کا اندراج ہوا اور کچھ دیر بعد ہمیں جہاز میں چلنے کے لئے کہا گیا۔ بھٹو صاحب جہاز میں پہنچ گئے تو روانگی کا اعلان ہوا۔ صبح ساڑھے چھ بجے..... ہلکی ہلکی بوندا باندی اور نیم تاریکی میں ہم اسلام آباد کے ہوائی اڈے سے روانہ ہو رہے تھے یہ سفر تاریخی تھا مگر صبح سویرے سردی بوندا باندی کی وجہ سے ہمیں الوداع کہنے والے نہ ہونے کے برابر تھے، خصوصی جہاز کے پہلے حصے میں وفد کے سرکاری اور غیر سرکاری ارکان تھے۔ دوسرے حصے میں بھٹو صاحب، بیگم بھٹو، مرتضیٰ بھٹو، تیسرے حصے میں ورکنگ کلاس اور ورکنگ جرنلسٹ تھے۔ ورکنگ کلاس میں فضائیہ، بحریہ اور بری فوج کے سربراہوں کا اسٹاف تھا اور عامل صحافی۔ اس حصے میں رونق زیادہ تھی۔ عامل صحافی عمل کا مظاہرہ کر رہے تھے، قہقہے، لطیفے خبریں سب ادھر تھیں۔ اس حصے کی فضائی میزبان بھی خاص تھیں۔ ایئرہوسٹس کے آداب میں شامل مسکراہٹ اور شائستگی کے علاوہ ویسے بھی میرؔ کی غزلوں کے مطلع اور غالبؔ کی غزل کا بانکپن تھا۔ زیادہ رونق صحافیوں نے

www.bhutto.org

لگا رکھی تھی۔ پاکستان ٹائمز کے برکی زیادہ شگوفے کھلا رہے تھے اس جہاز پر جانے والوں میں چار قسم کی پارٹیاں شامل تھیں۔

1- صدر صاحب اور ان کے ساتھی:

صدر بھٹو، بیگم بھٹو، رفیع رضا خصوصی معاون، میجر جنرل ایم اسحاق صدر کے ملٹری سیکرٹری، ایم ایم احمد مشیر برائے غیر ملکی قرضہ، لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر محی الدین صدر کے خصوصی معالج، لیفٹیننٹ کمانڈر خالد محمود شفیع صدر کے اے ڈی سی، خالد حسن صدر کے پریس سیکرٹری، میر غلام مرتضیٰ بھٹو صدر کے صاحبزادے، نور محمد مغل صدر کے خادم خاص۔

2- بری افواج کا وفد :

لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کمانڈر انچیف، بریگیڈیئر محمد اکرم خاں، کیپٹن محمد یونس کمانڈر انچیف کے اے ڈی سی، لیفٹیننٹ کرنل مناظر حسین، لیفٹیننٹ ایم ایس انور۔

3- فضائیہ کا وفد :

ایئر مارشل اے رحیم خان کمانڈر انچیف، بیگم رحیم خاں، ایئر کموڈور ذوالفقار اے خاں، ایئر کموڈور شیخ ایم سعید، ونگ کمانڈر نجیب اے خاں۔

4- بحریہ کا وفد:

ریئر ایڈمرل ایچ ایچ احمد قائم مقام کمانڈر انچیف۔ کمانڈر متین الرحمٰن، کمانڈر حبیب احمد، کمانڈر انور قریشی۔

5- محکمہ خارجہ کا وفد :

عزیز احمد سیکرٹری جنرل، سلطان محمد خان سیکرٹری، آفتاب احمد خاں ڈائریکٹر جنرل، مقبول احمد بھٹی ڈائریکٹر جنرل ایسٹرن پبلسٹی، مسٹر ریاض احمد کیبنٹ ڈویژن، مسٹر احمد اے کمال ڈائریکٹر، مسٹر ایس ایم اے جعفری سیکشن آفیسر۔

www.bhutto.org

6- سیاسی ارکان

محمود علی صدارتی مشیر برائے سیاسی امور، خورشید حسن میر ایم این اے، سردار خیر بخش مری ایم این اے، طالب المولیٰ ایم این اے، کرنل حبیب خاں ایم این اے، احمد یار خاں خان آف قلات، فیض احمد فیض، بدیع الحسن زیدی، سیف الرحمٰن کیانی۔

7- پریس پارٹی :

محمد اکرام کیمرہ مین، ظفر اقبال فوٹو گرافر، چوہدری افتخار علی اے پی پی، الصباح پی پی آئی، اصحاب نقوی (سن)، شیخ علی محمد (ہلال پاکستان)، نسیم احمد (ڈان لندن)، ایچ کے برکی (پاکستان ٹائمز)، محمود شام (مساوات)، میر جمیل الرحمٰن (نیوز ٹائمز)، اجمل خٹک (شہباز)، افتخار یوسف (ندائے حق)، ایم اے زبیری (بزنس ریکارڈر)، ایس کے پاشا (مارننگ نیوز)، احمد علی خان (ڈان کراچی)۔

ریڈیو ٹیلی ویژن :

صفدر احمد (ریڈیو پاکستان) ٹیلی ویژن کے یہ لوگ دو روز پہلے پیکنگ پہنچ چکے تھے۔ زبیر علی چیف ایڈیٹر نیوز ٹیلیویژن، شجاع نواز پروڈیوسر، نثار اے مرزا کیمرہ مین، ضمیر مرزا اسٹیشن ٹیلیویژن، احمد نسیم شمسی ساؤنڈ انجینئر، مرسلین خان لائٹ انجینئر۔

جہاز کے باہر تاریکی تھی، اندر روشنی تھی۔ باہر سناٹا تھا، اندر زندگی تھی، جوں جوں ہم پیکنگ کی طرف بڑھ رہے تھے افق روشن ہو رہا تھا۔ مشرق روشنی کا منبع ہے۔ مغرب سے جتنا دور ہوں روشنی قریب آتی ہے، وقت کے اعتبار سے بھی اور معنوی انداز سے بھی، آج کل تو پیکنگ سے روشنی طلوع ہو رہی ہے۔ افریقہ، ایشیا ہی نہیں یورپ تک اس کی کرنیں جا پہنچی ہیں۔ ہم اندھیرا پیچھے چھوڑتے جا رہے ہیں روشنی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جہاز کے باہر اب بادل دکھائی دینے لگے ہیں۔ کالے سیاہ بادل، لامتناہی سلسلہ۔ ان کے نیچے جانے کتنی دنیائیں آباد ہیں۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ 37 ہزار سے لے کر 39 ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز

www.bhutto.org

کرتے ہوئے 2200 کلومیٹر کا فاصلہ طے کریں گے۔

ہم 37 ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر پرواز کر رہے تھے، کے۔ٹو کی چوٹی اور شاید ناگا پربت کو بھی ہم سر کر چکے تھے۔ گلگت کی طرف سے ہم 31 منٹ کی پرواز کے بعد عظیم چین کی سرحد میں داخل ہو چکے تھے، صدر کے پریس سیکرٹری کاک پٹ سے تازہ تازہ خبر لے کر آئے تھے تمام اخبار نویس مؤدب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ خالد حسن صاحب نے بتایا کہ ہم 37 ہزار فٹ سے 39 ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے جا رہے ہیں اور پیکنگ میں مغربی پاکستان کے وقت کے مطابق 11 بجے اور پیکنگ کے وقت کے مطابق 2 بجے پہنچ جائیں گے۔ پہلے ہم شمالی مشرق کی طرف جائیں گے۔ اس کے بعد سیدھے مشرق کی طرف، حتیٰ کہ پیکنگ پہنچ جائیں گے۔ پاکستان کی سرحد جس وقت ہم عبور کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ہماری بائیں طرف کاشغر پڑتا ہے کہ کاشغر تو جہاز سے نظر نہیں آتا۔ البتہ اقبال کا مصرع یاد پڑتا ہے۔

؎ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

صدر بھٹو ایک ہفتے کے اندر اندر ساحلِ نیل سے لے کر کاشغر کی خاک تک آ پہنچے ہیں۔ شاید انہیں یہ شعر یاد نہیں ورنہ انتخابی مہم میں جس طرح وہ اقبال کو مخاطب کر کے کہتے تھے تو نے کہا تھا۔ ''اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو'' اقبال صاحب! میں نے تمہارے پاکستان کے غریبوں کو جگا دیا ہے، اب الیکشن کا زمانہ نہیں ہے ورنہ وہ عوامی جلسوں میں کہہ سکتے تھے اقبال صاحب! آپ نے کہا تھا۔

ایک ہو مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

اقبال صاحب! میں نیل کے ساحلوں مصر، مراکش، تیونس، لیبیا، الجزائر اور ترکی، ایران سے ہوتا ہوا کاشغر کی خاک کی طرف جا رہا ہوں، میں نے تمہارے خواب کو حقیقت بنا دیا ہے مگر آج کل بھٹو صاحب، صدر بھٹو ہیں یہ عوامی باتیں انہیں کہاں یاد آتی ہیں۔

www.bhutto.org

اب جہاز میں دھوپ بھی آنے لگی ہے۔ اصحاب نقوی جو کھڑکی کے پاس بیٹھے ہیں۔ وہ بتا رہے ہیں کہ نیچے کوئی صحرا نظر آ رہا ہے، بہت بڑا صحرا۔ پھر جہاز کے مسافر کھانے پینے میں مشغول ہو گئے ہیں، پی آئی اے کی طرف سے ٹافیوں، سگریٹوں کی نمائش ہو رہی ہے اس لئے نیچے کا خیال کسی کو نہیں رہا۔ پھر احساس ہونے لگا کہ منزل قریب ہے سب نے تیار ہونا شروع کر دیا۔ نیچے دور دور تک برف پڑی ہوئی نظر آ رہی ہے، کھیت، مکان، سڑکیں، برف سے ڈھکی ہوئی ہیں اناؤنسر نے بتایا ہے کہ ہم تھوڑی دیر بعد پیکنگ کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں، درجہ حرارت نقطہ انجماد سے کافی نیچے ہے جہاز نے پیکنگ کی سرزمین کو چھو لیا ہے ائیر پورٹ برف میں ڈھکی ہوئی ہے کہیں کہیں گارڈ کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاز ائیر پورٹ کی بلڈنگ کے سامنے رکتا ہے۔ باہر رنگوں کا ایک ہجوم ہے فوجی جوان بچے اور شہری شدید برفباری کے باوجود جوش و جذبہ سے معمور چہرے لئے کھڑے ہیں۔ برکی صاحب نے خالص مسلمانوں والے لہجے میں کہا ہے: ''اٹھو مسلمانو! پیکنگ آ گیا۔ حملہ کر دو۔'' یہ طنز بڑی لاجواب تھی۔ اس جہاز سے اترنے کا ایک ہی راستہ رکھا گیا تھا۔ تاکہ استقبال کرنے والے چینی رہنماؤں کو وفد کے تمام ارکان سے ملنے کا موقع مل سکے رنگ بکھر رہے تھے، رنگ اڑ رہے تھے۔ زبان سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن جوش اور لہجہ استقبالی نعروں کا مطلب بیان کر رہا تھا، چاروں طرف جمی ہوئی برف میں ..... ایک عظیم قوم بیٹیاں، بیٹے اور نوجوان ایک شکست خوردہ، مگر تعمیر نو کا عزم لے کر آنے والے قوم کے رہنماؤں اور صحافیوں کے لئے موجود تھیں، چینیوں کی وسعتِ قلب کا اندازہ ہو سکتا ہے نہ وسعتِ مکاں کا۔ عظیم چینیوں کے عظیم رہنما وزیر اعظم چواین لائی جہاز سیڑھی کے ساتھ کھڑے پاکستانی وفد کے ہر رکن کا خود مصافحہ کر کے استقبال کر رہے تھے، کسی اور ملک کے وزیر اعظم ہوتے تو صدر کو مل کر ان کو ساتھ لے جاتے مگر عوامی جمہوریہ چین کے وزیر اعظم نے پاکستان کے ہر مہمان سے مصافحہ کیا اور خوش آمدید کہا۔ چواین لائی اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے چہروں پر بڑھاپا طاری تھا، مگر ان کے ہاتھوں میں مضبوطی تھی، وزیر اعظم

www.bhutto.org

چواین لائی کے بعد ملٹری کمیشن کے وائس چیئرمین یہہ شین ینگ، اسٹیٹ کونسل کے وائس پریمیئر لی شین نین، چین کی عوامی سپاہ آزادی کے جنرل پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر لی یہہ شنگ نیشنل پیپلز کانگریس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے وائس چیئرمین کو موجود پیکنگ میونسپل شنری کے وائس چیئرمین دوتہہ، وزیر خارجہ چی پنگ فی بھی سیڑھیوں کے پاس کھڑے تمام ارکان سے مصافحہ کررہے تھے۔

میں نے جب پیکنگ کی سرزمین پر پہلی بار قدم رکھا تو اس وقت پیکنگ کی گھڑیوں کے مطابق دو بج کر نو منٹ ہوئے تھے، بیسویں صدی میں ہر باشعور شخص پیکنگ جانے کی خواہش رکھتا ہے کیونکہ چین نے اپنی نوعیت کی نئی مثال پیش کی ہے تمام دنیا سے تنہا الگ تھلگ اس نے مسلسل جدوجہد کرکے اپنے آپ کو دنیا بھر سے ایک طاقت کے طور پر منوالیا ہے۔

آج اقوام متحدہ کے ارکان کی اکثریت بھی اسے اقوام متحدہ کا رکن ماننے پر مجبور ہوگئی ہے۔ امریکہ کے صدر نکسن خود چینی رہنماؤں سے ملنے آرہے ہیں اس جدید دنیا میں اور ایک دوسرے کی محتاج دنیا میں ایک اپنے آپ پر بھروسہ کرنے والی مملکت کی عظیم فتح ہے۔ جسے ایک دنیا تسلیم کررہی ہے۔

اس وقت پاکستان کا قومی ترانہ بج رہا ہے جو قدم جہاں تھا وہیں رک گیا ہے احترام کے پیش نظر۔ 75 کروڑ کی قوم۔ 12 کروڑ کی قوم کا ترانہ پیش کررہی ہے 12 کروڑ جس میں سے 7 کروڑ دشمن کے قبضہ میں چلے گئے ہیں۔ اب 75 کروڑ کا ترانہ بج رہا ہے، عقیدت واحترام، ہر شخص مؤدب وساکت کھڑا ہے ہمارے چاروں طرف دوستی اور محبت کا سیلاب ہے۔ 75 کروڑ کی قوم 5 کروڑ کے نمائندوں کے لئے بچھی جارہی ہے، یہ محض دوستی ہے ان کے رہنماؤں نے کہا ہے کہ دوستوں کا استقبال کرنا ہے اس لئے وہ دوستوں کے استقبال کے لئے پوری محبت وخلوص سے چلے آئے ہیں۔ چین کی بری، بحری اور فضائی افواج کے ارکان، ملیشیا اور ریڈ گارڈ..... گارڈ آف آنر پیش کررہے ہیں اس کے بعد عوام

ہیں، اسکول کی بچیاں اور بچے، شہری، پھولوں کے گلدستے، زرد، سرخ رنگ، محبت سے بھرے چہرے، سردی سے سرخ رخسار، رنگوں کا سیلاب ہے کہ امڈ آرہا ہے۔ پاک چین دوستی زندہ باد کے نعرے بلند ہو رہے ہیں یہ پانچ ہزار افراد، 70 کروڑ چینیوں کی پاکستان سے دوستی کے جذبات کا اظہار کرنے آئے ہیں، غیر ملکی جارحیت کے خلاف پاکستانی عوام کی جدوجہد کو سلام۔ اور مکمل حمایت۔ افریقہ اور ایشیا کے عوام کا اتحاد زندہ باد، دنیا بھر کے عوام کا اتحاد زندہ باد۔" صدر بھٹو اور ان کے ساتھی ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دے رہے ہیں یہ استقبال صدر ایوب کے لئے بھی ہوا تھا، یحییٰ خاں کے لئے بھی اور اب بھٹو کے لئے۔ یہ جذبات ہمیشہ پاکستانی عوام کے لئے رہے ہیں۔ مگر ان حکمرانوں نے پاکستانی عوام سے ہمیشہ بیوفائی کی۔ اور یہ جذبات پاکستانی عوام تک منتقل نہ ہونے پائے اور نہ ان جذبات کی مضبوط بنیادوں پر پاکستان کے عوام کی تعمیر ہو سکی اب یہ استقبال پھر ہو رہا ہے اب کے بھی پاکستانی عوام کو چینی عوام کے ان دوستی کے جذبات سے کچھ ملتا ہے یا نہیں؟

پیکنگ ایئرپورٹ پر شدید سردی ہے تیز سرد ہوا لپٹی جا رہی ہے ہم نے اپنے جسموں پر جانے کتنے گرم کپڑے لاد لئے ہیں سر اور کان گرم ٹوپیوں میں چھپا لئے ہیں۔ وزیراعظم چواین لائی ننگے سر ہیں البتہ انہوں نے اوورکوٹ پہن رکھا ہے، بھٹو صاحب بھی اوورکوٹ میں ہیں۔ عظیم چین کے عظیم عوام کے بعد غیر ملکی سفارتی نمائندے صدر پاکستان کے استقبال کے لئے کھڑے ہیں اور اس کے بعد پاکستان کے سفارت خانے کے ارکان اور دوسرے شہری پاکستانی رہنماؤں سے ہاتھ ملا رہے ہیں، ایک متحرک، فعال، باعمل اور اپنی منزل کے لئے ہر لحہ برسرکار پیکار قوم کے بیٹے اور بیٹیوں کے اعتماد بھرے چہروں اور عزم سے تمتماتی پیشانیوں کے درمیان ایک طرف مجھے کم مائیگی کا احساس بھی ہوتا ہے اور دوسری طرف ایک ہمت بھی بندھتی ہے کہ قومیں صرف اپنے وسیلوں اور بازوؤں پر بھروسہ کر کے بھی دنیا کی عظیم طاقتوں میں شامل ہو سکتی ہیں اور اپنے افراد کو خود اعتمادی اور عزتِ نفس بخش سکتی ہیں۔ دور دور تک پھیلی ہوئی برف اور تیز سرد ہواؤں کے درمیان یہ ایک احساس مجھے

حرارت پہنچا رہا ہے۔

صدر پاکستان اور چین کے وزیر اعظم۔ چین کی بنی ہوئی سیاہ رنگ کی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے جس پر چین کے اور پاکستان کے پرچم لہرا رہے تھے، گاڑیاں روانہ ہو رہی تھیں ایک چینی دوست کچھ کارڈ لے کر ہمارے پاس آ گئے، وزیٹنگ کارڈ کی طرح چھوٹے چھوٹے کارڈ ان میں پاکستانی وفد کے ہر رکن کا الگ الگ کارڈ تھا۔ جس پر اس کے لئے مخصوص گاڑی کا نمبر ہوٹل کا نام اور ہوٹل کا کمرہ نمبر تحریر تھا۔ انگریزی اور چینی زبانوں میں یہ سب باتیں لکھی ہوئی تھیں، فیروزی رنگ کی ایک گاڑی جو چین میں ہی تیار ہوئی ہے اور اس کا نام شنگھائی ہے، ہمارے لئے مخصوص تھی۔ صحافیوں کو پیکنگ ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا۔ گاڑیوں کے نمبر ونڈ اسکرین پر سرخ رنگ میں لکھ کر چسپاں کئے گئے تھے دو دو مہمانوں کو ایک گاڑی دی گئی تھی تمام لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ چکے تو قافلہ روانہ ہوا۔ ائیر پورٹ کی حدود سے باہر نکلے تو ہم دورویہ سڑک کے دائیں طرف چل رہے تھے۔ چین میں ٹریفک دائیں طرف چلتا ہے اس معاملے میں چین Rightist ہے اور امریکہ کے ساتھ ہے۔ سڑک کے دونوں طرف اور درمیان میں لانبے لانبے درخت کھڑے تھے اور سڑک کے علاوہ ہر طرف برف اور فقط برف تھی کھیت، مکان، درخت سب کچھ برف میں ڈھکا ہوا تھا ایک سفید چادر تھی کہ دور تک بچھی ہوئی تھی، درخت خزاں رسیدہ تھے اپنی شاخوں پر، پتوں کی بجائے، وہ برف کے ذروں کو اٹھائے کھڑے تھے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چین کی عوامی فوج کے گارڈ ڈیوٹی پر کھڑے نظر آتے تھے برف کی وجہ سے آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ کہیں کہیں بعض ساتھ والے چھوٹے راستوں پر سائیکل چلتے دکھائی دیتے تھے۔ راستے میں شیشے کے بنے ہوئے ٹریفک بوتھ تھے جہاں سے ٹریفک کا سپاہی ٹریفک کنٹرول کرتا ہے۔ گرم ٹوپی، پورے بازو کی سبز واسکٹ، نیلی برجس نما پینٹ اور بازو پر سفید پٹی پر سرخ رنگ میں کچھ چینی زبان میں لکھا ہوا۔ یہ ٹریفک کے سپاہی کی پہچان ہے چین میں مقیم، ہمارے دوست احفاظ الرحمٰن نے بتایا کہ چین میں اس کے علاوہ پولیس کا کوئی وجود

www.bhutto.org

نہیں ہے۔ راستے میں کئی جگہ سڑک کے ایک طرف بجلی سے چلنے والی بسوں کو انتظار کرتے دیکھا، سڑک بہت چوڑی تھی اور درخت بھی بڑے خوبصورت انداز میں اور بڑی تعداد میں لگے تھے میں اس برفیلے ماحول کے سحر میں اس قدر کھو گیا تھا کہ میں اپنے ہمسفر، نیوز ٹائمز کے میر جمیل الرحمٰن کی موجودگی سے بھی بے خبر ہو گیا تھا، فرصت ملی تو ان کی طرف دیکھا وہ بھی اپنے کیمرے کی آنکھ سے چین کے مناظر میں کھوئے تھے وہ پہلے بھی چین آ چکے ہیں شہر ائیر پورٹ سے کافی دور تھا یہی کوئی 25 میل کے قریب، ہماری گاڑیوں کا قافلہ بھی بہت طویل تھا۔ شہر میں داخل ہوئے تو سڑک اور وسیع ہو گئی اتنی وسیع کہ یہاں ہم پاکستان میں رہتے ہوئے اس کی وسعت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ وسعتِ ظرف۔ صرف سڑکوں تک ہی نہیں چینیوں کی ہر عمارت میں موجود ہے، عمارتوں کے بعد ان کے دلوں، ذہنوں اور نظروں میں بھی ہے۔

پہلی بار جو شخص چین آتا ہے وہ بہت ہی عجیب قسم کے تصورات تراش کر آتا ہے لیکن یہاں آ کر اسے اس کے باوجود اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ ہمارے جیسے فلیٹ، درخت، مکانات، سڑکیں، گاڑیاں۔ مگر ان میں بسنے والے افراد ہم سے بہت مختلف ہیں، یہاں مکانات میں اینٹیں پنجاب جیسی استعمال ہوتی ہیں سڑکیں شروع ہو گئی تھیں ایک طرف عظیم رہنماؤں اسٹالن اور لینن کی تصویریں تھیں اس کے بعد ایک بہت بڑا چوک آیا۔ جو کچھ جانا پہچانا لگا۔ مجھے یوں لگا کہ میں یہاں پہلے بھی کبھی آیا ہوں میں نے میر جمیل الرحمٰن سے تصدیق چاہی کہ کیا یہ تن ان من سکوائر ہے جہاں سے چیئرمین ماؤ سلامی لیتے ہیں۔ انہوں نے تصدیق کی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ سامنے فلک بوس ستونوں والی پرشکوہ عمارت عوام کا عظیم ہال ہے اور اس کے آگے پھر سڑک پر مارکس اور اینگلیس کی تصویریں تھیں۔ پھر ایک دم کانوں میں ایک پنجابی گانے کی دھنیں پڑنے لگیں، سڑک کے دونوں طرف سے یہ دھنیں ابھر رہی تھیں۔ پیکنگ کی یہ سب سے بڑی شاہراہ ''سمی میری جان۔ میں واری۔'' کی دھنوں سے گونج رہی تھیں میر صاحب نے بتایا کہ یہ درختوں اور کھمبوں پر لاؤڈ اسپیکر نصب

www.bhutto.org

ہیں۔ان سے یہ دھنیں ابھر رہی ہیں ان پنجابی دھنوں کے دوش پر ہم آگے پہنچے تو دونوں طرف سے پھولوں، گلدستوں، رنگین جھنڈیوں رنگین رومالوں والے چینی نوجوانوں، بچوں لڑکیوں چین کے رقص پیش کرتی لڑکیوں نے خیر مقدم کرنا شروع کر دیا، سڑک کے درمیان سرخ بینروں پر انگریزی میں:

"صدر بھٹو کو گرم جوشی سے خوش آمدید۔"

"غیر ملکی جارحیت کے خلاف جدوجہد کرتے پاکستان کے عوام کی مضبوط حمایت۔"

"پاکستان کے ممتاز مہمانوں کو گرم جوشی سے خوش آمدید۔"

"افریشیائی عوام کا عظیم اتحاد، زندہ باد۔"

"پاک چین دوستی۔ زندہ باد۔"

عظیم قوم کے یہ عظیم بیٹے، ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے، کیا جذبات رکھتے ہوں گے۔ ہر گاڑی میں مہمانوں کی طرف وہ جھک جھک کر دیکھتے اور پھر ہاتھ ملا کر خیر مقدم کرتے ہیں۔ان کے لبوں پر معصوم مسکراہٹیں ہیں چہروں پر پاکیزگی ہے۔ بوڑھے بھی ہیں، بچے بھی ہیں، بچیاں بھی ہیں، چھوٹی چھوٹی آنکھیں کھلی پیشانیاں، صحت مند چہرے کھلے گلاب۔ یہ اپنے مہمانوں کا استقبال کر رہی ہیں، پورے خلوص اور تہنیت کے ساتھ اس لئے نہیں کہ ہم ایک عظیم قوم ہیں فتح مند قوم ہیں، کامیاب قوم ہیں اس لئے کہ ان کے رہنما پاکستان کو اپنا دوست کہتے ہیں، یہ اپنے رہنماؤں پر یقین رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان کے رہنما، جنہوں نے قربانیوں، مصیبتوں، تکلیفوں اور طویل جدوجہد کے بعد اس قوم کو غیر ملکی غاصبوں، استحصال کرنے والے طبقوں سے نجات دلائی ان رہنماؤں کی ہر بات قابلِ اعتبار اور قابل تقلید ہے ان رہنماؤں نے کہا ہے تو وہ اپنے مہمانوں کے استقبال کے لئے آ گئے ہیں۔ چینی زبان میں وہ مسلسل کچھ کہہ رہے تھے۔ گاڑیاں اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں داخل ہو گئی ہیں۔

یہ بھی بہت وسیع عمارت ہے، روشیں، سڑکیں، ہال۔ ہم ایک ہال میں پہنچے ہیں

www.bhutto.org

اوورکوٹ، ٹوپیاں کھونٹیوں پر لٹکاتے ہم اندر داخل ہو گئے ہیں چین کی کسی عمارت کے اندر میں پہلی بار داخل ہو رہا ہوں۔ ایک ہال میں سرکاری وفد بیٹھ گیا ہے دوسری طرف ہم بیٹھ گئے ہیں۔ چین کی سبز چائے، ''یاسمین'' کی خوشبو استقبال کر رہی ہے تصویریں بن رہی ہیں ہم ایسی عمارتوں اور ایسی شخصیتوں کے درمیان ہیں۔ جو آج کی عالمی تاریخ میں سب سے اہم ہیں۔ یہ عمارتیں دنیا کی تاریخ پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ وزیراعظم چواین لائی بیسویں صدی کی تین چار تاریخ ساز شخصیتوں میں سے ہیں۔ ملاقاتیں اور مصافحے ہو رہے ہیں صدر پاکستان قدرے آرام کے لئے جا رہے ہیں ہمیں پیکنگ ہوٹل پہنچنا ہے اپنی اپنی گاڑیاں تلاش کر کے ہم ان میں بیٹھ کر ہوٹل روانہ ہو گئے ہیں۔ استقبال کرنے والے بچے بچیاں واپس جا رہے ہیں ہنستے، کھیلتے ایک دوسرے کو چھیڑتے، پیکنگ ہوٹل بھی وسیع و عریض ہوٹل ہے اس کے تین حصے ہیں، بڑے بڑے ڈائیننگ ہال، استقبالئے، برآمدے، اسٹور، سفید کوٹ، نیلی پینٹ میں ملبوس ہوٹل میں کام کرنے والے مرد اور عورتیں، مسکراتے ہوئے بھاگ رہے ہیں۔ ہوٹل کی لکڑی کی سیڑھیاں، قدم مشرقی طرز کے محلات کی سیڑھیوں کی یاد دلاتی ہیں سرخ قالین بچھے ہوئے ہیں۔ لفٹ بھی ہے جس کی ایک بوتھ میں مرد آپریٹر ہے دوسرے میں خاتون آپریٹر، میرا کمرہ نمبر 354 ہے تمام صحافی اس منزل پر ٹھہرے ہیں کمروں کے درمیان بڑا کھلا راستہ ہے۔ سرخ قالین دور تک بچھا ہوا ہے۔ انٹرکانٹی نینٹل وغیرہ ان کے آگے ہیچ ہیں، باہر شدید سردی تھی مگر یہاں حرارت ہے یہاں کمروں کو گرم رکھنے کا انداز یورپی ہے گرم پانی کے پائپوں سے گرم رکھا جاتا ہے کمرے بڑے بڑے ہیں۔ قدیم طرز کی اونچی مسہریاں ایک طرف صوفہ سیٹ، ایک بڑی الماری، ایک طرف سنگھار میز ایک طرف لکھنے پڑھنے کے لئے میز، ٹیبل ڈائری، ہولڈر، دوات، ہوٹل کا لیٹر پیڈ اور لفافے پڑے ہیں۔ ٹیلی فون، بیڈ کے ساتھ سلیپر رکھے ہیں۔ فرش لکڑی کا ہے جوتوں کے بوجھ سے لکڑی کا فرش بولنے لگتا ہے باتھ روم میں نہانے کے لئے ٹب ہے باتھ روم بھی بہت بڑا ہے۔

www.bhutto.org

وسیع النظر فی چین کا خاصہ ہے یہ پیکنگ ہوٹل ہے صاف ستھرا، گرم۔ یہ اپنی زبان حال سے خوش آمدید کہہ رہا ہے ٹیبل ڈائری پر میں آج کی تاریخ دیکھ رہا ہوں، 31 جنوری۔ پرسوں ہم چلے جائیں گے۔ ہم صبح پاکستان کے وقت کے مطابق چھ بجے چلے تھے اور چین کے وقت کے مطابق دو بجے یہاں پہنچے تھے۔ تین گھنٹے کا فرق پڑ گیا۔ اب پونے پانچ بج رہے ہیں پاکستان کے پونے دو، دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ پاکستان کے وقت کے مطابق یہ لنچ کا وقت تھا مگر چین کے مطابق لنچ کا وقت گزر گیا تھا۔ وقت سے آگے نکل جانے کا یہ نقصان ہوا۔ ہمارے چینی انگریزی مترجم دوست مسٹر یو۔ لمبے قد اور عینک والے ہم سے کہہ رہے ہیں کہ قیام بہت محدود ہے بازار دیکھ لیں کچھ خریداری کر لیں۔ ہمارے زرمبادلہ کی رقم کوئٹہ کے افتخار یوسف کے پاس ہے ہم سب انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ وہ چند لمحوں بعد امریکی کرنسی کو چینی کرنسی میں تبدیل کرا لائے ہیں، 24 ڈالر کے 52 یوآن ملے ہیں۔ چائے پی کر پھر اپنے گرم کپڑے ٹھونس کر پیکنگ کی سرد ہوا میں نکل آئے ہیں۔ بازار نزدیک ہی ہے گاڑی جلد ہی لے پہنچی ہے۔ یہ فرینڈ شپ اسٹور ہیں پاکستان کے صحافی حضرات مختلف کاؤنٹروں پر ڈٹ گئے ہیں۔ ایک مترجم ہے وہ کبھی اس کاؤنٹر پر بھاگتا ہے اور کبھی اس طرف۔ میں نے چینی کامریڈوں کو ایک ٹوپی پہنے دیکھا، سو وہی ٹوپی خرید لی کہ سردی سے بچنے کا کامیاب ذریعہ وہی تھا۔ فرینڈ شپ اسٹور خاص طور پر غیر ملکی خریداروں کے لئے ہیں۔ اس لئے ہر چیز پر انگریزی میں بھی قیمت درج ہے دام مقرر ہیں پسند کی چیز خریدیئے رسید مل جاتی ہے، کاؤنٹر پر قیمت ادا کریں رسید پر مہر ثبت ہو جاتی ہے۔ رسید دکھا کر اپنی چیز لے لیجئے۔ جو اس عرصے میں خوبصورت کاغذ میں پیک ہو چکی ہے۔ ایک سے ایک خوبصورت کپڑا، سوئیٹر، بچوں کے لباس، برتن، سینریاں، ہر چیز خریدنے کو جی چاہتا ہے۔ ہر خوبصورت شے دامن پکڑتی ہے۔ مگر غیر ملکی زرمبادلہ کا معاملہ ہے حکومت پاکستان نے صرف 24 ڈالر دیئے ہیں۔ کیا کیا لیں، کیا کیا نہ لیں، ساڑھے چھ بجے ہمیں واپس پہنچنا ہے کیونکہ سات بجے بات چیت شروع ہونا ہے تیزی سے جو کچھ خریدا جا سکا، خریدنے کے بعد

www.bhutto.org

ہم پھر گاڑیوں میں بیٹھے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔

سامان کمروں میں رکھ کر ہم عوام کے عظیم ہال کی طرف روانہ ہو گئے ہیں پونے سات بج رہے ہیں۔ گریٹ ہال بھی پیکنگ ہوٹل کے نزدیک ہی ہے گریٹ ہال کی تصویریں بھی ہم نے دیکھی تھیں، انشا جی کے سفرنامہ میں گریٹ ہال کی تعمیر کی کہانی بھی پڑھی تھی۔ گریٹ ہال۔ پھر بھی ایک دیو مالائی کہانی لگتی تھی۔ اور جب ہماری گاڑی تن من ان اسکوائر میں سے موڑ کاٹتی ہوئی گریٹ ہال کے سامنے جا کر رکی تو اس ہال کے عظیم ستونوں، اونچے دروازوں، بے شمار سیڑھیوں کی ہیبت وشکوہ اور روشنیوں کے سیلاب نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ دروازوں پر مامور عوامی ملیشیا کے سپاہی بندوقیں سنبھالے مستعد کھڑے تھے۔ دروازے کا چکر گھوم رہا تھا۔ لوگ داخل ہو رہے تھے میں بھی اس عظیم تاریخ کے صفحات میں داخل ہو گیا پھر ایک سرخ قالین مجھے کاؤنٹر کی طرف لے گیا جہاں سفید کوٹ اور نیلی پینٹوں میں ملبوس کامریڈ مرد اور خواتین اوورکوٹ اور ٹوپیاں لینے پر مامور تھے۔ ٹوکن لیجئے اور سردی کو کاؤنٹر پر چھوڑ جائیے۔ پھر ایک طویل اور سرخ قالین ہمیں گریٹ ہال کے ایک ہال میں لے گیا جہاں مذاکرات ہونے تھے۔ دور دور تک صوفے سجے تھے چین کی طرف سے مذاکرات میں شامل ہونے والے وفد کے ارکان آ چکے تھے۔ چواین لائی سامنے بیٹھے تھے، وزیر خارجہ بھی تھے اور بزرگ شخصیتیں، جن کے پپوٹے ڈھلک رہے تھے، بال امتداد زمانہ کی داستان سنا رہے تھے آنکھوں میں وقت کی پہنائیاں تھیں۔ 70 کروڑ قوم کی بقا اور نجات کے دماغ۔ ایک مثالی قوم کو جنم دینے والے ذہن، ان چہروں کی جھریاں لانگ مارچ کی داستان کی سطریں محسوس ہوتی ہیں۔

''تاریخ کا ایک باب مکمل ہو رہا ہے۔''

''ایک نسل بوڑھی ہو رہی ہے ان میں سے ایک عظیم کامریڈ مارشل چن ژی چند روز پہلے جدا ہو گئے ہیں۔''

''تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے۔''

www.bhutto.org

''ایک نئی نسل آگے بڑھ چکی ہے اسی عزم، حوصلے اور نظریات کے ساتھ، انہیں بھی جدید تاریخ کی پہنائیوں میں لانگ مارچ کرنا ہے۔''

''سیاسی تاریخ کا ایک دور کامیابیوں اور کامرانیوں کے ساتھ ڈھل رہا ہے نیا دور شروع ہو رہا ہے، آج 31 جنوری ہے، 21 روز بعد امریکی سامراج چین کی دہلیز پر حاضری دے گا۔ چین کی عظمت ہے کہ اس کا سب سے بڑا دشمن خود اس کے پاس چل کر آ رہا ہے، یہ چین کے ستر کروڑ عوام کی فتح ہے چین کی قیادت کرنے والی کمیونسٹ پارٹی کی فتح ہے۔ چین کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ کے افکار کی فتح ہے، یہ گریٹ ہال وسعتوں، عظمتوں، شوکتوں کا مظہر۔ میں اس تاریخی ہال کے ایک دروازے میں کھڑا ہوں، سامنے اس صدی کی ایک عظیم شخصیت بیٹھی ہے، ہمیں دیکھ کر کامریڈ چواین لائی اٹھ کر دروازے کے پاس چلے آئے ہیں۔

انہیں معلوم ہوا کہ ہم پاکستانی پریس سے تعلق رکھتے ہیں وہ ایک بار پھر ہمیں فرداً فرداً مل رہے ہیں اور پھر انہوں نے ہم سے بیٹھنے کی درخواست کی ہے، پہلے خیال تھا کہ شاید اخبار نویسوں کو مذاکرات میں بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔ مگر ہمیں جن نشستوں پر بیٹھنے کے لئے کہا گیا ہے ان کے پہلو میں یا سمین چائے کے علاوہ پنسل اور کاپی بھی پڑی ہے ظاہر ہے کہ ہمیں لکھنے کی دعوت ہے ہم نے نشستیں سنبھال لی ہیں، ابھی پاکستانی وفد کا کچھ پتہ نہیں ہے وقت کچھ اوپر ہو چکا ہے چین کے وفد کے تمام ارکان آ چکے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد صدر بھٹو اور ان کے وفد کے ارکان بھی آتے دکھائی دیتے ہیں۔ وزیر اعظم چواین لائی ان کے خیر مقدم کے لئے اٹھے ہیں، تصویریں بن رہی ہیں، فلیش چمک رہی ہے ایک طرف اسکرین کے پاس بڑا گروپ فوٹو ہو رہا ہے، پہلے اخبار نویس اس میں شامل نہیں ہو رہے تھے مگر وزیر اعظم چواین لائی نے آواز دے کر بلا لیا ہے۔ اتنا بڑا گروپ، کم از کم سو آدمی تو ہوں گے مگر اسٹینڈ موجود ہیں۔ اس لئے ترتیب میں دیر نہیں لگ رہی ہے، میں دائیں بائیں جگہ دیکھ رہا ہوں پھر بھٹو صاحب کی آواز آتی ہے! ''ہاں محمود شام! جلدی آ جاؤ۔'' میں اس گروپ میں شامل

ہونے والا آخری آدمی ہوں۔ گروپ فوٹو بن جاتا ہے اس کے بعد پاکستانی پریس کے ساتھ وزیراعظم چواین لائی ایک گروپ بنواتے ہیں پھر مذاکرات شروع ہو جاتے ہیں۔

پاکستان کی طرف سے سرکاری اور غیر سرکاری وفد کے علاوہ پاکستان کے سفیر کے ایم قیصر پاکستانی سفارتخانے کے ایک رکن سید ابوالحسن بھی شامل ہیں۔ چین کی طرف سے وزیراعظم چواین لائی، ملٹری کمیشن کے وائس چیئرمین یہہ شین شنگ، اسٹیٹ کونسل کے نائب وزیراعظم لی سین نین، چینی عوامی سپاہ آزادی کی بحریہ کے کمانڈر اور قومی دفاع کے نائب وزیر سیاؤ چنگ کوانگ، عوامی سپاہ آزادی کے جنرل اسٹاف کے چیف آف اسٹاف پینگ شاؤ ہوئی، فضائیہ کے ڈپٹی کمانڈر زاؤلی ہوئی، وزیر خارجہ ہان ینگ، بیرونی ممالک کے اقتصادی تعلقات کے نائب وزیر چین موہوا، وزارت خارجہ کے شعبہ ایشیائی کے ڈپٹی ڈائریکٹر یہہ چینگ چانگ سرکاری طور پر شامل تھے ان کے علاوہ وزارت خارجہ اور فوج کے اسٹاف ممبر بھی شامل تھے۔

غیر رسمی مذاکرات شروع ہو رہے ہیں۔

چواین لائی نے بات چیت کا آغاز کیا ہے یہ غیر رسمی اور بے تکلفانہ بات چیت ہے۔ چواین لائی کہتے ہیں ہم اتنا بڑا وفد ساتھ لانے پر جناب بھٹو کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہمارے پاکستانی دوستوں میں سے بہت سے پہلے بھی چین آ چکے ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر ایئر مارشل رحیم خاں، لیفٹیننٹ جنرل گل حسن اور سلطان محمد خاں کا ذکر کیا ہے۔ بات کرتے کرتے پھر چواین لائی کو درمیان میں کچھ نشستیں خالی نظر آ گئی ہیں انہوں نے درخواست کی ہے کہ مہمان آگے آ بیٹھیں، خالی سیٹیں اچھی نہیں لگتی پھر پریس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے پریس کا وفد بھی خاصا بڑا ہے میں بہت سے دوستوں کو پہلے بھی ملا ہوں، صدر بھٹو اتنے صحافیوں کو ساتھ لائے ہیں اس کا مطلب ہے آپ کے صدر جمہوری صدر ہیں۔ بھٹو صاحب نے شکایت کی ہے کہ چواین لائی صاحب اتنی دیر سے پاکستان نہیں آئے ہیں۔ چواین لائی معذرت کر رہے ہیں کہ وہ اپنے اندرونی معاملات میں مصروفیات کی وجہ سے باہر نہیں

جاسکے ہیں۔ ایئر مارشل حیم خاں اور جنرل گل حسن اور سلطان محمد خاں واقعی گلہ کر سکتے ہیں کہ میں آپ کی دعوت پر پاکستان نہیں آسکا۔ جبکہ ایوب خاں کے دور میں میرا آنا ہوا مگر یحییٰ خاں کے دور میں نہیں آسکا۔ میں پاکستان کے عوام سے بھی معافی چاہتا ہوں امید ہے کہ پاکستانی عوام مجھے معاف کردیں گے۔ پانچ برس تک ہم پرولتاری کلچرانقلاب میں مصروف رہے۔

صدر بھٹو پاکستانی عوام کی طرف سے خواہش ظاہر کررہے ہیں کہ آپ مستقبل میں پاکستان کا دورہ کریں۔ پاکستان کے عوام اس ملک کے رہنماؤں کے استقبال کے لئے بیتاب ہیں جس نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا ہے۔

چواین لائی بتارہے ہیں کہ جون 1966ء میں آخری دورہ کیا تھا۔ اب تقریباً چھ سال ہو چکے ہیں۔ پاکستان ہمارا دوست ہے ہمسایہ ہے اب بھی ہم شاید دور کے ممالک کا دورہ نہ کریں۔ مگر میں قریب کے ممالک کا دورہ کروں گا۔ میں نے بھی ایک بار ایک ساتھ گیارہ ممالک کا دورہ کیا تھا۔ مگر پھر بھی آپ نے زیادہ تیز رفتاری سے آٹھ ممالک کا دورہ کیا ہے تالیاں بج رہی ہیں۔

کمیونسٹ ملک کے کمیونسٹ وزیراعظم اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ پہلی بار اسلامی ممالک متحد ہورہے ہیں۔ انہوں نے یک زبان ہوکر بھارت کی جارحیت کی مذمت کی ہے بھارتی توسیع پسندوں اور روسی ترمیم پسندوں سے اتحاد کے مقابلے میں اسلامی ممالک کا اتحاد بہت بڑی بات ہے بعض ممالک اقوام متحدہ کی قرارداد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نام نہاد بنگلہ دیش کو تسلیم کررہے ہیں لیکن اسلامی ممالک میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اسلامی ممالک بڑی طاقتوں اور بھارتی توسیع پسندوں کی مذمت میں ایک ہیں۔

پھر انہوں نے کہا کہ آپ کے ایک حصہ پر جارحیت اور قبضے کے باوجود انصاف آپ کے ساتھ ہے۔ وہ بتارہے ہیں کہ آج کے ''پیپلز ڈیلی'' نے آپ کی آمد کے موقع پر اداریہ لکھا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بھارتی توسیع پسندوں کے قبضے کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہونی چاہئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ یہ ایڈیٹوریل یقیناً اتنا دلپذیر تو نہیں ہوگا جتنی آپ کی وہ

تقریر جو سیکورٹی کونسل میں کی تھی ہمیں آپ کے اس بیان کی بہت قدر ہے کہ ہمیں اپنے آپ اور اپنے عوام پر اعتماد ہے۔

اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے صدر بھٹو، چینی چائے یا یمین کا گھونٹ پی کر جواب دے رہے ہیں کہ یہ میرا پہلا دورہ نہیں ہے میں پہلی بار دس برس پہلے آیا تھا جب سرحدوں کے معاہدے پر دستخط کئے گئے تھے۔ میں جب بھی چین آیا تو ہمارا ملک کسی نہ کسی بحران کا شکار تھا۔ مگر اس بار ہمیں جس بحران کا سامنا ہے وہ تاریخ کا سب سے بڑا اور گہرا بحران ہے۔ ہمیں اپنے بنیادی مقصد کے حصول کے لئے ساری دنیا اور خاص طور پر اپنے دوست ممالک کی مدد کی ضرورت ہے ہمیں خوشی ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک ہمارے ساتھ ہیں ہم نے تمام ہمسایوں سے دوستی رکھی ہے مگر اپنی کوششوں کے باوجود بھارت سے اچھے تعلقات رکھنے میں ناکام رہے، چین بھی ہمارا ہمسایہ ہے اس سے ہمارے تعلقات ہمیشہ اچھے رہے ہیں ہم اس حمایت کے شکر گزار ہیں مگر یہ حمایت ہمیشہ اصولوں پر مبنی رہی ہے ہم نے کبھی اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کی اب کے بھی اپنے ساتھ دوستوں کو ساتھ لایا ہوں تاکہ دونوں ملکوں میں دوستی کے مزید امکانات کا جائزہ لیا جائے۔ ہم بھارت سے بھی تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں اگر وہ بین الاقوامی اصولوں کا احترام کرے، ہمسایہ ملکوں کی سلامتی کے درپے نہ ہو اور جارحیت کا بار بار ارتکاب نہ کرے پاکستان کو فوجی طور پر ضرور شکست ہوئی۔ بھارت نے ہم پر اپنا فیصلہ تھوپا ہے مگر مجھے اعتماد ہے کہ ہمارے عوام کے لئے مستقبل روشن ہوگا۔ ہم اپنی جانوں کی حفاظت کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں عوام کی حمایت اور بین الاقوامی ہمدردی کے طفیل آخری فتح ہماری ہوگی۔ چواین لائی جواب دے رہے ہیں آپ انصاف پر ہیں آپ کا مستقبل آپ کی امنگوں کی تکمیل ضرور کرے گا مشکلات ضرور رہیں گی مگر مشکلات بالآخر ختم ہو جائیں گی۔ چینی عوام اور چینی حکومت کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں مشکلات عارضی طور پر آزمائش میں ڈالتی ہیں لیکن آپ یقیناً اپنے عوام کی مدد سے آزادی کی نئی منزل کو پالیں گے۔"

چواین لائی کہہ رہے ہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا میں یہ ساری صورتحال برطانوی سامراج کی پیدا کردہ ہے اس مرتبہ اقوام متحدہ میں بھی برطانیہ نے شرمناک کھیل کھیلا۔ دولت مشترکہ کے سیکرٹری ادھر راولپنڈی آئے ادھر برطانیہ نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیا۔ آپ نے دولت مشترکہ سے الگ ہوکر یقیناً ایک کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ برطانوی دولت مشترکہ نے سنگاپور میں گڑبڑ کی، یوگنڈا میں حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ دولت مشترکہ سے پاکستان کا نکلنا یقیناً دولت مشترکہ کو خاتمے کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستانی عوام اس سے نقصان میں نہیں رہیں گے۔ برصغیر کے ممالک کو اصولی طور پر امن اور دوستی کے ساتھ رہنا چاہئے۔ برطانوی سامراج نے مگر ہر جگہ کچھ نہ کچھ مصیبت کی گنجائش رکھی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ہی واضح طور پر کہا تھا کہ سقوط ڈھاکہ بھارت کی فتح کا نہیں بلکہ سلسلہ مشکلات کا آغاز ہے۔ آپ انہی کوششوں کا آغاز کررہے ہیں۔ پاکستان کے ٹکڑے ہوجانے کے بعد نئے پاکستان کی تعمیر کے لئے کوششوں کی نیک اور عظیم ذمہ داری پاکستانی عوام کے کندھوں پر آپڑی ہے۔

وہ ہماری طرف یعنی پاکستانی اخبارنویسوں کی طرف مخاطب ہوکر کہہ رہے ہیں موجودہ بھارتی وزیراعظم کے مرحوم والد نے اپنی کتاب ''ہندوستان کی دریافت'' میں لکھا تھا کہ بحرہند کے تمام ممالک پر ان کا حق ہے اس وقت تو نہرو نے اس طرح نہیں کیا مگر ان کی بیٹی یعنی موجودہ وزیراعظم اس خواب کی تعبیر حاصل کررہی ہیں۔ بعض لوگوں نے اندرا گاندھی کو تاج بھی پیش کردیا ہے یہ خبر ہم نے بھارتی پریس کے ذریعے سنی، چینی پریس کے ذریعے نہیں۔ وہ شاید ملکہ وکٹوریہ کا تاج سنبھالنا چاہتی ہیں۔ مگر اب ایسا وقت گزر چکا ہے۔

پھر انہوں نے پاکستانی پریس کو مخاطب کرکے پوچھا۔ ''کیا یہ درست نہیں ہے؟'' ہم نے جواب دیا۔ ''بالکل درست ہے۔''

پھر وہ کہنے لگے موجودہ حالات میں سب سے اہم مقصد جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں امن کا قیام ہے ابھی ہم نے ایک افسوسناک خبر سنی ہے کہ ہمارا دوست نیپال کا بادشاہ

www.bhutto.org

فوت ہوگیا ہے وہ ہمارا بہت اچھا دوست تھا، ہمسایہ ملک کو اس خلاء سے ہوسِ ملک گیری کی تکمیل کا موقع بھی مل سکتا ہے مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ عوام ایک ناقابل تسخیر قوت ہیں۔

وہ کہنے لگے۔ ماضی میں ہماری مدد بہت محدود رہی۔ آپ کے مشکل وقت میں ہم زیادہ مدد نہیں کرسکے۔ چیئرمین ماؤزے تنگ چھوٹے ممالک کو مدد دینے کے حق میں ہیں مگر ہم فوجی مدد، غیر ملکی جارحیت کے مقابلے کے لئے دیتے ہیں ملک کے اندر عوام کو کچلنے کے لئے نہیں دیتے۔

ہم بلاسود قرض دیتے ہیں اس سلسلے میں ہم آپ سے مشورہ کرنا چاہیں گے۔ بلاسود قرضہ دینا ہمارا اصول ہے اس کی ادائیگی کو ملتوی کرسکتے ہیں اس کی ادائیگی کی میعاد بھی تبدیل ہوسکتی ہے بلاسود قرضہ دس سال تک واجب الادا ہوتا ہے مشکل وقت میں اسے دس سال اور ملتوی کیا جاسکتا ہے پھر اور دس سال ملتوی کرسکتے ہیں حتیٰ کہ اکیسویں صدی تک بھی ملتوی ہوسکتا ہے ہاں یہ قرضہ تحفہ کے طور پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ غیر ملکی امداد سے ''عزت نفس'' ختم ہوسکتی ہے اور آدمی دوسروں کا محتاج ہوجاتا ہے۔ ہمارا پہلا اصول بلاسود قرضہ ہے میعاد میں التوا بھی ہوسکتا ہے ہم قرضہ دینے والے ملکوں کو خود اعتمادی اور خود کفالت کی منزل تک پہنچنے کے لئے مدد دیتے ہیں۔ ہم مخلص ہیں جھوٹے نہیں ہیں۔ ماضی کی مشترکہ کوششوں کے بعد ہم بیسویں صدی کی ساتویں دھائی کے وسط میں آچکے ہیں۔ ہم اپنے دوست ممالک کو غیر ملکی جارحیت کے مقابلے کے لئے مدد دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے آپ پر بھروسہ کریں اس اصول کی خلاف ورزی کرنے والے کی ہم مخالفت کرتے ہیں۔

چواین لائی پھر کہنے لگے کہ میں آخر میں کہوں گا کہ ہماری مدد اب کے بھی تھوڑی ہوگی۔ پھر وہ پریس کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ امید ہے آپ اس کو پریس میں بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کریں گے۔ اب بھٹو صاحب کی باری تھی وہ کہنے لگے چین نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے ہم اس کے ممنون ہیں۔ ہم یہاں اس مدد اور حمایت کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔ میں جب

لیبیا میں تھا تو اور سب مسائل پر بات ہو رہی تھی آخر میں لیبیا کے صدر نے کہا۔ بولئے پاکستان کے لئے کیا چاہئے۔ میں نے کہا کہ شکریہ! ہم تو محض آپ کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔ ہمیں بھی قوم کی عزت نفس مقصود ہے۔ ہم پاکستان کو کبھی دوسرے دوستوں پر بوجھ نہیں بننے دیں گے۔ چین نے اخلاقی طور پر بہت مدد کی ہے اور اب چین سے عوامی سطح پر دوستی مستحکم ہو چکی ہے۔

چواین لائی کہنے لگے امداد ہمیشہ باہمی ہوتی ہے آپ کی اخلاقی اور مادی مدد ہمارے لئے بڑی مفید رہی، بھارت چین کے تصادم کے برعکس آپ نے ہم سے اپنا سرحدی تنازعہ طے کیا اور دستخط کر دیئے۔ آپ کے ساتھ ہماری طرف سے دستخط کرنے والے چن ژی کا انتقال ہو چکا ہے۔ شاہراہ ریشم اور خاص طور پر آپ کے فضائی رابطہ کا ہم نے بہت زیادہ استعمال کیا۔ ایران سے سفارتی تعلقات کے قیام میں آپ کا اور آپ کی بیگم کا بڑا حصہ ہے۔ ہم اس کے لئے آپ کے شکر گزار رہیں گے۔

سوا آٹھ بجنے والے تھے اب بھٹو صاحب خصوصی ملاقات کے لئے اٹھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے چواین لائی کو بتایا ہے کہ میرے ساتھ کچھ غیر سرکاری حضرات بھی آئے ہیں آپ کا تعارف کرادوں، پھر انہوں نے محمود علی صدارتی مشیر برائے سیاسی امور، خان آف قلات، خیر بخش مری، خورشید حسن میر، سیف الرحمان کیانی اور کرنل حبیب کا تعارف کرایا، فیض صاحب سے جب تعارف ہوا تو چواین لائی ان کے نام سے پہلے سے آشنا معلوم ہوئے انہوں نے اپنے ساتھ کھڑا کر کے فوٹو گرافر سے تصویر کھینچنے کو کہا۔ اس تصویر کے بعد سرکاری وفد تو بات چیت کے لئے بغل والے ایک ہال میں چلا گیا غیر سرکاری وفد اور پریس پارٹی سے کہا گیا کہ وہ اگر فلم دیکھنا چاہیں تو فلم دیکھ سکتے ہیں۔ کچھ اخبار نویس اپنی رپورٹ تیار کرنے کے لئے چلے گئے مگر پیکنگ اور پاکستان کے وقت میں تین گھنٹے کا فرق تھا اس لئے میں بعد میں رپورٹ بھیج سکتا ہوں کیونکہ اس وقت پیکنگ کے ساڑھے آٹھ بجے تھے جس کا مطلب ہے کہ پنڈی میں ساڑھے پانچ بجے تھے۔

www.bhutto.org

میں فلم دیکھنے چلا گیا۔ فلم دیکھنے والوں میں محمود علی صدارتی مشیر، خاتون اول بھی تھیں اور بیگم ایئر مارشل رحیم خاں بھی، کمانڈر انچیفوں کے اسٹاف کے کچھ ارکان بھی۔ یہ فلم تقریباً دو گھنٹے طویل تھی اس فلم کے کچھ حصے کراچی میں چینی قونصلیٹ کی مختلف تقریبات میں دیکھے تھے اس کا سادہ پرنٹ کراچی ٹیلی ویژن پر بھی دکھایا گیا۔ مگر یہ فلم ان سے خاصی مختلف تھی اور بالکل مکمل تھی۔ ہر فلم دیکھنے والے کو ایک مترجم اور چین کی وزارت ثقافت اور مہمانداری کے ایک وزیر یا نائب وزیر مل گئے تھے جو اس فلم کے بارے میں بتاتے بھی جاتے تھے۔ یہ فلم جو ایک مظلوم خاتون کے گرد گھومتی ہے پورے چین کی بیداری کی کہانی ہے کہ کس طرح استحصال کرنے والے طبقے نے مظلوم عوام پر ظلم ڈھائے اور پھر عوام نے کس طرح اس طبقے کے خلاف ایک طویل جدوجہد کی قربانیاں دیں، خون بہا اور بالآخر ظالم جاگیرداروں اور زمینداروں کا مکمل خاتمہ ہو گیا کسانوں کو ان کے حقوق مل گئے۔ فلم ختم ہو گئی۔

بیگم بھٹو اپنے چینی میزبانوں کے سامنے فلم کی تعریف کرتے ہوئے اٹھ رہی ہیں۔ ہم بڑی بڑی لفٹوں، برآمدوں، شہ دریوں اور قالینوں سے ہوتے گریٹ ہال کی پہنائیوں سے باہر نکل رہے ہیں۔ باہر چین اور پاکستان کے پرچم والی سیاہ گاڑی کھڑی تھی جس سے ظاہر تھا کہ ابھی مذاکرات جاری ہیں۔ پیکنگ ہوٹل جانے والا میں اکیلا ہوں۔ باقی سب جا چکے ہیں۔ پیکنگ ہوٹل بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ مجھے گاڑی ایک گیٹ پر اتار گئی ہے۔ گیٹ ایک سا ہے۔ لفٹ ایک سی ہے۔ چہرے ایک سے۔ میں بڑے اعتماد سے تیسری منزل پر جا پہنچا ہوں۔ مگر مجھے 354 نظر نہیں آ رہا۔ ادھر کئی کامریڈ پھر رہے ہیں۔ زبانِ یارِ من چینی و من چینی نمی دانم۔ ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتاتا ہوں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر ایک کامریڈ نزدیک آتے ہیں۔ ان کو میں پہلے تین انگلیاں، پھر پانچ انگلیاں اور پھر چار انگلیاں کھڑی کر کے سمجھاتا ہوں۔ ان کی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ پھر میں ہوٹل کے ایک حصے سے نکل کر دوسرے میں داخل ہوتا ہوں، پھر تیسرے میں۔ یہاں ہوٹل کا وہ حصہ آ جاتا ہے، جہاں میں ٹھہرا ہوں۔ یہ 354 ہے۔ پیکنگ میں رات کے بارہ بجے ہیں۔ اس وقت کراچی میں رات

www.bhutto.org

کے 9 بجے ہوں گے۔ ہم صبح چھ بجے پنڈی سے چلے تھے۔ گھڑیاں کتنی طویل ہوگئی ہیں۔ یہ دن کتنا لمبا ہوگیا ہے۔ میں نے تاریخ کی کتنی پہنائیاں طے کرلی ہیں۔ وقت کے چکر میں ہم دوپہر کا کھانا بھی نہ کھا سکے تھے۔ اب بارہ بج رہے ہیں۔ رات کا کھانا بھی نہ کھا سکے۔ اب خبر نہیں کھانا مل سکے کہ نہیں۔ میں نے پاکستانی سفارتخانے کے ایک نمائندے محمد حسین جو یہاں ہوٹل کے ایک کمرے میں اپنا دفتر قائم کئے ہوئے ہیں۔ ان سے بات کی ہے وہ کہتے ہیں کھانا مل جائے گا۔ انہوں نے ایک چینی میزبان کو سمجھا دیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد کھانا لگ گیا ہے۔ چینی دسترخوان میں وسعت کے قائل ہیں۔ اتنا کھانا..... اُف..... ہنٹر بیف، انڈے، مچھلی، چاول، میٹھا۔ بڑی مشکل سے میں نے کھانا کھایا ہے۔ اب اصحاب نقوی کے کمرے کی طرف جارہا ہوں۔ ٹائپ رائٹر کھڑک رہے ہیں۔ اے پی پی کے افتخار چوہدری سب سے زیادہ مصروف ہیں۔ اخبار والے مطمئن ہیں کہ اے پی پی اور پی پی آئی موجود ہیں۔ اس لئے زیادہ تفصیل بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ پی پی آئی کے ابصار رضوی بھی مصروف ہیں۔ ٹیلی گرام جارہے ہیں۔ ٹیلی گراف آفس بھی نیچے ہے۔ ایس کے پاشا بھی ٹیلی گرام بھیج رہے ہیں۔ کراچی کے لئے کال بک کررکھی ہے۔ خورشید حسن میر بھی اس کمرے میں مصروف ہیں۔ رونق لگی ہوئی ہے۔ پیکنگ میں پہلی رات ہے۔ اب نہ جانے کب آئیں۔ یہ رات، پیکنگ ہوٹل کا کمرہ، شاہی بستر۔

صبح ہم ساڑھے سات بجے جاگ اٹھتے ہیں، تیار ہوتے ہیں۔ آج ہمیں پیلس میوزیم جانا ہے۔ بھٹو صاحب ادھر بات چیت کریں گے ہم میوزیم وغیرہ دیکھ کر وقت گزاریں گے۔ مجھے احفاظ الرحمٰن کا فون نمبر مل گیا ہے۔ ٹیلیفون کیا۔ خاتون آپریٹر کی نہایت ہی باریک آواز ''ہے'' سنائی دی ہے۔ میں نے اسے ایکسٹینشن نمبر بتایا ہے۔ تھوڑی دیر بعد احفاظ الرحمٰن کی آواز آتی ہے۔ وہ حیران ہوجاتے ہیں کہ میں پیکنگ میں ہوں۔ بہت خوش ہوتے ہیں۔ پروگرام پوچھتے ہیں۔ ان کا ہوسٹل پیکنگ ہوٹل سے کافی دور ہے اس لئے ان کو آنے میں کم از کم آدھا گھنٹہ لگ جائے گا۔ بہرحال ہم انتظار میں بیٹھ گئے اور نیچے ناشتہ کے

www.bhutto.org

لئے ڈائننگ ہال میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد احفاظ الرحمٰن وہیں آپہنچے۔ ناشتے کے بعد اٹھے تو لوگ پیلس میوزیم جانے کے لیے تیار تھے۔ مسٹر یو اور مسٹر چن ہمیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ احفاظ الرحمٰن کے ساتھ حامد ہاشمی بھی تھے جو چین "باتصویر" میں کام کرتے ہیں۔ پیلس میوزیم، یہ شہر ممنوعہ بھی کہلاتا ہے۔ مگر اب یہ شہر ممنوعہ نہیں ہے غیر ملکی افراد بھی یہاں جاسکتے ہیں۔ چین والے بھی اندر رہتے ہیں۔ گاڑیاں اس شہر کے دروازے سے ہوتی ہوئی برف میں ڈھکے ہوئے شاہی قلعے میں داخل ہورہی ہیں۔ یہاں کبھی بادشاہ رہتے تھے اب بادشاہوں کی صرف یادگاریں ہیں۔ بادشاہتیں ختم ہوگئیں۔ عوام کا راج آگیا۔ اب عوام ہر چیز کے مالک ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف کھڑے گارڈ، چین کی عوامی سپاہ آزادی کے جیالے ہیں۔ قلعے کی وسعتوں پر برف پڑی ہوئی ہے۔ برف اس وقت بھی گر رہی ہے۔ ابھی بیگم بھٹو تشریف نہیں لائی ہیں۔ ہم برف اور سردی سے بچنے کے لئے پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ پوری طرح گرم کپڑوں میں چھپے ہونے کے باوجود سردی اپنا حملہ کررہی ہے۔ شاہی قلعہ کے دروازے پر کھڑے ہم انتظار میں ہیں کہ بیگم صاحبہ آئیں تو پیلس میوزیم دیکھنا شروع کریں۔

بیگم بھٹو تشریف لے آئیں۔ ان کے ساتھ پاکستان کے سفیر کی بیگم بھی تھیں۔ کافی عمر رسیدہ ہیں اور چین میں بھی ایک عرصے سے مقیم ہیں۔ لیکن ان کے لباس، فیشن یا مزاج پر عمر کا یا چین کے قیام کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ مستقل مزاجی ہو تو ایسی، جدید ترین ہیئر اسٹائل، چمکتی دمکتی اور پھسلتی ہوئی ساڑھی، کجلے سے تیکھے کئے ہوئے نین۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ چین کے دوست پاکستان کے سفیر کی یہ بیگم مغربی ممالک کے سفارتخانوں کی تقریبات میں بہت شوق سے جاتی ہیں۔ رقص میں حصہ لیتی ہیں۔ پاکستان کا نام روشن کرتی ہیں۔

یہیں ہم نے بیگم ایئر مارشل رحیم خان کو بھی دیکھا۔ وہ سادگی کا مرقع تھیں۔ لباس، بات چیت، ہر طرح سے، فیشن تو ان کے قریب آیا تک نہیں۔

برف متواتر گر رہی تھی۔ بیگم صاحبہ پیلس میوزیم میں داخل ہوئیں۔ ہمارے ساتھ خان

www.bhutto.org

آف قلات تھے، مخدوم طالب المولیٰ، خورشید حسن میر، خیر بخش مری، سیف الرحمٰن کیانی، باقی صحافی حضرات، چین والوں کی طرف سے کوئی نائب وزیر تقریبات تھے۔ اردو اور انگریزی کی مترجم خواتین تھیں۔ میوزیم کے اس حصے میں زیادہ تر وہ عجائبات اور نوادرات تھے جو پرولتاری ثقافتی انقلاب کے دوران چین میں کھدائی سے برآمد ہوئے اور جس سے قدیم چین کی تاریخ معلوم ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی کہ ان بادشاہوں اور شہنشاہوں کے زمانے میں عوام کا استحصال کیسے ہوتا تھا۔ بادشاہوں کے استعمال کے جو پیمانے اور جام یہاں موجود ہیں ان پر ایرانی ثقافت کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔ یہ نوادرات زیادہ تر برتنوں پر مشتمل ہیں۔ ان سب کو انتہائی حفاظت سے شوکیسوں میں رکھا گیا ہے۔ یہاں ایک شہنشاہ کی حنوط شدہ لاش بھی پڑی ہے۔ مگر یہ چینیوں کا خاص انداز ہے۔ زرہ نما لباس نہ جانے کیسے بنا جاتا ہے۔ اس کے ٹانکے سونے کے تاروں کے ہیں۔ اس لئے انتہائی مضبوط ہیں۔ اس لباس کے اندر کسی شہنشاہ کی لاش ہے، ذرا کرّ وفر ملاحظہ ہو۔ یہ پیمانہ ہے۔ یہ بڑی کیتلی ہے کوئی شے ایک ہزار قبل مسیح کی ہے کوئی دو ہزار قبل مسیح کی، کوئی بعد از مسیح کی۔ اس طرح قدیم چین کی ایک تاریخ نظروں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ چین کے میزبان بیگم صاحبہ کو ایک ایک چیز کے بارے میں بتا رہے تھے۔ اب چین والوں کو اتنی فرصت مل گئی ہے کہ وہ ان ثقافتی نوادرات کو دکھاتے ہیں اور بات کرتے ہیں۔ ثقافتی انقلاب کے ذریعے وہ یہاں تک پہنچے ہیں۔ اس زمانے میں کھدائی کر کے کئی پرانے شہر اور محل دریافت کئے گئے۔ اس زمانے کی گڑیاں، چھریاں، لیمپ، چھوٹے برتن، بڑے برتن، اس زمانے کی تہذیب کی غمازی بھی کرتے ہیں اور چین کے ثقافتی انقلاب لانے والے کامریڈوں کی تحقیق اور دریافت کی داد بھی۔ یہاں پرانے سکے بھی نظر آ رہے تھے۔ وقت کم تھا اس لئے سب کچھ جلد جلد دیکھنا تھا۔ ایس کے پاشا کو چین میں پاکستان کی نادر چیز نظر آ گئی ہے۔ وہ اسے دیکھنے اور اس کے بارے میں جاننے میں مصروف تھے۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس سلسلے میں کسی مترجم کی ضرورت نہ تھی۔ اس ایک حصے سے نکلے تو ہمارے میزبان ہمیں ڈرائنگ روم میں لے

www.bhutto.org

گئے جہاں یاسمین ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ گرم اور تازہ دم ہو کر ہم کمرے سے نکلے تو پھر دوسرا حصہ دیکھنے چلے گئے۔ یہاں چھوٹی چیزیں زیادہ تھیں۔ سکے، چھوٹے برتن، شطرنج کا کھیل اور جانے کیا کیا۔ اس کے بعد ہمیں واپس ہونا تھا۔ ہم باہر نکل کر محل کے صحن میں اپنی تصویریں بناتے رہے۔ کبھی یہاں چین کے شہنشاہ ٹہلتے ہوں گے۔ کہیں شیر کا مجسمہ ہے، کہیں چیتے کا، سانپ کا۔ بادشاہوں کو انسانوں سے زیادہ جانوروں کا شوق ہوتا ہے یا پھر وہ ایسے انسانوں کو عزیز رکھتے ہیں جو جانور بن جائیں۔

باہر نکلے تو برف کم ہو گئی تھی۔ سورج کی کرنیں پھیلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ شہر ممنوعہ پر دھوپ چمک رہی تھی۔ ہم شہر ممنوعہ کی ایک جھلک دیکھ کر باہر نکل رہے تھے۔ شنگھائی گاڑی برف کے درمیان سے بھاگ رہی تھی۔ کامریڈ نہایت سکون سے گاڑی چلا رہا تھا۔ مسکراہٹ اس کا بھی مقدر تھی۔ اب احفاظ الرحمٰن کو اچانک یاد آیا کہ وہ اپنے ہوٹل سے جو گاڑی لائے تھے۔ اس سے آدھ گھنٹے بعد آنے کا کہہ کر وہ ہمارے ہوٹل آئے تھے اور اس کے بعد وہ ہمارے ساتھ چلے آئے۔ اب تین گھنٹے اوپر گزر گئے ہیں۔ وہ بے چارہ انتظار کر رہا ہوگا۔ چین میں ایسے خدمت کے کاموں سے وابستہ کامریڈ دوپہر کا کھانا جلد ہی یعنی گیارہ بجے کے قریب کھا لیتے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کو آسانی رہے۔ مگر اب ایک بج رہا ہے اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ یہ گاڑی ہوٹل سے کرایے پر لائی گئی تھی۔

ہم ہوٹل میں پہنچ گئے ہیں۔ احفاظ نے دیکھا تو کامریڈ گاڑی لئے ایک کونے میں کھڑا تھا۔ احفاظ کو چینی زبان کچھ کچھ آ گئی ہے۔ انہوں نے کامریڈ سے معذرت کی۔ ہم نے بھی اردو میں معذرت کی اور پھر احفاظ نے چینی میں معذرت اس تک پہنچائی۔ ہم پھر اس گاڑی میں بیٹھ کر احفاظ کے ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں چند منٹ کے لیے تن ان من اسکوائر میں رک کر میں نے اور اصحاب نقوی نے تصویریں بنوائیں۔ دھوپ سینکنے کے لئے چینی دوست اسکوائر کی سیڑھیوں پر بیٹھے تھے۔ مسکراتے چہرے، پراعتماد۔ یہ ان کا عظیم چوک ہے۔ ایک طرف گریٹ ہال ہے دوسری طرف وہ بالکونی جہاں سے ماؤزے تنگ سلامی

www.bhutto.org

لیتے ہیں۔ بے پناہ وسعتیں۔ کل تک اس چوک کی صرف فلمیں اور تصویریں دیکھی تھیں۔ آج میں خود اس چوک میں کھڑا ہوں۔ آج کی تاریخ کا اور آج کی دنیا کا سب سے اہم چوک۔ جہاں تاریخ جنم لیتی ہے۔ گریٹ ہال کے ایک پہلو میں چین کے دور دراز سے آئے ہوئے لوگ تصویریں بنوا رہے ہیں۔ اس عظیم چوک میں اپنی تصاویر کھنچوا کر عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ ادھر ہزاروں لوگ برف ہٹانے میں مصروف ہیں۔ ایک زندگی ہے، اعتماد ہے، تنظیم ہے۔

اب ہم گورنمنٹ فرینڈ شپ ہوسٹل کی طرف جا رہے ہیں۔ راستے میں ایک بہت بڑی وسیع و عریض کئی منزلہ عمارت ہے اس پر بڑے بڑے سرخ الفاظ میں عمارت کے اوپر سے لے کر نیچے کی طرف کچھ لکھا ہوا ہے۔ احفاظ بتاتے ہیں کہ یہ ریڈیو پیکنگ کی عمارت ہے۔ اتنی بڑی عمارت۔ ہمارے تو بیسیوں ریڈیو اسٹیشن اس میں سما جائیں۔ یہاں سے دنیا بھر کی زبانوں میں پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ 24 گھنٹے ریڈیو چلتا ہے اور اس میں کئی کئی گھنٹے کے پروگرام چلتے ہیں۔ میں یہ بلند و بالا اور وسیع و عریض عمارت دیکھ رہا تھا اور مجھے ریڈیو کی خاتون اناؤنسر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

یہ ریڈیو پیکنگ ہے۔

یہ ریڈیو پیکنگ ہے۔

یہ ریڈیو پیکنگ ہے۔

یہ ریڈیو پیکنگ ہے اور ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم شہر سے نکل چکے ہیں۔ خزاں زدہ درختوں والی سڑک پھر شروع ہو چکی ہے۔ دور دور تک برف پھیلی ہوئی ہے۔ ہوسٹل خاصی دور ہے۔ ہوسٹل میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ عمارت کتنی بڑی ہے۔ ایک سٹلائٹ ٹاؤن لگتا ہے کہ آباد ہے۔ اس فرینڈ شپ ہوٹل میں دنیا بھر کے لوگ رہتے ہیں۔ ہوسٹل میں مختلف بلاک ہیں۔ تین تین چار چار منزلہ فلیٹ ہیں۔ پاکستانی بھی رہتے ہیں۔ عرب بھی، افریقی بھی، ایشیائی بھی۔ دوست ممالک سے نوجوان پڑھائی کے لئے آئے ہوئے ہیں یا ترجمے

www.bhutto.org

کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ کئی ایسے ممالک بھی ہیں جہاں عوام دشمن طاقتیں برسر اقتدار ہیں اور بہت سے انقلابی نوجوان وہاں سے جلاوطن ہو کر یہاں آبسے ہیں۔ یہاں بیٹھ کر وہ اپنے عظیم وطن کے لئے آزادی کی جدوجہد کو تیز کرتے ہیں۔ احفاظ ایک خوبصورت بچے کو پیار سے بلا رہے ہیں۔ گرم کپڑوں میں لپٹا ہوا سفید فام بچہ کتنا پیارا لگ رہا ہے۔ آس پاس برف بکھری ہے۔ بچہ برف سے کھیل رہا ہے۔ بچہ بھی احفاظ سے مانوس ہے۔ اس بچے کے ماں باپ برازیل کے رہنے والے ہیں۔ باپ برازیل کا جلاوطن انقلابی ہے۔ ہوسٹل کے جس بلاک میں احفاظ رہتے ہیں اس کے دروازے پر ان بچوں نے ''اسنو مین'' (برف کا آدمی) بنا رکھا ہے۔ بچے ہر جگہ ایک سے ہوتے ہیں۔ جہاں برف گرتی ہے وہاں بچے ''اسنو مین'' بھی بناتے ہیں۔ یہ سوڈان کے کامریڈ ہیں۔ عربی کا کام کرتے ہیں۔ بچوں سمیت یہاں رہتے ہیں۔ یہاں پہلے سوڈان کے احمد محمد خیر بھی رہتے تھے۔ انقلابی شاعر تھے۔ بہت عرصے تک وہ چین میں جلاوطن کی حیثیت سے مقیم رہے۔ اب واپس جا چکے ہیں۔ ان کی جدوجہد اگرچہ مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوئی مگر راستہ ہموار ہو گیا ہے، فضا سازگار ہو گئی ہے اس لئے وہ واپس اپنے وطن چلے گئے ہیں۔

ہم سیڑھیاں چڑھتے ہوئے احفاظ کے فلیٹ میں جا پہنچے ہیں۔ بڑے خوبصورت فلیٹ ہیں۔ ٹیلی فون کنکشن، باورچی خانہ، ڈرائنگ روم، بیڈ روم، لکڑی کا فرش، روشن اور ہوادار ہم یہاں تھوڑی دیر ٹھہرتے ہیں۔ احفاظ نے کچھ چیزیں پاکستان بھیجنا ہیں۔ وہ لے کر ہم چل پڑتے ہیں۔ راستے میں آزادیٔ فلسطین کے دو نمائندے ملتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں چمک ہے۔ چہرے پرعزم ہیں۔ انہیں جب معلوم ہوتا ہے کہ میرا ہفت روزہ ''الفتح'' سے تعلق ہے تو وہ بہت گرمجوشی سے ملتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی کامیابی اور آزادی کے لئے دعا مانگتے رخصت ہوتے ہیں۔ احفاظ پھر ہوسٹل کے دفتر سے ایک گاڑی کے لئے ساڑھے پانچ یون (گیارہ روپے) ادا کرتے ہیں اور رسید لے کر گاڑی کے پاس پہنچتے ہیں۔ کامریڈ ہمیں لے کر شہر چل پڑتا ہے۔ احفاظ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ساڑھے پانچ یون

www.bhutto.org

دے کر گاڑی لی جاسکتی ہے اسے خواہ ایک گھنٹہ ساتھ رکھیں، زیادہ گھنٹے یا دن بھر۔

ہم اس وقت خریداری کے ارادے سے نکلے ہیں، کیونکہ وقت کم تھا۔ آج ذرا سی فرصت تھی۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ احفاظ بھی ساتھ ہیں ان کی رہنمائی میں شاپنگ میں آسانی رہے گی۔ ہم پہلے تو اسی کل والے فرینڈ شپ اسٹور کی طرف گئے۔ وہاں سے بوسکی اور خام سلک لی، عظیم قائد ماؤزے تنگ کے بیج خریدے۔ کپڑے، سوئٹر، بچوں کے کپڑے ہر چیز میں چین کی ہنرمندی نفاست اور معیار کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ کہیں بے ہنری یا بے ایمانی کا احساس نہیں ہوتا۔

ہمارے جہاز کا عملہ بھی خریداری میں مصروف ہے۔ ایئر ہوسٹسیں اس وقت اپنی یونیفارم میں نہیں ہیں۔ وہ رنگا رنگ ساڑھیاں اور بیل باٹم پہن کر پاکستان کا نام روشن کر رہی ہیں۔ زبردست خریداری ہو رہی ہے۔ ایک دوسرے فرینڈ شپ اسٹور میں دیوار پر لٹکانے والی سینریاں تصویریں اور بچوں کے کھلونے ملتے ہیں۔ تیسرے میں قالین اور کراکری۔ ہمارے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہیں اور وقت بھی نہیں ہے ورنہ ہر چیز اس قدر حسین اور اس قدر معقول دام کہ ہر طرف نظر کھنچی جائے۔ لڑکیاں، لڑکے، بوڑھے مستعد کھڑے ہیں۔ چیز پسند کیجئے۔ وہ پیک کریں گے۔ رسید آپ کو دے دیں گے۔ کاؤنٹر پر ادا کر دیں اور سامان اٹھالیں۔ ایک فرینڈ شپ اسٹور پر ہمیں ذرا سی دیر ہوگئی کیونکہ وہاں بجلی ٹھیک ہو رہی تھی اور کامریڈ اس میں زیادہ مصروف تھے۔ اس کے بعد ہم اپنے ہوٹل چلے آئے۔ ہوٹل میں ہمارے لئے پہلے سے پیغام پڑا تھا کہ افرو ایشیائی صحافیوں کی تنظیم کے سیکرٹری مسٹر جودٹو کے ہاں ہمیں ساڑھے چار بجے پہنچنا ہے۔ اپنے سوڈانی دوست کے پاس سے ہم نے افرو ایشیائی جرنلسٹس ایسوسی ایشن کے سیکرٹریٹ میں فون کیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ پیغام دیا گیا۔ دوپہر کا کھانا ہم نے دیر سے کھایا تھا اور پھر تھوڑی سی دیر میں ہم ادھر جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ جودٹو صاحب پہلے چین میں انڈونیشیا کی طرف سے سفیر تھے لیکن جب انڈونیشیا میں سوکارنو کی حکومت کا تختہ الٹا گیا تو اس وقت سے ایک جلاوطن کی

حیثیت سے یہاں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چین والے ان سے اب بھی ڈپلومیٹ کے آداب برتتے ہیں۔ انہیں بہت بڑا مکان رہنے کے لئے دے رکھا ہے۔ پروٹوکول، گارڈ وغیرہ۔ جووٹو صاحب کے علاوہ وہاں تنزانیہ کے سعید صاحب بھی تھے۔ پاکستانی صحافت کے سلسلے میں بات ہوئی۔ انہوں نے برنا صاحب کے بارے میں خاص طور پر پوچھا۔ ہم نے بتایا کہ پاکستانی صحافت پر اگرچہ سرمایہ داروں کا قبضہ ہے لیکن اس کے باوجود صحافی جدوجہد کر رہے ہیں۔ ایک معاشی جدوجہد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ 1970ء کی ہڑتال کے نکالے گئے صحافی دو سال کی جدوجہد کے بعد بالآخر کامیاب ہو گئے ہیں۔ منہاج برنا بھی پاکستان ٹائمز میں چلے گئے ہیں۔ باقی لوگ بھی اپنے اپنے اخباروں میں چلے گئے ہیں۔ جووٹو صاحب نے ''الفتح'' کے بارے میں پوچھا۔ ان کے ایک چینی ساتھی اندر سے ''الفتح'' کا ایک دو ہفتے پرانا پرچہ اٹھا لائے۔ پرچہ انہیں باقاعدگی سے ملتا ہے مگر ترجمے کا انتظام نہیں ہے اس لئے پڑھ نہیں پاتے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اگر بعض اہم چیزوں کا ترجمہ انگریزی میں کر کے بھجوا دیا کریں تو ہمیں معلومات ہوتی رہیں۔ وقت کم تھا اس لئے زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہو سکتی تھی۔ شام کو وزیراعظم چواین لائی کی طرف سے دیئے گئے عشائیے میں بھی شرکت کرنا تھی۔ ہم وہاں سے واپس ہونے کو نکلے تو جووٹو صاحب اور دوسرے ساتھی باہر تک نکلے۔ یہ پاکستانی عوام کے لئے خلوص کا اظہار تھا۔ پھر ہم پیکنگ کے اس اندرون شہر کی علاقے کی تنگ سڑکوں اور چھوٹے چھوٹے مکانوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے واپس ہوئے جہاں ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں میں کھیل رہے تھے۔ گلیوں میں بھی چھوٹی چھوٹی دوکانیں نظر آ رہی تھیں جہاں اشیائے خوردنی بک رہی تھیں۔ یہ حقیقی پرولتاری پیکنگ تھا۔ اب ہم اپنے ہوٹل واپس پہنچ چکے ہیں۔

آج وزیراعظم چواین لائی کی طرف سے ہمارے اعزاز میں سرکاری ضیافت ہے۔ عالمی تاریخ کی ایک عظیم شخصیت کی طرف سے عظیم ملک کے عظیم ہال میں۔ یہ کتنا

تاریخی لمحہ ہے۔ میں پیکنگ میں ہوں اور مجھے گذشتہ نصف صدی کی عظیم شخصیت کی طرف سے دیے گئے ڈنر میں شریک ہونا ہے۔ ہم تیار ہو کر اپنی پانچ نمبر گاڑی میں بیٹھ کر تن ان من اسکوائر سے ہوتے ہوئے گریٹ ہال پہنچتے ہیں۔ گریٹ ہال میں یہاں کل بھی آیا تھا۔ مگر آج کل سے بھی زیادہ روشنی ہے۔ میں پھر تاریخ کے اوراق میں داخل ہو رہا ہوں۔ پانچ سو گز چوڑا چوک اور اس کے سامنے عوام کا عظیم ہال۔ یہ ایک ایسی عمارت ہے جس کے لئے پیکنگ کے ہر دل میں بے پناہ محبت موجود ہے۔ عمارت کے پھیلاؤ میں ایک عظمت ہے۔ تناسب توازن اور سادگی میں اپنائیت ہے۔ اس گیارہ سو فٹ بلندی کو سامنے سے دس ستونوں نے اپنی حفاظت میں لیا ہے۔ ان ستونوں کی بلندی اور شکوہ دیکھ کر سر جھک جاتا ہے۔ ان عظیم محنت کشوں کے لئے جن کے پاس جدید ترین کرینیں تھیں اور نہ جدید تر ساز و سامانِ عمارت، لیکن ان کے جذبے بلند تر تھے اور ولولے عظیم تر، ان ستونوں کی بلندی، ان جذبوں کی بلندی کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ہال میں آج بھی وہی طریق کار ہے۔ اپنے اوورکوٹ، ٹوپیاں، کھونٹیوں پر لٹکا کر ہم پہلی منزل کے قریب جا رہے ہیں۔ جہاں عشائیہ ہے۔ اس عظیم ہال میں داخل ہو کر مجھے اپنی بے ثباتی۔ کم مائیگی کا احساس ہونے لگا ہے۔ ان وسعتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پانچ ہزار افراد کے لئے بیٹھ کر کھانے کا انتظام ہے۔ ہر گول میز کے گرد آٹھ افراد کی سیٹیں ہیں۔ پھر بھی میزوں کے درمیان ڈیڑھ ڈیڑھ گز کا فاصلہ ہے۔ دور تک میز، گلاس، نیپکن اور پلیٹیں دکھائی دے رہی ہیں۔ صدر بھٹو اور چواین لائی والی میز بہت بڑی ہے۔ اس کے درمیان میں سبزی بکھری ہوئی ہے۔ اسکرین پر پاکستان اور چین کے پرچم آویزاں ہیں۔ ہال میں پیچھے کی طرف چینی آرکسٹرا ہے۔ اور ایک پہلو میں مشروبات کا انتظام ہے۔ چین میں مقیم غیر ملکی سفیروں کی بہت بڑی تعداد آئی ہوئی ہے۔ یہ عظیم ہال جس کے دونوں طرف بالکونیاں ہیں۔ روشنی کا خودکار طریق ہے کہ ٹیلی ویژن والوں اور کیمرہ مینوں کو اپنی فلیش لائٹ نہیں چلانا پڑتی۔ صدر بھٹو اور وزیر اعظم چواین لائی آنے والے ہیں۔ اس لئے ڈپلومیٹ ایک قطار میں

کھڑے ہو گئے ہیں۔ صدر بھٹو اور چواین لائی آکر ڈپلومیٹ سے ملنے لگتے ہیں۔ میں پرنس سہانوک کی طرف بھاگتا ہوں اور ان سے اگلے روز کے لئے وقت مانگ لیتا ہوں۔

کچھ دیر بعد ہم کھانے کے لئے اپنی اپنی میز پر جا بیٹھتے ہیں۔ کھانے کی فہرست بہت طویل ہے۔ ہمارا چینی مترجم ہمیں بتاتا ہے کہ کھانے کے 18 دور ہوں گے۔ ہر دور سے پہلے مشروبات آتے ہیں اور اس کے بعد کھانا۔ ابلی ہوئی سبزیوں کی مختلف اقسام ہیں۔ جھینگے ہیں، مچھلی ہے پیکنگ کی مرغابی ہے۔ لوبیا ہے۔ ہنٹر بیف ہے۔ مرغ اور جانے کیا کچھ۔ چاولوں کی مختلف ڈشیں، تیسرے دور پر ہمارا معدہ جواب دے جاتا ہے۔ مگر ہمارے مترجم کا اصرار ہے کہ ہمیں اس ڈش کا ذائقہ دیکھنا چاہئے۔ دوسرے ڈش کو ضرور چکھنا چاہئے۔ یہ چین کی خاص چیز ہے۔ اسے ضرور کھایئے۔ سب سے پہلے بزنس ریکارڈ کے زبیری صاحب ہمت ہارتے ہیں۔ پھر احمد علی خاں صاحب۔ باری باری باقی لوگ بھی 18 دور پورے نہیں کر پاتے چینی آرکسٹرا مسلسل دھنیں الاپ رہا ہے۔ پھر وزیر اعظم چواین لائی عشائیے کی تقریر کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

وہ صدر بھٹو کو اپنا جانا پہچانا دوست قرار دے رہے ہیں اور چیئرمین ماؤزے تنگ اور چین کے عوام کی طرف سے صدر بھٹو کا پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں۔ جناب چواین لائی کی تقریر جاری ہے۔ پاکستانی عوام کے دوست۔ وہ پاکستان کے موقف کی پاکستان سے زیادہ تائید کر رہے ہیں۔ یو این کی قرارداد کا ذکر آ رہا ہے۔ علاقائی خودمختاری اور قومی سلامتی کا۔ وہ اپنے بیان کو پھر دہراتے ہیں کہ سقوط ڈھاکہ بھارتی جارحیت کی فتوحات کا سنگ میل نہیں بلکہ ان کی شکست کا نقطۂ آغاز ہے اور آخر میں چواین لائی یقین ظاہر کرتے ہیں کہ پاکستان کے عوام اپنے اتحاد کو مضبوط کرتے ہوئے اور صدر بھٹو کی قیادت میں متواتر کوششیں کر کے اپنی عارضی مشکلات پر قابو پالیں گے اور اپنی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔

پھر وہ صدر بھٹو کے لئے جام صحت تجویز کرتے ہیں۔ اور پاکستان کے سرکاری وفد میں شامل مہمانوں کی میزوں کے پاس جا کر ایک ایک مہمان سے یہ رسم پوری کرتے ہیں۔

www.bhutto.org

اس کے بعد صدر بھٹو ان کی تقریر کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ چینی طرز کے سوٹ میں ملبوس بھٹو اور مدبر لگ رہے ہیں۔ وہ آج کچھ زیادہ ریزرو بھی محسوس ہو رہے ہیں۔ ان کی تقریر میں آج جوش نہیں ہے۔ چواین لائی صاحب نے لکھی ہوئی تقریر پڑھی ہے۔ بھٹو صاحب فی البدیہہ بول رہے ہیں کہ چین اور پاکستان کے عوام کی دوستی نے وقت کی آزمائشوں کا مقابلہ کیا ہے۔ 1965ء میں ہم نے عمومی طور پر تمام دنیا کی اور خاص طور پر چین کی مدد سے مسلح جارحیت کا مقابلہ کرلیا تھا مگر اب کے ہمارے ملک کی علاقائی وحدت اور خودمختاری کے خلاف سازش بہت گہری اور وسیع تھی۔ اس لئے ہمیں ایک خوفناک فوجی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان کے عوام معاملات طے کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر پاکستان کے دونوں حصوں کے عوام اور لیڈروں پر ہی چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ معاملات طے کریں۔ وہ یو این کا حوالہ دیتے ہیں۔ پھر ان کی آواز اور بھرا جاتی ہے اور وہ عظیم لیڈر چیئرمین ماؤزے تنگ کا قول دہراتے ہیں کہ کبھی مشرقی ہوا چلتی ہے اور کبھی مغربی ہوا۔ اس وقت میرے ملک کے خلاف تند ہوا چل رہی ہے۔ لیکن وقت آئے گا جب اپنے عوام کے اتحاد، اپنے عوام کے عزم اور اپنے عوام کی تاریخ اور جذبے کے ساتھ ہم نشیب و فراز کو عبور کرلیں گے۔

چین میں ہمارا قیام مفید، تعمیری، سودمند اور کامیاب رہا ہے اور جب ہم کل چین سے رخصت ہوں گے تو اپنی جدوجہد میں اور زیادہ اعتماد کے ساتھ جائیں گے۔ کیونکہ ہمیں اس عظیم ملک کے 80 کروڑ عوام کی غیر مشروط امداد حاصل ہوگئی ہے۔

آخر میں صدر بھٹو، وزیراعظم چواین لائی اور پرنس سہانوک کے لئے جام صحت تجویز کرتے ہیں۔ پھر باری باری ہر میز پر جاتے ہیں۔ اس میں وہ چواین لائی سے نمبر لے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس ہال میں موجود پانچ ہزار افراد میں سے ہر ایک کے پاس جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا راؤنڈ ہے۔ مگر بھٹو اس کو نبھا جاتے ہیں۔ ابھی وہ جا کر بیٹھتے ہیں تو چواین لائی پھر اسٹیج پر جا پہنچتے ہیں اور وہ پرنس سہانوک کے اعزاز میں تقریر کرتے ہیں اور جامِ صحت

تجویز کرتے ہیں۔ پھر بتاتے ہیں کہ چینی آرکسٹرا نے ابھی تھوڑی دیر پہلے جو دھنیں سنائی تھیں۔ وہ کمبوڈیا کے سربراہِ مملکت پرنس سہانوک کی مرتب کردہ تھیں۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ یہ دھنیں پھر ایک بار سنائی جائیں۔ دھنیں دوبارہ بج رہی ہیں۔ چواین لائی پرنس سہانوک کے قریب جا کر جامِ صحت نوش کر رہے ہیں۔ اب پرنس سہانوک تقریر کرنے کے لئے آ رہے ہیں۔ پرنس سہانوک جن کے وطن پر امریکی پٹھوؤں کا قبضہ ہے۔ جو یہاں پیکنگ میں جلاوطن حکومت کی سربراہی کرتے ہوئے اپنے وطنِ عزیز کے 3/4 حصے کو آزاد کروا چکے ہیں۔ 80 کروڑ کی قوم کو غیر ملکی غاصبوں اور ظالم جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے چنگل سے رہا کروانے والے چینی قائدین میں سے ایک وزیرِ اعظم چواین لائی نے پرنس سہانوک کو ہم پاکستانیوں سے خطاب کرنے کا موقع اس لئے دیا ہے کہ ہمیں کچھ عبرت حاصل ہو کہ ایسے ہوتے ہیں اپنے وطن کی آزادی اور سلامتی کے رکھوالے کہ اپنے وطن سے باہر ہو کر بھی وہ جدوجہدِ آزادی کی شمع جلائے رکھتے ہیں۔

پرنس سہانوک کہہ رہے ہیں۔ میں وزیرِ اعظم چواین لائی کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے نہیں بلکہ کمبوڈیا کے ان تمام عوام کو عزت بخشی ہے۔ جو اپنے وطنِ عزیز پر حملہ آور امریکی سامراج کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ جس نے ہماری آزادی اور غیر جانبداری کو چھین کر رکھا ہے۔ ہماری علاقائی خودمختاری کو ختم کر دیا ہے۔ ہمارے ملک کی قومی وحدت پر ضرب لگائی ہے۔ وہ عوام جو تیسری دنیا میں سامراج، جارحیت، نوآبادیت اور ناانصافی کے خلاف لڑنے والوں کی پہلی صف میں کھڑے ہیں۔

ہمارا کمبوڈیا ایک بہت چھوٹا ملک ہے۔ دنیا کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم کمزور ہیں۔ نہیں، ہم کمزور نہیں ہیں۔ ہم چھوٹے ضرور ہیں مگر کمزور نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم متحد ہو چکے ہیں۔ ہم تیسری دنیا کے واحد غیر جانبدار ملک ہیں۔ جس نے امریکی امداد کو ٹھکرایا ہے۔ امریکی سامراج نے ہمیں معاف نہیں کیا۔ اور سہانوک کو بھی معاف نہیں کیا کیونکہ اس نے امریکی امداد کو ٹھکرایا تھا۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا اور پاکستان کا مسئلہ ایک سا ہے۔ ہمیں بھی

ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا ہے۔ پاکستان کو بھی۔ ہم بھی ایک ہو جائیں گے۔ پاکستان بھی۔ انہوں نے بھٹو کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

پرنس سہانوک تقریر کر کے آ گئے ہیں۔ ہم سوچ رہے ہیں کہ شاید بھٹو صاحب اس کا جواب دیں مگر بھٹو صاحب اس کا جواب نہیں دیتے۔ جانے کیا مصلحت آڑے آ رہی ہے۔

قمقمے جگمگا رہے ہیں۔ گریٹ ہال روشن ہے۔

پرنس سہانوک..... کمبوڈیا کی جدوجہد آزادی کے قائد..... تقریر کر کے..... پاکستانیوں کے دلوں میں آزادی اور جدوجہد کی آگ تیز کر کے جا چکے ہیں۔ ہمارے صدر صاحب کو جواب میں تقریر کرنی چاہئے۔ کیونکہ پرنس سہانوک نے پاکستانیوں کے موقف کو جس پرزور انداز میں پیش کیا۔ اتنا زور پاکستانی صدر کی تقریر میں تھا اور نہ وزیراعظم چین کی تقریر میں۔

مگر بھٹو صاحب اپنی سیٹ پر ہی بیٹھے ہیں۔ سہانوک اور نکسن کے درمیان مقابلہ ہے۔ ہمارے نکسن سے تعلقات بہت "اچھے" ہیں۔ ہم سہانوک کی تقریر کا جواب دے کر اپنا کیس کیوں خراب کریں۔

اس کے بعد چین اور پاکستان کے قومی ترانے ہوتے ہیں۔ ڈنر ختم ہو جاتا ہے۔ مذاکرات پھر شروع ہو جاتے ہیں۔ آج مشترکہ اعلامیہ کو آخری شکل دی جانی ہے۔ ہمیں کہا جاتا ہے کہ جو صاحبان گریٹ ہال دیکھنا چاہیں وہ ایک طرف جمع ہو جائیں۔ بیگم نصرت بھٹو ہمارے ساتھ چلیں گی۔ وفد کے باقی غیر سرکاری رکن بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ گریٹ ہال۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا ست، وسعتیں، روشنیاں بڑی بڑی لفظیں۔ یہ گریٹ ہال کا آڈیٹوریم ہے۔ یہاں پانچ ہزار افراد کی نشستوں کا انتظام ہے۔ ہر سیٹ پر بارہ زبانوں میں ترجمہ کے انتظامات ہیں۔ ائیر فون لگے ہوئے ہیں۔ سامنے بہت بڑی اسکرین ہے۔ کتنے عظیم لوگ ہیں۔ کتنی عظیم عمارتیں ہیں۔ یہ ہم سے بعد آزاد ہوئے۔ ہماری طرح انہوں نے غیر ملکی امداد وصول نہیں کی۔ ہم سے زیادہ مسائل تھے۔ زیادہ آبادی تھی۔ زیادہ کھانے والے تھے۔ مگر یہ آج کہاں جا پہنچے ہیں اور ہم کہاں ہیں۔ آج ہم یہاں

بھیک مانگنے آئے ہیں، وہ ہمیں عزتِ نفس کا درس دے رہے ہیں۔ گریٹ ہال دکھا رہے ہیں جوان کی اپنی مدد آپ آگے بڑھنے کی لگن۔ غیر ملکی امداد سے بے نیازی کا نتیجہ ہے۔ وہ ہمیں خود اعتمادی کا درس دے رہے ہیں۔ ہم ہاتھ پھیلائے ہوئے آئے ہیں۔ مگر ہاتھ پھیلانے والوں کے لباس کی چمک دمک دیکھو اور اس خود کفیل عالمی طاقت، عظیم قوم کے افراد کے لباس کی سادگی دیکھو۔ میں ان کا گریٹ ہال اور روشنیاں دیکھ رہا ہوں اور ساتھ اپنی ایئر ہوسٹسوں کے معطر بدن، ہیئر اسٹائل، شوخ رنگوں والی، چمکتی ہوئی ساڑھیاں دیکھ رہا ہوں۔ ہمارے پاس میک اپ فیشن، ہیئر اسٹائل، خوبصورت چہروں اور قیمتی کپڑوں کے علاوہ کیا ہے۔ جو اپنے عظیم دوستوں چینیوں کو دکھائیں۔ ہم نے شکست ضرور کھائی ہے لیکن فیشن میں تو مار نہیں کھائی۔ ہماری ایئر ہوسٹس فیشن کی پیغام رسانی کرتی ہیں۔

یہ پانچ ہزار نشستوں والا آڈیٹوریم۔ وقت ہوتا تو ہمیں کوئی بیلے دکھایا جاتا۔ مگر وقت کم ہے۔ مختلف برآمدوں شہ دریوں سے ہوتے ہم ایک اور ہال میں جا پہنچے ہیں۔ یہاں چینی فنکاروں کی تیار کی ہوئی بڑی بڑی سینریاں پردوں پر نصب ہیں۔ کہیں قالینوں میں تصویریں بنائی گئی ہیں۔ کہیں پلاسٹک پر۔ یہ ایشیا بلکہ موجودہ دنیا کے عظیم قائد چیئرمین ماؤزے تنگ اور ان کے ساتھیوں کی تصویر ہے۔ اس کی بے شمار قسمیں ہیں۔ آپ جس طرف بھی کھڑے ہو کر دیکھیں چیئرمین ماؤ آپ کو اپنی طرف آتے نظر آئیں گے۔ یہ فن کا کمال ہے خلوص کی بلندی ہے۔ یہ کئی فٹ چوڑے اور کئی فٹ بلند پردے پر جو گاؤں نظر آ رہا ہے۔ اس میں چیئرمین ماؤزے تنگ کا گھر ہے۔ اتنی بڑی عظیم شخصیت کا اتنا معمولی سا گھر۔ یہ 80 کروڑ کی عظیم قوم کے بانی کی پیدائش گاہ ہے۔ یہ ایک اور قدِ آدم پینٹنگ ہے۔ اس پر چینی میں کوئی جملہ لکھا ہے۔ اردو کی مترجم خاتون مجھے بتا رہی ہیں کہ یہ چیئرمین ماؤ کا قول ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔

''ایک چنگاری پورے جنگل میں آگ لگا سکتی ہے۔''

گریٹ ہال..... ایک عظیم قوم کا عظیم ہال..... جو چینیوں کی خود اعتمادی، خود کفالت اور

www.bhutto.org

جمالیات کا مرقع ہے۔ یہ ستون، بالکونیاں، چھتیں، سیڑھیاں، قالین، نفاست کا احساس دیتے ہیں۔ ہم گریٹ ہال دیکھ کر باہر نکل رہے ہیں۔ آج پیکنگ میں دوسری رات ہے۔ آخری رات۔ پھر خبر نہیں ہم کب آئیں۔ سردی کی شدت وہی ہے۔ خنک ہوا گلے سے لپٹ رہی ہے پیکنگ ہوٹل گرم ہے۔ خبریں بھیجنے والے خبریں بھیجنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

پیکنگ میں آخری رات گزر گئی ہے۔ ہمیں صبح بتایا گیا ہے کہ اپنا سامان پیک کر کے برآمدے میں رکھ دیں۔ وہ ائیر پورٹ پہنچ جائے گا۔ ہمیں آج پرنس سہانوک سے ملنے جانا ہے۔ اس لئے میں اور اصحاب نقوی اس کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ دس بجے کے قریب ایک چینی مترجم نے ہمیں آ کر خالص پروٹوکول انداز میں بتایا ہے کہ" آپ کو کمبوڈیا کے سربراہ مملکت سے ملنے جانا ہے۔ تیار رہئے۔ گاڑی آنے والی ہے۔"

ہم پرنس سہانوک سے ملتے ہیں اور ان کا انٹرویو لیتے ہیں۔ اس کے بعد ہم سیدھے گریٹ ہال پہنچتے ہیں جہاں صدر بھٹو کی طرف سے وزیر اعظم مسٹر چواین لائی کے اعزاز میں ظہرانہ دیا گیا ہے۔ آج نسبتاً کم مہمان ہیں۔ یہ اس ہال میں ہو رہا ہے۔ جہاں پہلی شام کو صدر بھٹو اور وزیر اعظم چواین لائی کے کھلے مذاکرات ہوئے تھے۔ آج بھی کھانے کے اتنے ہی دور ہوں گے۔ یہ صدر پاکستان کا لنچ ہے۔ مگر کھانے چینی ہی ہیں۔ صرف اتنا سا فرق ہے کہ چھوٹی چھوٹی چپاتیاں بھی ہیں۔ کھانے کا دور چل رہا ہے۔ تقریریں شروع ہونے والی ہیں۔

گریٹ ہال کے ایک حصے میں پاکستان اور چین جمع ہیں۔

پہلے روز بھی ہم اسی جگہ بیٹھے تھے اور آج جب ہم ایک دو گھنٹے بعد رخصت ہونے والے ہیں۔ آج بھی ہم اسی جگہ بیٹھے ہیں۔ میزیں سجی ہیں۔ کھانے، مشروبات، چین کی طرف سے آج چواین لائی یہہ شین ینگ۔ لی سین نین۔ لی میہہ شنگ۔ کو موجو۔ سو۔ سیا نگ شین۔ نیہہ جنگ شین۔ چی پنگ فیہہ۔ وونہہ سیاہ چنگ گوانگ اور ان کے علاوہ کمبوڈیا کی جدوجہد آزادی کے عظیم قائد اور سربراہ مملکت سمدک نورڈم سہانوک۔ مادام سہانوک۔ سمدک پین نوتھ (کمبوڈیا کے وزیر اعظم) اور ان کی مادام۔ سرین چھاک (وزیر خارجہ، مادام

سرین چھاک)

شمالی کوریا کے چین میں سفیر ہون جن کیوک، ان کی اہلیہ۔ کرمیس (چین میں کمبوڈیک سفیر) پیکنگ میں جمہوریہ ویت نام کے عبوری ناظم الامور رنگوین تین۔

عظیم ملکوں کے عظیم قائد۔ جن سے عوامی قوت اور سامراج کے خلاف جذبۂ حریت کی روایتیں زندہ ہیں۔ میں ایک کم مایہ، شکست خوردہ اور افسردہ قوم کا ایک فرد..... یہ جن کے چہرے عوامی جدوجہد کی راہ کی صعوبتوں، تکلیفوں، قربانیوں کے آئینے..... جن کی پیشانیاں عزم، استقلال کی نشانیاں آج کی عالمی تاریخ کا عنوان یہی لوگ ہیں۔

صدر بھٹو کہہ رہے ہیں..... انہوں نے اور ان کی پارٹی نے چین میں قیام کے دوران بڑے مفید اور نتیجہ خیز مذاکرات کئے۔ ہم چین سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ کہ چیئرمین ماؤزے تنگ اور دوسرے عظیم رہنماؤں کی قیادت میں چین کے عظیم عوام پاکستان کے ساتھ ہیں۔ اور اپنی منصفانہ جدوجہد اور جائز مقصد کے لئے ہمیں چینیوں کی مکمل اور غیر مشروط حمایت حاصل ہے..... ہم پاکستان کے وقار، عزت، سالمیت کا آخر دم تک دفاع کریں گے۔ اگر ہمیں اپنے مقاصد پر یقین ہے تو یہ تکلیفوں کے سال گزرنے میں دقت نہیں ہوگی۔ ہم آرام نہیں کریں گے۔ ہم تھکیں گے نہیں۔ ہم اپنی کوششیں نہیں چھوڑیں گے۔ ہم ہتھیار نہیں رکھیں گے۔ حتیٰ کہ ہمارے ہم وطن آزاد ہو جائیں اور حتیٰ کہ ہماری سرزمین کو انصاف مل سکے ہم اپنے عوام کو طاقت بخشیں گے۔

"اپنے باہمی مفادات، ایشیا اور تیسری دنیا میں امن کے قیام کے لئے پاکستان اور چین کے تعلقات آگے اور آگے بڑھتے رہیں گے۔"

وزیر اعظم چواین لائی جواباً کہہ رہے ہیں۔ اگرچہ صدر بھٹو اور دوسرے ممتاز پاکستانی مہمانوں کا دورہ انتہائی مختصر رہا۔ پھر بھی صدر بھٹو اور چیئرمین ماؤزے تنگ کے درمیان ملاقات اور دونوں ملکوں کے دوسرے لیڈروں کے درمیان ملاقاتوں سے ہم نے جنوب مشرقی برصغیر میں صورت حال کے بارے میں مکمل افہام و تفہیم کی۔ ہم نے اپنے دونوں

ملکوں کے درمیان تعلقات اور باہمی دلچسپی کے سوالات پر غور کیا۔

چواین لائی کہہ رہے ہیں۔ پاکستان ایک عظیم ملک ہے اور پاکستان کے عوام عظیم ہیں۔ جارحیت کے خلاف پاکستان کے عوام کی جدوجہد جائز ہے۔ چین کی حکومت اور عوام ہمیشہ کی طرح آپ کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کریں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ منصفانہ جدوجہد ہمیشہ فتح مند ہوتی ہے۔"

اب جامِ صحت تجویز کرنے کی رسم چل رہی ہے۔ بھٹو صاحب، صدر ماؤزے تنگ۔ وزیر اعظم چواین لائی، پرنس سہانوک کا جامِ صحت تجویز کرتے ہیں اور پھر ایک ایک میز پر جاتے ہیں۔ ہر ایک سے کچھ بات بھی کرتے ہیں۔ ہماری میز کی طرف آتے ہوئے کہنے لگے۔

"شام! تمہارے تو مزے ہو رہے ہیں۔"

میں نے کہا "کیا مزے ہیں۔ آپ چیئرمین ماؤ سے ملنے تو اکیلے چلے گئے۔"

صدر بھٹو کہنے لگے۔ "کیا کروں۔ جیسے ان لوگوں کی خواہش تھی۔ میرا بیٹا مرتضیٰ بھی مجھ سے لڑ پڑا کہ مجھے کیوں ساتھ نہیں لے کر گئے۔ میرے تو گھر میں انقلاب آ گیا۔"

بھٹو صاحب۔ تمام میزوں سے ہو کر واپس پہنچ گئے ہیں۔ اب وزیر اعظم چواین لائی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک ایک میز پر جا رہے ہیں۔ رات وہ ہمارے صدر سے اس بات میں پیچھے رہ گئے تھے۔ مگر آج انہوں نے بھی ایک ایک میز پر جا کر جامِ صحت تجویز کیا ہے۔ غلطی سے ایک میز پر جانے سے رہ گئے ہیں۔ تو واپسی میں انہیں خود ہی یاد آیا تو ہنستے ہوئے ان لوگوں سے معافی چاہی اور پھر ان کے لئے جامِ صحت تجویز کیا۔

اب مشترکہ اعلامیہ پر دستخط کی رسم ہونا ہے۔ مشترکہ اعلامیہ رات کے 3 بجے تک تیار ہوتا رہا۔ بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ پاکستان اسے "مشترکہ اعلان" (Joint Declaration) کا نام دینا چاہتا تھا۔ مگر عوامی جمہوریہ چین کے رہنماؤں نے اس کے لئے "مشترکہ اعلامیہ" (Joint Communlque) کا نام ہی مناسب سمجھا ہے۔ صدر بھٹو اور وزیر اعظم چواین لائی نشستوں پر بیٹھ چکے ہیں۔ بڑی لمبی میز پر سبز غلاف

بچھا ہے۔صدر بھٹو کے پیچھے پاکستانی سرکاری وفد کے ارکان اور وزیر اعظم چواین لائی کے پیچھے چینی وفد کے ارکان ہیں۔دونوں رہنماؤں نے ایک بار غور سے پڑھنے کے بعد اس پر دستخط کئے ہیں۔دونوں دستاویزوں کا تبادلہ ہوا ہے اور اس کے بعد پھر دستخط ہوئے ہیں۔تالیاں بج رہی ہیں۔چین اور پاکستان کی دوستی اور مستحکم ہوگئی ہے۔

چین میں پاکستان کے سفیر مسٹر کے ایم قیصر نے وہ دونوں قلم جو صدر بھٹو اور وزیر اعظم مسٹر چواین لائی نے دستخطوں کے لئے استعمال کئے۔وہ قلم لاکر بیگم بھٹو کو یادگار کے طور پر دیئے ہیں۔

اب ہمارے قافلے کو واپس چلنا ہے۔پیکنگ میں ہمارے قیام کے یہ آخری لمحے ہیں۔محبت جذبات، مسکراہٹوں اور پیار میں بسے ہوئے 48 گھنٹے گزرنے کو ہیں۔یہ گریٹ ہال۔جو اپنی وسعتوں سمیت ہماری آنکھوں میں اتر گیا ہے۔جانے اب ہم یہاں کب آئیں۔ہم اپنے اوورکوٹ اور ٹوپیاں واپس لے کر باہر نکل رہے ہیں۔دروازہ گھوم رہا ہے۔تن ان من سکوائر آج رنگوں سے سجا ہوا ہے۔نغموں سے گونج رہا ہے۔میں دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی مبہوت ہو کر کھڑا ہوگیا ہوں۔تاحدِ نظر رنگ بکھرے ہیں۔ایک شکست خوردہ اور بھٹکی ہوئی قوم کے افراد کے لئے محبت اور گرم جوشی کا یہ اہتمام۔پہلے روز بھی پیکنگ کے عوام اسی طرح ہمارا خیر مقدم کرتے، مگر ان کی تیاریوں پر برف پڑ گئی تھی۔مگر آج برف اور سردی پاکستان اور چین کی محبت کی راہ میں حائل نہ ہوسکی۔میں نے اب تک چینیوں کے والہانہ جذبات کی کہانیاں سنی تھیں، تصویریں دیکھی تھیں یا فلموں میں یہ رنگ دیکھے تھے۔آج میری اپنی آنکھیں ان رنگوں کو دل میں اتار رہی ہیں۔چین کی عوامی سپاہ آزادی، مسلح ملیشیا، لڑکیاں بھی بندوقیں لئے۔نوجوان بھی بندوقیں لئے۔دور دور تک سرخ، سبز، زرد، گلابی، نیلے رنگ بکھرے ہیں۔اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن، میں دم بخود کھڑا ہوں کہ چینی مترجم آکر کہتا ہے۔چلئے چلئے آپ کو ائیر پورٹ پہنچنا ہے۔اپنی اپنی گاڑی میں بیٹھ جائیں۔میں سرخ رنگ والی پانچ نمبر گاڑی میں بیٹھ جاتا ہوں۔بینڈ پاکستانی اور چینی دھنیں چھیڑ رہے ہیں۔ایک دم شور بلند ہوتا ہے۔میں گاڑی سے نکل کر

دیکھتا ہوں۔ صدر بھٹو، وزیر اعظم چواین لائی کے ساتھ باہر نکل رہے ہیں۔ باہر ہجوم بے قراری سے چین اور پاکستان کے جھنڈے لہرانے لگتا ہے اور صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ ''صدر بھٹو گو گر مجوشی سے الوداعی سلام''۔ ''ممتاز پاکستانی مہمانوں کو گر مجوشی سے الوداعی سلام۔''

ایک کھلی موٹر میں، صدر بھٹو چینی ٹوپی سر پر رکھے، چواین لائی کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہوا سے سڑک کے درمیان میں لٹکتے سرخ بینر پھڑ پھڑا رہے ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف لگے لاؤڈ سپیکروں سے پاکستانی اور چینی موسیقی کی تانیں بلند ہو رہی ہیں۔ پھر یہ گاڑی رنگوں میں کھو جاتی ہے۔ میں اپنی گاڑی میں بیٹھ جاتا ہوں۔ میر جمیل الرحمان اپنا کیمرہ سنبھال رہے ہیں۔ اصحاب نقوی کو جلدی میں اپنی گاڑی نہ مل سکی۔ وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے ہیں۔ اب ہم عوامی سپاہ آزادی کے سجیلے جوانوں، کمانڈروں، لڑاکوں، مسلح ملیشیا، سرکاری دفتروں کے لوگوں، طلبہ چین کے محنت کش عوام، نوجوان لڑکے، لڑکیوں، بچے بچیوں کے بکھرے ہوئے رنگوں، محبت بھری مسکراہٹوں، جوشیلے نعروں کے درمیان میں سے گزر رہے ہیں۔ رنگوں کے سیل رواں ہیں۔ نغموں کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ شاہراہِ شانگان تاحدِ نظر رنگوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ ہمارے دونوں طرف وردیوں میں ملبوس خواتین اور نوجوان بندوقیں ہلا ہلا کر رقص کر رہے ہیں۔ چین کے مختلف لوک لباسوں میں ملبوس لڑکے لڑکیاں گلدستے اور رنگین پتیوں سے ہمیں رخصت کر رہے ہیں۔ تین ان مین چوک سے لے کر رنگوں اور نغموں کی یہ لہریں ہمیں نہ جانے کہاں تک لے آئے ہیں۔ ان چینیوں کے چہروں پر مسکراہٹیں کھوکھلی نہیں ہیں۔ ان سے خلوص، انتہائی گہرا خلوص جھلک رہا ہے۔ ہمیں یہ دو اڑھائی میل طے کرنے میں پون گھنٹہ لگ گیا ہے۔ آنکھیں رنگ ہی رنگ دیکھتی رہی ہیں اور مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں۔ کان نغمے ہی نغمے سنتے رہے ہیں یا پھر کچھ اس قسم کی آواز کان میں پڑتی رہی ہے ''لانگ بو بھوٹو'' پیکنگ سے نکل کر ہم پیکنگ کے مضافات میں داخل ہو گئے ہیں۔

اے پیکنگ! الوداع۔ پیکنگ کی دیوارو! الوداع۔ پیکنگ کی مسکراہٹوں! الوداع۔ ہم

منزل کی تلاش میں سرگرداں ہیں، ہم خدا جانے پھر یہاں کتنی بار آئیں اور آپ کب تک ہمارے لئے ان گرمجوشیوں، مسکراہٹوں اور محبتوں کا اظہار کرتے رہیں گے، ہمارے عوام آپ کے عوام سے محبت کرتے ہیں۔ بے ساختہ چاہتے ہیں۔ انتہائی قدر کرتے ہیں۔ مگر انہیں آج تک اپنی مرضی سے قدم اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ انہیں اپنا راستہ خود منتخب کرنے کا اختیار نہیں ملا۔ وہ غیر نمائندہ حکمرانوں، مطلق العنان آمروں، سیاست پر قابض جاگیرداروں، معیشت پر غاصب، سرمایہ داروں کے تسلط میں رہے ہیں۔ ان کے سینے امریکی گولیوں کا نشانہ بھی بنے ہیں۔ اور تمہاری چینی لائٹ مشین گن سے نکلی ہوئی چینی گولیاں بھی ان کے سینوں میں پیوست ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ غیر ملکی حملہ آوروں کو تہس نہس کرنے کے لئے دی گئیں۔ آج ہم آدھا ملک گنوا بیٹھے ہیں۔ بھائیوں محنت کشوں، مزدوروں، کسانوں کے درمیان جو دیواریں کھڑی ہوگئی ہیں۔ اس میں ہمارا قصور نہیں ہے۔ ہمارا قصور ہے تو اتنا کہ ہم اپنے جذبوں، ارادوں اور جدوجہد کو منظم نہیں کر سکے۔ ہمارے ہاں اب تک کوئی انقلابی پارٹی جنم نہیں لے سکی۔ ہمارے ہاں کسی انقلابی زمیندار نے چواین لائی بننے کی کوشش نہیں کی۔ ہمارے مزدوروں اور کسانوں نے بندوق نہیں اٹھائی۔ ہماری نوجوان لڑکیاں رنگین ساڑھیاں، دلکش بیل باٹم ضرور پہنتی ہیں۔ مگر کسی نے فوجی وردی نہیں سجائی۔ ہمارا قصور ہے تو صرف یہی.....

اے پیکنگ کے برف میں ڈھکے ہوئے کھیتو! الوداع۔ تمہارے محنت کشوں کو سلام۔

اب ہم ائیر پورٹ پر پہنچ چکے ہیں۔ صدر بھٹو اور وزیر اعظم چواین لائی گارڈ آف آنر کے معائنے کے لئے چلے گئے ہیں۔ ائیر پورٹ پر بھی وہی سماں ہے۔ وہی رنگ ہیں، وہی لباس ہیں۔ میں طیارے کی طرف جا رہا ہوں۔ جی تو نہیں چاہتا کہ اتنے مختصر قیام کے بعد چلے جائیں۔ مگر کیا کریں۔

احفاظ اور ہاشمی بھاگتے ہوئے آتے ہیں۔ ان سے ایک الوداعی معانقہ کرتے ہیں۔ ایک تصویر بنواتے ہیں۔ یہ خوش قسمت لوگ ہیں، جو یہاں 3 دن سے نہیں 3 سال سے رہ

www.bhutto.org

رہے ہیں۔ہم باتیں کررہے ہیں۔اتنی جلدی رخصت ہونے کو جی نہیں چاہتا۔صدر صاحب سب سے ملاقات کرنے کے بعد واپس ہورہے ہیں۔سیکرٹری وزارت خارجہ مجھ سے کہتے ہیں" آپ کو چلنا نہیں ہے چلئے سوار ہوں۔وقت بہت کم ہے۔"

میں جہاز میں بیٹھ جاتا ہوں۔جہاز سرد ہے۔ابھی حرارت پوری طرح پہنچائی نہیں جاسکتی۔خالی خزانے والی غریب قوم کی رنگین ساڑھیوں، چمکتے بدنوں اور لمبے بالوں والی ائیر ہوسٹس اس وقت اپنی یونیفارم میں ہیں۔

ہم پیکنگ سے رخصت ہورہے ہیں۔پیکنگ کے تین بج رہے ہیں اور ہمارے بارہ۔ اب چھ گھنٹے 20 منٹ کا سفر درپیش ہے۔پیکنگ جاتے وقت فاصلہ جلدی طے ہوجاتا ہے۔پاکستان سے پیکنگ کی طرف جائیں تو ہوا موافق ملتی ہے۔جسے Tail wind کہتے ہیں مگر پیکنگ سے پاکستان کی طرف آئیں تو ہوا مخالف ملتی ہے۔اس لئے سوا ڈیڑھ گھنٹے کا فرق پڑجاتا ہے۔

آتے ہوئے جذبات کا وہ عالم نہیں ہے۔اس وقت اخبار نویسوں کو فکر ہے کہ مشترکہ اعلامیہ مل جائے تو اسے نقل کرلیا جائے۔کچھ اور بریفنگ ہوئی ہے، وہ ہوجائے تو پنڈی پہنچتے ہی اپنے اخبارات اور ایجنسیوں کو خبریں بھیج دی جائیں۔راستے میں عزیز احمد سیکرٹری جنرل وزارت خارجہ بریفنگ کرتے ہیں۔

جب ہم پنڈی پہنچتے ہیں تو رات اپنا دامن پھیلا رہی ہے۔پنڈی ائیرپورٹ کراچی کی طرح روشن نہیں ہے۔اندھیرے میں چھوٹا سا ہجوم استقبال کے لئے موجود ہے۔اتنے اہم دورے کے بعد.....اتنا معمولی سا استقبال.....پاکستان پیپلز پارٹی کو کیا ہوگیا.....پاکستان کے عوام کو کیا ہوگیا.....وزیر مشیر موجود ہیں۔

یہ خصوصی جہاز اب کراچی واپس جائے گا۔ہم کراچی کے اخبار نویس اسی جہاز سے فوراً کراچی چلے جانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔راستے میں جہاز میں خاصی تنہائی میسر آجاتی ہے۔ میں اپنے دل اور دماغ میں امڈے ہوئے جذبات کو کاغذ پر منتقل کرنا شروع کرتا ہوں۔

www.bhutto.org

شعری اظہار اب ہو جائے۔ صحافیانہ اظہار پھر ہو جائے گا۔

تیرے چہرے پہ تبسم کی جھلک ہے پیہم۔
تیری آنکھوں میں چمک
ایسی چمک، جس میں سکوں ملتا ہے
تیرے ماتھے پہ خوشی
ایسی خوشی
جس میں کئی
خوابوں کی تعبیر کا احساس بھی ہے
اپنی منزل کو پہنچ جانے کی تسکین بھی ہے
ایک اِک چہرہ کہ کھلتا ہے گلاب
اِک نئے رنگ سے آتا ہے شباب
کوئی خواہش کا تلاطم نہ ہوس کا گرداب
ایک اک اینٹ کہ کھلتی ہے کتاب

ایک تاریخ کہ ہر گام پر تحریر ہوئی
ایک اِک لمحہ کہ صدیوں کو محیط
ہاتھ اپنے ہیں،
جہاں اپنا ہے،
عظمت اپنی،
ہر قدم رنگ نیا، عزم نیا
ہر نظر خواہش نظارہ لئے
ہر جبیں پر نئے آفاق کی تسخیر کی بے تابی ہے

ایک تسکین ہے قریہ قریہ
ایک احساس ہے کوچہ کوچہ
اپنی منزل کا یقیں
اور بشارت ہو پہنچ جانے کی

تیرے چہرے پہ تبسم کی جھلک
تیری آنکھوں میں خوشی
میری خاطر، تری گلیوں میں یہ رنگوں کے ہجوم
تیری آنکھوں میں خوشی میرے لئے
میری آنکھوں میں ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں
ہم کہ حالات کے پابند ہیں
خواہش کے اسیر
ہم چمکتے ہوئے رنگوں کے غلام
کوئی منزل، نہ ارادہ، نہ بشارت، نہ یقیں
شاخ سے بچھڑے ہوئے پتے ہیں، آوارہ ہیں
ہاتھ اپنے ہیں،
لہو اپنا ہے،
ذلت اپنی

تیری آنکھوں میں خوشی،
تیرے دامن میں سکوں،
میں تہی چشم، تہی قلب، تہی دامن ہوں

میرے چہرے پہ شکستوں کی کہانی پڑھ لے
میری آنکھوں کی اداسی ہے مرے پیارے وطن کی تصویر
عزم جو خواب ہوئے
حوصلے راکھ ہوئے
آبرو خاک ہوئی
اب نہ عظمت، نہ انا
سر جھکائے ہوئے اور ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے
ایک دنیا کی نگاہیں ہم پر

ہم کہ پھر اٹھیں نیا عزم لئے
کرچیاں اپنی چنیں،
تیری آنکھوں کی خوشی، میری خوشی بن جائے
تیرے چہرے کا تبسم میرے لب پر بھی ہو،
تیری گلیوں کا سکوں میرا سکوں بن جائے،
اپنی منزل کا یقیں اور بشارت مل جائے

میرے ذہن میں اٹکے ہوئے جذبے نظم میں ڈھل گئے ہیں۔ ائیر ہوسٹس بتا رہی ہے۔ ہم کراچی پہنچ گئے ہیں۔ ائیر پورٹ ویران ہے، کوئی لوڈر ہے اور نہ کوئی چیک کرنے والا۔ کیونکہ یہ شیڈول کی پرواز نہیں ہے۔ ہمارے پاسپورٹ پر جاتے وقت تو یہ اندراج ہوا تھا، کہ ''پاکستان سے اسلام آباد ائیر پورٹ سے روانہ ہوا..... 31 جنوری کو'' مگر نہ چین میں کسی نے ہمارے داخلے کا اندراج کیا اور نہ پاکستان میں کسی نے ہماری واپسی کا اندراج کیا۔ پنڈی میں ہم اترے نہیں۔ وہاں تک یہ بین الاقوامی پرواز تھی، کراچی میں یہ اندرونی پرواز ہوگئی۔ ہم امیگریشن کے کاغذات میں اب تک پاکستان سے باہر ہی ہیں۔

www.bhutto.org